فہرست مضامین کتاب سیرۃ النعمان

تمت

هو المستعان

سیرة النعمان

یعنی

امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی سوانح عمری

کا

حصہ اوّل

مولفہ

مولانا محمد شبلی نعمانی

مطبع مجتبائی دہلی مین چھپا

بسم الله الرحمن الرحیم

حمد و ستایش که بعنوان خوش است — نعت همانگونه بانسان خوش است
شیفتگانیم و پیمبر پرست — سجده اگر نیست زمین بوس هست
تا بخودی پایه نگهدار باش — دم ز شریعت زن و هشیار باش
هرچه نه بیش است و نه کم - باز دان — سجده و تعظیم نه رسم باز دان
در ره الفت - که بود هیچ هیچ — پا چو نهی - بر تو نگیرم هیچ

من که درین دائره از دیر باز — پاسے ز خلوت نه نهادم فراز
باز برانم - که درین داوری — دل برم از خلق بافسونگری

خواسته‌ام طرح دگر ریختن — شعبدهٔ تازه بر انگیختن

بزم دگر هست و تماشا دگر — باده دگر آرم و مینا دگر

زمزمهٔ تازه بساز افگنم — غلغله در حلقهٔ راز افگنم

باده قسم بحریفان دگر — از می دوشین قدری تندتر

زخمه که بر تار سخن میزنم — هان بنگر تا بچه فن میزنم

قاعدهٔ سحرطرازیست این — نیک نگر کن۔ که چه بازیست این

پا چو درین معرکه افشرده ام — پایهٔ فن تا بکجا برده ام

حرمت این کار نگهداشتن — ق — نامه بلعل و گهر انباشتن

کارمن است این حد هر خام نیست — این بود آن مے که بهر جام نیست

دست اگر سوی قدح برده ام — جای عنب لخت دل افشرده ام

کان معانی همه کاویده ام — لیک گهر چند فراچیده ام

غارت بتخانهٔ چین کرده ام — تا صنمی چند گزین کرده ام

خاک در میکده ها بیختم — . — لیک می صافی بقدح ریختم

وایه اگر از دگران خواستم — چاره نه زو بود ازان خواستم

فن سیر گرچه بود دلپذیر — نیست درو خود ز روایت گزیر

مایه اگر از دگر آورده ام — قطره ربودم گهر آورده ام

گرچہ مرا شیوۂ فن این نبود	حرف بہ از دوزدن ۔ آئین نبود
پیشتر او گرم طلب بودہ ام	بادیہ پیمائے عرب بودہ ام
بزم چو آن فرہ و آن ساز داشت	ساغر من بادۂ شیراز داشت
لیک چو آن مطرب و ساقی نماند	بوے ازان میکدہ باقی نماند
بزم بطرزِ دگر آراستم	خوشتر ازان نیز کہ میخواستم
گرچہ سر و برگِ سخن دیگر است	شمع ہمانست ۔ لگن دیگر است
بادگوارا بہ عزیزان تمام	بادۂ گلگون بہ سفالینہ جام

"نامورانِ اسلام"، جسکا ایک حصہ المامون چھپکر شائع ہو چکا ہے ۔ اوّل اوّل جب مجھکو اسکا خیال پیدا ہوا تو نہایت وسیع بنیاد پر ہوا ۔ جسطرح مین نے خلافت و سلطنت کے مختلف خاندانون سے نامور انتخاب کیے ۔ ارادہ تھا کہ اسیطرح علوم و فنون کے جدا جدا خاندان قائم کیے جائین اور جو لوگ اُن خاص خاص فنون مین اپنا نظیر نہین رکھتے تھے اُن کو اُس سلسلہ کا ہیرو قرار دیا جاے ۔ مگر اتنا بڑا کام تنہا میرے بس کا نہ تھا مجبورًا حیثیت حکومت کی قید لگا کر مین نے اس وسیع خیال کو بہت کچھ محدود کر دیا ۔ بلکہ سلسلۂ حکومت سے بھی بہت سے خاندان چھوڑ دیے ۔ تاہم وہ خیال دل سے نہ گیا کہ فرصت ہو تو اہلِ کمال کا دربار بھی سجایا جاے کہ السیف والقلم توامان ۔

المامون کے بعد مین نے **الفاروق** لکھنی شروع کی تھی اور ایک معتدبہ حصہ لکھ بھی لیا تھا ۔ لیکن بعض مجبوریون سے چند روز کے لیے اُسکی تالیف سے ہاتھ اُٹھانا پڑا ۔

اسپر کوتاہ بینون نے عجیب عجیب بدگمانیان کین۔ حالانکہ بات اتنی تھی کہ بعض نادر کتابین جو اس تصنیف کے لیے نہایت ضروری ہین اور یورپ مین چھپ رہی ہین ابھی تک پوری چھپکر آ نہین چکین۔ اس زمانۂ انتظار مین بیکار بیٹھنا تو مشکل تھا خیال ہوا کہ کسی اور نامور کی لائف شروع کرون لیکن یہ دیکھکر کہ الفاروق ناتمام ہے۔ طبیعت رُک جاتی تھی اور اس میدان مین قدم آگے نہ بڑھ سکتا تھا۔ ادھر یہ خلش چین نہ لینے دیتی تھی کہ علمی نام آورونکے کارنامے دکھانے بھی ضرور ہین۔ کیونکہ اسلام مین تیغ و قلم کا ہمیشہ ساتھ رہا ہے۔

آخر یہ خیال غالب آیا اور چند روز کے لیے خاندانِ حکومت کو چھوڑکر علمی سلسلہ کی طرف توجہ کرنی پڑی۔ فقہ۔ حدیث۔ ادب۔ منطق۔ فلسفہ۔ ریاضی۔ مختلف خاندان سامنے تھے۔ بعض وجوہ سے **فقہ** کو ترجیح دی اور امام **ابو حنیفہ** کو جو فقہ کے بانی ہین اُسکا ہیرو قرار دیا۔ امام ابو حنیفہ کے اجتہادی مسائل قریباً بارہ سو برس سے تمام ممالک اسلامی مین پھیلے ہوئے ہین۔ بڑی بڑی عظیم الشان اسلامی سلطنتون مین اُنہی کے مسائل قانونِ سلطنت تھے اور آج بھی ہین۔ اسلامی دُنیا کا غالب حصّہ اُنہی کے مسائل کا پیرو ہے۔ عربی۔ فارسی ترکی۔ بلکہ یورپ کی زبانون مین۔ اُنکی متعدد سوانح عمریان لکھی گئین۔ ظلم تھا اگر اُنکے حالاتِ زندگی خود **اردو** مین نہ لکھے جاتے جو بلحاظِ غالب اُنہین کے پیروؤن کی زبان ہے۔

امام ابوحنیفہ کو اسلام مین جو رتبہ حاصل ہے اُسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جس کثرت سے اُنکی سوانح عمریان لکھی گئین کسی کی نہین لکھی گئین۔ مسلمانون مین علم **رجال** کو جو ترقی ہوئی۔ دنیا مین اُسکی کوئی نظیر موجود نہین۔ تراجم۔ طبقات۔ قرون۔ وفیات۔ اعیان

سنین - وغیرہ کے نام سے جدا جدا عنوان قائم ہوئے - اور ایک ایک عنوان کے ذیل مین اس کثرت سے کتابین لکھی گئین کہ اُنکا شمار بھی مشکل ہے - لیکن خاص سیرت (لائف) کے فن کو چندان ترقی نہین ہوئی - علما - شعرا - قضاۃ - حکما - مین سے بہت کم ایسے خوش قسمت ہین جنکے حالات مستقل تصنیفون مین لکھے گئے - جہانتک ہمکو معلوم ہے حضرت امام ابو حنیفہ ایک شخص ہین جنکے واقعاتِ زندگی کے ساتھ معمول سے زیادہ اعتنا کیا گیا - نہایت کثرت سے انکی سوانح عمریان لکھی گئین اور اُن نامورون نے لکھین جو خود اس قابل تھے کہ انکی مستقل سوانح عمریان لکھی جاتین - اس خصوصیت مین اگر کوئی شخص امام ابو حنیفہ کا ہمسر ہے تو صرف امام شافعی ہین -

امام ابو حنیفہ کے حالات مین جسقدر کتابین لکھی گئین اُن مین سے جسقدر ہم تحقیق کر سکے حسب ذیل ہین -

نام کتاب [1]	نام مصنف	کیفیت
عقود المرجان	امام احمد بن محمد طحاوی المتوفی سنہ ۳۲۱	امام طحاوی حدیث و فقہ کے مشہور امام اور صرف ایک واسطے سے امام شافعی کے شاگرد ہین انکی تصنیفات مین سے معانی الآثار چھپ گئی ہے -

[1] یہ فہرست زیادہ تر کشف الظنون سے ماخوذ ہے - بعض کتابون کے نام - یا مصنفین اور کتب کے زمانہ حالات اور کتابون سے لیے گئے ہین اور وہان خاص تصریح کردی گئی ہے -

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
قلائد عقود الدرر والعقیان	امام احمد بن محمد طحاوی	یہ عقود المرجان کا خلاصہ ہے۔
الروضۃ العالیۃ المنیفۃ		
مناقب النعمان	امام محمد بن احمد بن شعیب المتوفی سنہ ۳۵۷ھ	امام محمد بن احمد حدیث میں حاکم کے استاد ہیں یہ کتاب بیس جزوں میں ہے۔ (الجواہر المضیہ ترجمہ محمد بن احمد)
مناقب النعمان	شیخ ابو عبداللہ الصیمری حسین بن علی	قاضی صیمری بڑے فقیہ اور فن حدیث میں دارقطنی کے شاگرد تھے۔ مورخ خطیب نے اُن سے روایت کی ہے۔ قاضی ابو الولید باجی نے اُنکو امام الحنفیۃ کہا ہے سنہ ۴۳۶ میں وفات پائی۔ یہ تصنیف ایک ضخیم کتاب ہے اور امام ابو حنیفہ کے متعلق تصنیفات کا زیادہ تر ماخذ یہی کتاب ہے (الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ)
مناقب النعمان	ابو العباس احمد بن الصلت الحمانی المتوفی سنہ ۳۰۸	نہایت مفصل کتاب ہے۔ صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ خطیب بغدادی نے ابو العباس کی تضعیف کی ہے۔ جیسا کہ حنفیوں کی نسبت

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
		انکی عام عادت ہے۔
شقائق النعمان فی مناقب النعمان	علامہ جار اللہ زمخشری المتوفی سنہ ۵۳۸ھ	زمخشری ایک نامور مصنف ہین۔ تفسیر کشاف انکی مشہور کتاب ہے۔
مناقب النعمان	موفق الدین بن احمد المکی الخوارزمی المتوفی سنہ ۵۶۸ھ	یہ کتاب چالیس بابون مین ہے۔ موفق الدین علامہ زمخشری کے شاگرد ہین فقہ و ادب مین کامل تھے۔ حافظ سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ مین ان کا ذکر کیا ہے۔
کشف الآثار	امام عبداللہ بن محمد الحارثی	مشہور مصنف ہین۔ ابن جوزی نے ابو سعید سے روایت کی ہے کہ حدیث مین انکا اعتبار نہین۔ اسپر صاحب جواہر مضیئہ فرماتے ہین کہ امام عبداللہ کا رتبہ ابن جوزی و ابو سعید دونون سے بڑھکر ہے۔
مناقب النعمان	امام ظہیر الدین المرغینانی المتوفی سنہ ۵۰۶ھ	مشہور فقیہ ہین۔ جواہر مضیہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ قاضی خان انہین کے شاگرد تھے
مناقب النعمان	امام محمد بن محمد الکردری المتوفی سنہ ۸۲۷ھ	گیارہ بابون مین ہے۔ اسمین امام کے حالات کے ساتھ انکے مشہور تلامذہ یعنی قاضی ابو یوسف

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
		امام محمد عبداللہ بن المبارک۔ امام زفر۔ داؤد الطائی۔ وکیع بن الجراح۔ حفص بن غیاث۔ یحیی بن زکریا۔ حسن بن زیاد۔ کے حالات بھی جدا جدا بابون مین لکھے ہین۔ یہ کتاب بروم مین بہت متداول ہے سلطان مراد ثانی کے حکم سے محمد بن عمر نے ترکی زبان مین اسکا ترجمہ کیا۔
مناقب النعمان	ابو القاسم بن کاس	عقود الجمان مین اِس کتاب کے اکثر حوالے ہین۔
کتاب الانتقاء فی مناقب الثلاثۃ الفقہاء	قاضی بن عبد البر المتوفی سنہ ۴۶۳ھ	امام ابوحنیفہ و امام مالک و امام شافعی کے حالات ہین۔ علامہ بن خلکان نے قاضی ابویوسف کے ترجمہ مین اس کتاب کا ذکر کیا ہے قاضی بن عبد البر بہت بڑے محدث اور امام ہین۔ اُنکی کتاب الاستیعاب صحابہ کے حالات مین ایک مشہور اور مستند کتاب ہے۔

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
مناقب النعمان	ابو القاسم عبداللہ بن محمد بن احمد المعروف بابن ابی العوام	
مناقب ابی حنیفہ	علامہ ذہبی	علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ مین لکھا ہے کہ مین نے امام ابو حنیفہ کے مناقب ایک جداگانہ رسالہ مین لکھے ہین۔ علامہ ذہبی بہت بڑے محدث تھے اِس فن مین اُنکے بعد کوئی اِس رتبہ کا نہین ہوا۔ میزان الاعتدال۔ دکاشف۔ وعبر۔ ودول الاسلام۔ وتذکرۃ الحفاظ اُنکی مشہور کتابین ہین۔
المواہب الشریفۃ		اسکا ترجمہ ہوگیا ہے جسکا نام تحفۃ السلطان فی مناقب النعمان ہے۔
بستان فی مناقب النعمان	شیخ محی الدین عبد القادر القرشی المتوفی ۷۷۵ھ	الجواہر المضیئۃ فی طبقات الحنفیۃ اِنہین کی تالیف ہے۔ حدیث مین حافظ تقی الدین سبکی کے شاگرد ہین۔
تبییض الصحیفۃ فی مناقب ابی حنیفۃ	حافظ جلال الدین سیوطی	مشہور مصنف ہین۔

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
عقود الجمان فی مناقب النعمان	محمد بن یوسف بن علی الدمشقی	زیادہ تفصیل آگے آئیگی۔
الخیرات الحسان فی مناقب النعمان	حافظ ابن حجر مکی مصنف صواعق محرقہ	مشہور مصنف ہین۔
قلاید عقود العقیان		مؤلف کا نام معلوم نہین۔ دیباچہ سے معلوم ہوا کہ یمن کا کوئی عالم ہے۔
مناقب النعمان	شمس الدین احمد بن محمد الستواسی	ترکی مین ہے اور نظم ہے۔
مناقب الامام الاعظم	شیخ ابو سعید	فارسی زبان مین ہے۔
رسالہ فی فضل ابیحنیفہ	عتیق بن داود الیمانی	
نظم الجمان	شیخ صارم الدین ابراہیم بن محمد بن دقماق المتوفی سنہ ۸۰۹ھ	تین جلدون مین ہے۔ امام ابو حنیفہ قاضی ابو یوسف۔ و امام محمد۔ ہر ایک کے حال مین الگ جلد ہے۔
مناقب الامام الاعظم	مولانا محمد کامی آفندی قاضی بغداد المتوفی سنہ ۱۱۳۶ھ	ترکی مین ہے۔

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
مناقب الامام الاعظم	مستقیم زادہ سلیمان سعد الدین آفندی	ضخیم کتاب ہے ۱۱۶۱ھ میں تالیف ہوئی ترکی زبان میں ہے۔

افسوس ہے کہ یہ کتابیں ہمارے ملک میں ناپید ہیں۔ میرے پاس عقود الجمان والخیرات الحسان موجود ہیں۔ اور قلاید العقیان کا ایک عتیق نسخہ نظر سے گزرا ہے[1]۔ الخیرات الحسان اگرچہ اس وجہ سے کہ ابن حجر مکی کی طرف منسوب ہے زیادہ مشہور ہے لیکن وہ خود کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے بلکہ تمامتر عقود الجمان کا خلاصہ ہے اور خود مصنف نے دیباچہ کتاب میں اسکا اعتراف کیا ہے۔ قلاید العقیان کے دیباچہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ زیادہ تر قاضی صیمری کی تصنیف سے ماخوذ ہے۔

عقود الجمان جو نہایت جامع اور مفصل کتاب ہے اور میری تالیف کا عام ماخذ وہی ہے۔ حافظ ابو المحاسن محمد بن یوسف بن علی الدمشقی الصالحی نزیل برقوقیہ کی تصنیف ہے۔

حافظ ابو المحاسن جلال الدین سیوطی کے شاگرد اور فن حدیث میں [illegible] دیباچہ [illegible] خود مصنف [illegible]

خاتمہ میں تصریح کی ہے ربیع الثانی [illegible] میں تمام ہوئی۔ دیباچہ میں لکھا ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ کے حالات میں بہت سی کتابیں دیکھیں جنمیں سے موفق بن احمد خوارزمی کی تصنیف سب سے عمدہ تر اور جامع ہے۔ کتاب کے خاتمہ میں لکھا ہے کہ میں نے اس بحث میں جسقدر کتابیں دیکھیں اگر ان سے لکھنا چاہتا تو یہ کتاب دو ضخیم جلدوں میں طیار ہوتی۔

[1] روم و مصر کے سفر میں مذکورہ بالا فہرست کی اکثر کتابیں میری نظر سے گزریں لیکن بہتم بالشان اور مفید معلومات کے لحاظ سے کوئی کتاب ایسی نہ نکلی جس سے میری تالیف میں معقول اضافہ ہو سکتا۔ ۱۲ منہ

امام ابو حنیفہ کے حالات مین مستقل تصنیف تو مجھکو ایک یہی مل سکی لیکن رجال وتاریخ کی مستند کتابین جنمین امام کا ذکر ہے اکثر میری نظر سے گذرین جنمین تاریخ صغیر بخاری معارف ابن قتیبہ۔ مختصر تاریخ خطیب بغدادی۔ انساب سمعانی۔ تہذیب الاسماء واللغات للنووی۔ تذکرۃ الحفاظ علامۂ ذہبی۔ دول الاسلام للذہبی۔ عبر فی اخبار من غبر للذہبی تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر عسقلانی۔ خلاصۂ تذہیب تہذیب الکمال للعلامۂ صفی الدین الخزرجی خاصۂ قابل ذکر ہین۔ کیونکہ یہ وہ کتابین ہین جن پر آج فن رجال کا مدار ہے۔ اور حدیثون کی تنقید کے لیے زیادہ تر انہین تصنیفات کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

میری کتاب کا پہلا حصّہ جسمین امام ابو حنیفہ کے عام حالات ہین انہی تصنیفات سے ماخوذ ہے۔ لیکن دوسرا حصّہ جسمین امام صاحب کی طرزِ اجتہاد و اصولِ استنباط سے بحث ہے اُسکے لیے یہ تمام دفتر بیکار تھا۔ کیونکہ قدیم زمانہ مین سوانح عمریون کا یہ ڈھنگ ہی نہ تھا کہ حالات زندگی کے ساتھ اُس شخص کی تصنیفات یا مسائل سے بھی بحث کرتے۔ مناظرہ اور مذہبی حمایت کے پیرایہ مین البتہ ایسی کتابین لکھی گئی ہین کہ اُن سے مسائل اور تصنیفات پر تفصیلی ریویو لکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً ابن ابی شیبہ نے امام ابو حنیفہ کے مسائل پر جو اعتراضات کیے اور ثابت کیا کہ وہ حدیث کے مخالف ہین۔ قاسم بن قطلوبغا المتوفی سنہ ۸۷۹ھ نے اسکا مفصل جواب لکھا۔ شمس الائمہ کردری نے منخول کے جواب مین ایک مستقل کتاب لکھی۔ اسیطرح ترجیح مذہب ابی حنیفہ کے نام سے شیخ اکمل الدین محمد بن محمد البابرتی المتوفی سنہ ۷۸۶ھ اور شیخ ابو عبد اللہ محمد بن یحیی

الجرجانی المتوفی ۳۹۷ھ نے مستقل کتابین لکھین۔ مورخ سبط ابن جوزی نے ایک ضخیم کتاب دو جلدون مین لکھی جسکا نام الانتصار لامام ایمۃ الامصار ہے۔ اسی مورخ کی ایک اور تصنیف ہے جوئیس بابون مین ہے اُسمین تفصیلاً امام ابوحنیفہ کے مسائل کی عمدگی ثابت کی ہے۔ صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ "یہ کتاب اپنے باب مین بے نظیر ہے" اسی مضمون پر عمر بن محمد بن سعید الموصلی کی ایک تصنیف ہے جسکا نام الانتصار والترجیح ہے۔ سب سے مفصل کتاب۔ الابانۃ ہے جو قاضی ابوجعفر احمد بن عبداللہ بن القاسم کی تصنیف ہے اور چھ بابون پر منقسم ہے۔ پہلے باب مین ثابت کیا ہے کہ امام کا مذہب اصول سلطنت سے بہت مناسبت رکھتا ہے۔ دوسرا باب اس بحث مین ہے کہ اُنکے مسائل حدیث و آثار سے ثابت ہین۔ چھٹے باب مین اُن مسائل کا ذکر ہے جن پر مخالفون نے اعتراض کیے ہین۔ پھر نہایت تفصیل کے ساتھ اُنکے جواب دیے ہین۔ جواہر مضیۃ کے مصنف نے لکھا ہے کہ "مین نے یہ کتاب دیکھی ہے۔ نہایت عمدہ کتاب ہے اور جو دعوے کیا ہے اُسکے ثبوت مین بہت سی مثالین دی ہین"۔

بے شبہہ اس قسم کی تصنیفات سے بہت بڑی مدد ملسکتی تھی لیکن مین مصنف کشف الظنون کی سی قسمت کہان سے لاتا کہ ان نایاب تصنیفات پر دسترس پاسکتا۔ بڑی تلاش سے شمس الایمۃ کردری کا رسالہ بہم پہنچا کہ اس ناداری مین وہ بھی غنیمت ہے۔ بعض بعض باتین اس رسالہ سے لین۔ باقی میرا تتبع اور تحقیق ہے۔ جسکے لیے خوش قسمتی سے حدیث و

فقہ کا بڑا ذخیرہ میرے پاس مہیا تھا۔

یہ بات بھی لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ امام ابوحنیفہ کی زندگی کی مختلف حیثیتین ہین۔ ولادت۔ نشو و نما۔ طریقۂ معاش۔ طرز معاشرت وغیرہ۔ اِس قسم کے حالات تاریخی پیرایہ رکھتے ہین۔ روایت مین انکا ثقہ ہونا نہونا محدثانہ بحث ہے۔ اُن کے مسائل و طریقۂ اجتہاد پر رائے قائم کرنی مجتہد کا کام ہے۔ اسلیے جو کتاب اِن تمام حیثیتون پر شامل ہوگی ضرور ہے کہ مختلف بحثون مین خود اسکی حیثیتین بھی بدلتی جائین۔ اُسکا طرز تحریر کہین مورخانہ ہوگا۔ کہین محدثانہ۔ اور کہین دونون پہلوؤن سے الگ مجتہدانہ روش ہوگی۔ اس کتاب مین مین نے اِن مختلف حیثیتون کا لحاظ رکھا ہے۔ جو حالات تاریخ سے متعلق ہین اُنمین وہ شہادتین کافی سمجھی ہین جو عام مورخون کے نزدیک مسلّم ہین۔ جو واقعہ محدثانہ پہلو رکھتا ہے اُس مین زیادہ تر تدقیق کی ہے اور تمام اُن اصول سے کام لیا ہے جو محدثین نے اخبار و روایت کے لیے قرار دیے ہین۔ عام ناظرین کو شاید اُن بحثون مین مزا نہ آئے مگر ایسے ضروری حصّہ کو مین کیونکر چھوڑ سکتا تھا۔ عام تاریخی واقعات مین گو مَین نے حدیث کی طرح بال کی کھال نہین نکالی ہے تاہم کوئی ایسا واقعہ نہین لکھا جسکی سند موجود نہو۔ ساتھ ہی اسکا التزام کیا ہے کہ ایسی کتاب کا حوالہ دیا جائے جو خود میری نظر سے نہ گزری ہو کیونکہ نقل در نقل ہو کر اکثر روایتین اپنی حالت پر قائم نہین رہتین۔ اِن احتیاطون کے ساتھ بھی ممکن۔ بلکہ ضرور ہے کہ مجھسے مسامحات اور غلطیان ہوئی ہون۔ لیکن مین اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا تھا۔ و قال اللہ تعالےٰ

لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا

امام ابو حنیفہ کا نام و نسب و ولادت

نعمان نام۔ ابو حنیفہ کنیت۔ امام اعظم لقب۔ شجرۂ نسب یہ ہے۔ نعمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ۔ یہ امر جیسا کہ خود ناموں کی ترکیب سے ظاہر ہے عموماً مسلم ہے کہ امام صاحب عجمی النسل تھے۔ البتہ اسمین اختلاف ہے کہ کس نسل سے تھے اور عرب مین کیونکر آئے خطیب مورخ بغدادی نے امام کے پوتے اسمٰعیل کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے کہ "مین اسمٰعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہون۔ ہم لوگ نسل فارس سے ہین اور کبھی کسیکی غلامی مین نہین آئے۔ ہمارے دادا ابو حنیفہ سنہ ۸۰ھ مین پیدا ہوئے۔ ثابت بچپن مین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت مین حاضر ہوئے تھے انہون نے انکے اور انکے خاندان کے حق مین دعائے خیر کی تھی۔ ہمکو امید ہے کہ وہ دعا بے اثر نہین رہی"[1] اسمٰعیل نے امام صاحب کے دادا کا نام نعمان بتایا اور پردادا کا نام مرزبان حالانکہ عام طرح پر زوطی اور ماہ مشہور ہے۔ غالباً زوطی جب ایمان لائے۔ توان کا نام نعمان سے بدلدیا گیا۔ اسمٰعیل نے سلسلۂ نسب کے بیان مین زوطی کا وہی اسلامی نام لیا اور حیثیت اسلام کا مقتضا بھی یہی تھا۔ زوطی کے باپ کا اصلی نام غالباً کچھ اور ہوگا اور ماہ اور مرزبان لقب ہونگے۔ کیونکہ اسمٰعیل کی روایت سے اسقدر اور بھی ثابت ہے کہ ان کا خاندان فارس کا ایک معزز اور مشہور خاندان تھا۔ فارس مین رئیس شہر کو

[1] مختصر تاریخ بغداد لابن جزلہ۔ ترجمہ امام ابو حنیفہ۔ ۱۲

مرزبان کہتے ہین اسلیے نہایت قرینِ قیاس ہے کہ ماہ اور مرزبان لقب ہین نہ نام۔ حافظ ابو المحاسن نے قیاس لگایا ہے کہ "ماہ اور مرزبان ہم معنی الفاظ ہوگئے" انھون نے قیاساً کہا کیونکہ وہ فارسی زبان نہین جانتے تھے۔ لیکن مین یقیناً کہتا ہون کہ درحقیقت ماہ اور مرزبان کے ایک معنی ہین۔ ماہ دراصل وہی مِہ ہے جسکے معنی بزرگ اور سردار کے ہین۔ مشہور مصرع ہے۔ نہ کہ رامنزلت ماند نہ مِہ را۔ عربی لہجہ نے مِہ کو ماہ کر دیا ہے۔

زوطی غلام نہ تھے

بعض مورخون نے زوطی کی نسبت لکھا ہے کہ "کابل سے گرفتار ہو کر آئے اور قبیلہ بنی تیم اللہ کی ایک عورت نے خریدا۔ کچھ دنون غلامی مین رہے پھر اُسنے آزاد کر دیا اسلیے امام کا خاندان مولی بنی تیم اللہ کہلاتا ہے" مخالفون نے جنکو امام کی تنقیص مین مزا آتا ہے اس روایت کو زیادہ چمکایا ہے حالانکہ اس قسم کی غلامی ثابت بھی ہو تو کسرِ شان کی کیا بات ہے۔ زمانہ نے خاندان کسریٰ پر اس لقب کا داغ لگایا ہے۔ ہمارے علما حضرت ہاجرہ کو کنیز تسلیم کرتے ہین (گو توریت سے ثابت نہین) اسلام کے قریب تر زمانہ مین اکثر وہ لوگ حدیث و روایت کے امام نظر آتے ہین جن پر اس قسم کی غلامی کا اطلاق ہو چکا تھا۔ امام حسن بصری۔ ابن سیرین۔ طاوس۔ عطا بن یسار۔ نافع۔ عکرمہ۔ مکحول۔ جو اپنے زمانہ کے مقتدائے عام تھے۔ خود۔ یا اُنکے باپ دادا غلام رہ چکے تھے۔

زوطی کا غلام ہونا بھی ثابت ہو تو کچھ عار نہین۔ لیکن تاریخی شہادتین اسکے خلاف ہین۔ امام کے نسب مین اور بھی اختلافات ہین ابو مطیع نے انکو نسلِ عرب سے شمار کیا ہے

اور سلسلۂ نسب یون بتایا ہے - نعمان بن ثابت بن زوطی بن یحییٰ بن زید بن اسد
بن راشد الانصاری - حافظ ابو اسحٰق نے شجرۂ نسب کے متعلق یہ روایت نقل کی ہے کہ
نعمان بن ثابت بن کاؤس بن ہرمز بن بہرام - زوطی کے مقام سکونت مین بھی اختلاف
ہے اور یہ اختلافات ضرور ہونے چاہئین تھے - زوطی اول اول جب عرب مین آئے
ہونگے تو برسون تک اُنکی حالت بیگانگی کی حالت رہی ہوگی - لوگون کو اُنکے
حالات کے ساتھ چندان اعتنا نہوگا اور ہوگا تو زبان کی اجنبیت کی وجہ سے صحیح حالات
نہ معلوم ہوسکے ہونگے - معاشرت کی ضرورتون نے زوطی کو مجبور کیا ہوگا کہ وہان کے
رہنے والون سے دوستانہ تعلق پیدا کرین - یہ طریقہ عرب مین عام طور پر جاری تھا اور
اِس قسم کے تعلق کو ولاء کہتے تھے جسکا مشتق مولیٰ ہے - مولیٰ غلام کو بھی کہتے ہین -
اسطرح لفظی شارکت سے بعضون نے زوطی کو غلام سمجھ لیا اور رفتہ رفتہ یہ خیال روایت
کی شکل پکڑ کر کسیقدر عام ہوگیا جسکی وجہ سے اسمٰعیل کو دفع دخل کرنا پڑا کہ "واللہ ہمارا خاندان
کبھی کسیکی غلامی مین نہین آیا" اسمٰعیل نہایت ثقہ اور معزز شخص تھے اسوجہ سے
دقیقہ سنج مورخون نے اِس بحث مین اُنہی کی روایت پر اعتماد کیا ہے کہ "صاحب البیت
ادری بما فیہا" قاضی صیمری نے جو بڑے پایہ کے مصنف ہین صاف تصریح کی ہے کہ "
زوطی - بنی تیم اللہ کے حلیف یعنی ہم قسم تھے"[1] اُس روایت کا (جسمین زوطی کی غلامی کا ذکر ہے)

---

[1] دیکھو قلائد عقود العقیان باب اول - علامہ نووی نے تہذیب الاسماء و اللغات کے مقدمہ مین لکھا ہے
کہ مولیٰ کا لفظ زیادہ تر حلیف ہی کے معنی مین مستعمل ہوتا ہے - ۱۲

یہ قصہ بھی غلط ہے کہ وہ کابل سے گرفتار ہو کر آئے۔ زوطی کے باپ دادا کے نام فارسی زبان کے ہین۔ خود امام ابوحنیفہ کی نسبت ثابت ہے کہ وہ خاندانی حیثیت سے فارسی زبان جانتے تھے۔ یہ ظاہر ہے کہ کابل کی زبان فارسی نہ تھی۔

زوطی کی نسبت ہم یہ نہین بتا سکتے کہ خاص کس شہر کے رہنے والے تھے۔ موٴرخون نے مختلف شہرون کے نام لیے ہین جنمین سے کسیکی نسبت ترجیح کا دعویٰ نہین کیا جاسکتا۔ یقینی طور پر جو ثابت ہے وہ صرف اسقدر ہے کہ اقلیم فارس اور فارسی نسل سے تھے۔ یہ ممالک اُس زمانہ مین اسلامی اثر سے معمور تھے اور اکثر بڑے بڑے خاندان اسلام قبول کرتے جاتے تھے۔ غالباً زوطی اسی زمانہ مین اسلام لائے۔ اور جوشِ شوق یا خاندان والون کی ناراضی سے جسکا باعث تبدیلِ مذہب تھا عرب کا رُخ کیا۔ یہ جناب امیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا اور شہر کوفہ دارالخلافت ہونیکا شرف رکھتا تھا۔ اِس تعلق سے زوطی نے کوفہ کو پسند کیا اور وہین سکونت اختیار کی۔ کبھی کبھی جناب امیرؓ کے دربار مین حاضر ہوتے اور خلوصِ عقیدت کے آداب بجالاتے۔ ایکبار نوروز کے دن کہ پارسیون کی عید کا دن ہے فالودہ نذر کے طور پر بھیجا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ "نوروزنا کل یوم" یعنی "ہمارے ہان ہر روز نوروز ہے" ثابت۔ امام ابوحنیفہ کے پدر بزرگوار کوفہ ہی مین پیدا ہوئے زوطی نے نیک فال لڑکے کو حضرت علیؓ کی خدمت مین حاضر کیا۔ آپنے بزرگانہ شفقت فرمائی اور اُنکے اور اُنکی اولاد کے حق مین دعاے خیر کی۔

ثابت کے حالاتِ زندگی بالکل نامعلوم ہین۔ قراین سے اسقدر پتہ چلتا ہے کہ تجارت

کے ذریعہ سے زندگی بسر کرتے تھے۔ چالیس برس کی عمر ہوئی تو خدا نے فرزند عطا کیا جسکا نام والدین نے نعمان رکھا لیکن زمانہ نے آگے چلکر امام اعظم کے لقب سے پکارا۔

اسوقت عبد الملک بن مروان جو دولت مروانیہ کا دوسرا تاجدار شمار کیا جاتا ہے مسند آرائے خلافت تھا۔ یہ وہ مبارک عہد تھا کہ رسول اللہ صلعم کے جمال مبارک سے جن لوگوں کی آنکھیں روشن ہوئی تھیں انمین سے چند بزرگ موجود تھے جنمین سے بعض امام ابوحنیفہ کے آغاز شباب تک زندہ رہے۔ انس بن مالک نے جو رسول اللہ کے خادم خاص تھے سنہ ۹۳ھ مین وفات پائی سہل بن سعد نے سنہ ۹۱ھ مین انتقال کیا اور ابوالطفیل عامر بن واثلہ تو سنہ ۱۰۰ ہجری تک زندہ رہے۔ لیکن یہ ثابت نہین ہوتا کہ امام ابوحنیفہ نے کسی سے بھی کوئی حدیث روایت کی۔ اسپر لوگون کو نہایت تعجب ہے اور مورخون نے اسکے مختلف اسباب خیال کیے ہین بعضون کی رائے ہے کہ امام **ابوحنیفہ** نے اسوقت تک کسی قسم کی تعلیم نہین حاصل کی تھی۔ انکے باپ دادا تجارت کرتے تھے۔ اسلیے انکی نشوونما بھی ایک عام تاجر کی حیثیت سے ہوئی۔ بڑے ہونے پر امام شعبی کی ہدایت سے علم کی طرف متوجہ ہوئے۔ اسوقت موقع ہاتھ سے نکل چکا تھا یعنی صحابہ مین سے کوئی باقی نہین رہا تھا۔

امام ابوحنیفہ نے صحابہ سے کیون روایت نہین کی۔

لیکن میرے نزدیک اسکی ایک اور وجہ ہے۔ محدثین مین باہم اختلاف ہے کہ حدیث سیکھنے کے لیے کم از کم کیا عمر مشروط ہے۔ اس امر مین ارباب کوفہ سب سے زیادہ احتیاط کرتے تھے یعنی بیس برس سے کم عمر کا شخص حدیث کی درسگاہ مین شامل نہین ہوسکتا تھا[1]۔ انکے نزدیک

[1] مقدمہ ابن الصلاح۔ مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۵۸ — ۱۲

چونکہ حدیثین بالمعنی روایت کی گئی ہین اسلیے ضرور ہو کہ طالب علم پوری عمر کو پہنچ چکا ہو ورنہ مطالب کے سمجھنے اور اوسکے ادا کرنے مین غلطی کا احتمال ہے۔ غالباً یہی قید تھی جس نے امام ابوحنیفہ کو ایسے بڑے شرف سے محروم رکھا۔ اور سچ پوچھو تو یہ قید مصلحت سے خالی بھی نہین۔ جن لوگون نے دس بارہ برس کے سن مین صحابہ سے حدیثین سنین اُنکی روایتین اس لحاظ سے تو نہایت قابلِ اعتماد ہین کہ رسول اللہؐ تک صرف ایک واسطہ ہے۔ لیکن اس بات کا قوی احتمال موجود ہے کہ کم سنی کی وجہ سے مضمونِ حدیث کی تمام خصوصیتین خیال مین نہ آئی ہون جسکی وجہ سے اداے مطلب مین عظیم الشان غلطیان پیدا ہوجاتی ہین۔

تابعیت کی بحث

بہر نوع وجہ کچھ ہو واقعہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے کسی صحابی سے کوئی حدیث نہین سُنی۔ تاہم یہ شرف اُنکی قسمت مین تھا کہ جن آنکھون نے پیغمبر کا جمال دیکھا تھا اُنکے دیدار سے عقیدت کی آنکھین روشن کین۔ یہ واقعہ ایک تاریخی واقعہ ہے لیکن چونکہ اُس سے تابعیت کا رتبہ حاصل ہوتا ہے اسلیے یہ مسئلہ مذہبی پیرایہ مین آگیا ہو اور اُسپر بڑی بڑی بحثین قائم ہوگئی ہین۔ بے شبہہ امام ابوحنیفہ کو اس شرف پر ناز تھا اور بجا تھا کہ اُنھون نے حضرت انس صحابی کو اپنی آنکھون سے دیکھا تھا۔ غیر قومین ان باتونکو معمولی امر خیال کرینگی۔ لیکن ان واقعات سے اُس محبت اور جوشِ عقیدت کا اندازہ ہوتا ہو جو مسلمانونکو رسول اللہؐ اور اُنکے تعلق کی وجہ سے صحابہ کے ساتھ تھا۔ سچ ہے

شعر

فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا
بلبل ہمین کہ قافیۂ گل شود بس است

ہمارے زمانہ کے بعض مصنفون نے امام کی تابعیت سے انکار کیا ہے اور یہ کوئی نئی بات نہین پہلے بھی لوگونکو شبہہ ہوا تھا لیکن محدثین نے جنکو اس قسم کی بحثونکے طے کرنے کا سب سے زیادہ حق حاصل ہے۔ امام کے موافق فیصلہ کیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی سے کہ فن حدیث کے ایک عنصر ہین فتویٰ لیا گیا تھا اُنہون نے یہ جواب لکھا[1] "امام ابوحنیفہ کے زمانہ مین کئی صحابی موجود تھے اس لیئے کہ امام سنہ ۸۰ھ مین بمقام کوفہ پیدا ہوئے اور اُس وقت وہان صحابہ مین سے عبداللہ بن ابی اوفیٰ موجود تھے کیونکہ وہ سنہ ۸۲ھ مین یا اسکے بعد مرے۔ اور ابن سعد نے روایت کی ہے جسکی سند مین کچھ نقصان نہین کہ امام ابوحنیفہ نے انس بن مالک کو دیکھا تھا۔ ان دو صحابہ کے سوا اور اصحاب بھی مختلف شہرون مین موجود تھے۔ بعض لوگون نے اُن حدیثون کو جمع کیا ہے جو امام نے صحابہ سے روایت کین۔ لیکن ان حدیثونکی سندین ضعف سے خالی نہین۔ اور صحیح یہی ہے کہ امام اُنکے ہمزمان تھے۔ اور بعض صحابہ کو دیکھا تھا۔ جیسا کہ ابن سعد نے روایت کی ہے۔ پس اس لحاظ سے امام ابوحنیفہ تابعین کے طبقہ مین ہین اور یہ امر۔ اور امامون کی نسبت جو اُن کے ہمعصر تھے مثلا اوزاعی۔ شام مین۔ حمادین۔ بصرہ مین۔ ثوری۔ کوفہ مین۔ مالک۔ مدینہ شریف مین لیث۔ مصر مین۔ ثابت نہین ہوا واللہ اعلم"۔

حافظ ابن حجر کا فتوے

ابن سعد کی جس روایت کا حافظ ابن حجر نے حوالہ دیا ہے وہ صرف ایک واسطہ

---

[1] اس فتوی کو حافظ ابوالمحاسن نے عقود الجمان مین بعبارتہا نقل کیا ہے۔ اور مین نے اسکا لفظی ترجمہ کیا ہے ۱۲

یعنی سیف بن جابر کے ذریعہ سے امام ابوحنیفہ تک پہنچتی ہے۔ یعنی ابن سعد نے سیف بن جابر سے سنا اور سیف نے خود امام ابوحنیفہ سے۔[۱] ابن سعد وہ شخص ہیں جنکی نسبت علامہ نووی نے تہذیب الاسماء میں لکھا ہے کہ " اگرچہ اُن کا شیخ واقدی ثقہ نہیں مگر وہ خود نہایت ثقہ ہیں" سیف بن جابر۔ بصرہ کے قاضی اور صحیح الروایۃ تھے۔ اِس لحاظ سے یہ روایت اسقدر صحیح اور مستند ہے کہ قوی سے قوی حدیث بھی اُس سے زیادہ صحیح نہیں ہوسکتی۔ اِسی بناپر تمام بڑے بڑے محدثین مثلاً خطیب بغدادی۔ علامہ سمعانی مصنف کتاب الانساب۔ علامہ نووی شارح صحیح مسلم۔ علامہ ذہبی حافظ حجر عسقلانی۔ زین الدین عراقی۔ سخاوی۔ ابو المحاسن دمشقی۔ نے جن پر آب حدیث و روایت کا مدار ہے قطعاً فیصلہ کر دیا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے حضرت انس کو دیکھا تھا۔[۲]

ابن خلکان نے بھی خطیب بغدادی کا یہ قول نقل کیا ہے لیکن چونکہ مورخ مذکور نے لکھا ہے کہ "امام ابوحنیفہ کو کسی صحابی سے ملاقات اور روایت حاصل نہیں ہوئی" لوگون کو دھوکا ہوا کہ ابن خلکان تابعیت کے منکر ہیں۔ حالانکہ ابن خلکان کو ملاقات۔ اور روایت سے انکار ہے نہ رویت سے۔ لیکن اگر ابن خلکان کی عبارت کا وہی مطلب ہو جو بعض ظاہر بینون نے قرار دیا ہے تاہم کون کہ سکتا ہے کہ ایسے بڑے بڑے محدثین کے

[۱] تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی میں یہ تصریح موجود ہے۔۱۲ [۲] مختصر تاریخ خطیب بغداد۔ وکتاب الانساب۔ تہذیب الاسماء واللغات۔ تذکرۃ الحفاظ و عبر فی اخبار من غبر للذہبی۔ تہذیب التہذیب میں امام ابوحنیفہ کا ترجمہ دیکھو۔۱۲

مقابلہ مین انکی شہادت کچھ بھی اعتبار کے قابل ہوگی۔ اصولِ روایت مین یہ مسئلہ طے ہوچکا ہے کہ اگر کسی واقعہ کے اثبات و نفی مین برابر درجہ کی شہادتین موجود ہون تو اثبات کا اعتبار ہوگا۔ یہان نفی کی شہادت ثبوت کے مقابلہ مین بالکل کم رتبہ ہے۔

بعض حنفیون نے رویت سے بڑھکر روایت کا بھی دعویٰ کیا ہے اور تعجب ہے کہ علامہ عینی شارح ہدایہ بھی اس غلطی کے حامی ہین۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ یہ دعویٰ ہرگز پایۂ ثبوت کو نہین پہنچتا۔ حافظ ابو المحاسن نے عقود الجمان مین ان تمام حدیثون کو مع سند

صحابہ سے روایت نہین کی

نقل کیا ہے جنکی نسبت یہ خیال ہے کہ امام نے صحابہ سے سنین تھین۔ پھر اصولِ حدیث سے انکی جانچ کی ہے اور ثابت کردیا ہے کہ ہرگز ثابت نہین۔ محدثانہ بحثین تو دقّت طلب ہین۔ صاف بات یہ ہے کہ امام نے صحابہ سے ایک بھی روایت کی ہوتی تو سب سے پہلے امام کے تلامذۂ خاص اسکو شہرت دیتے۔ لیکن قاضی ابو یوسف امام محمد۔ حافظ عبد الرزاق بن ہمام۔ عبد اللہ بن المبارک۔ ابو نعیم فضل بن دکین۔ مکی بن ابراہیم۔ ابو عاصم النبیل وغیرہ سے کہ امام کے مشہور اور با اخلاص شاگرد تھے اور سچ پوچھیے تو زیادہ تر انھی لوگون نے اُنکے نام آوری کے سکّے بٹھائے ہین۔ ایک حرف بھی اس واقعہ کے متعلق منقول نہین۔

امام کی کنیت جو نام سے زیادہ مشہور ہے۔ حقیقی کنیت نہین ہے۔ امام کی کسی اولاد کا نام حنیفہ نتھا۔ یہ کنیت وصفی معنی کے اعتبار سے ہے۔ یعنی ابو الملۃ الحنیفۃ قرآن مین خدا نے مسلمانون سے خطاب کرکے کہا ہے واتبعوا ملۃ ابراہیم حنیفا

امام ابو حنیفہ نے اسی نسبت سے اپنی کنیت ابو حنیفہ اختیار کی

سن رشد۔ تعلیم و تربیت۔ شیوخ۔ و اساتذہ

امام کے بچپن کا زمانہ نہایت پر آشوب زمانہ تھا۔ حجاج بن یوسف۔ خلیفہ عبد الملک کی طرف سے عراق کا گورنر تھا اور ہر طرف ایک قیامت برپا تھی۔ چونکہ مذہبی گروہ کی مخالفت کی وجہ سے عرب و عراق میں ابتک مروانی حکومت کے پانون نہین جمے تھے۔ حجاج کی سفاکیان زیادہ تر انہین لوگون پر مبذول تھین جو ائمہ مذہب۔ اور علم و فضل کی حیثیت سے مقتدائے عام تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے نہایت سچ کہا کہ "اگر اور پیغمبرون کی امتین سب ملکر اپنے اپنے زمانہ کے بدکارون کو پیش کرین اور ہم صرف حجاج کو مقابلہ مین لائین تو واللہ ہمارا پلہ بھاری رہے گا۔ عبد الملک نے سنہ ۸۶ھ مین وفات کی اور اسکا بیٹا ولید تخت نشین ہوا۔ ولید کے زمانہ مین اگرچہ فتوحات نے نہایت ترقی کی۔ اسپین و سندھ دو بڑی مملکتین اسلام کے قبضہ مین آگئین۔ خوارزم و سمرقند سے گزر کر کابل و فرغانہ پر علم اسلام نصب ہوا۔ مغرب کی طرف جزائر منورقہ و میورقہ فتح ہوئے۔ لیکن اسلام کی روحانی برکتون کا نشان نہ تھا۔ ملکی عہدہ دارون مین سے جو لوگ جسقدر زیادہ معزز اور با اختیار تھے اسیقدر ظالم اور سفاک تھے۔ اسی زمانہ کی نسبت حضرت عمر بن عبد العزیز فرمایا کرتے تھے کہ "ولید۔ شام مین۔ حجاج۔ عراق مین۔ عثمان۔ حجاز مین۔ قرہ۔ مصر مین۔ واللہ تمام دنیا ظلم سے بھر گئی۔" اس عالمگیر آشوب مین بھی اگرچہ درس و تعلیم کا سلسلہ بند نہین ہوا تھا جا بجا حدیث و روایت کی درسگاہین موجود تھین۔ اور فقہا و محدثین باوجود بے اطمینانی کے

درس وتدریس مین مشغول تھے تاہم اسلام کی حوصلہ مندیون اور جوش کے لحاظ سے جسقدر تھا نہایت کم تھا
ملک کی خوش قسمتی تھی کہ حجاج سنہ ۹۵ھ مین مرگیا۔ ولید نے بھی سنہ ۹۶ھ مین وفات پائی۔
ولید کے بعد سلیمان بن عبد الملک نے مسند خلافت کو زینت دی جسکی نسبت مورخین کا بیان
ہے کہ خلفاے بنو امیہ مین سب سے افضل تھا۔ سلیمان نے اسلامی دنیا پر سب سے بڑا
یہ احسان کیا کہ عمر بن عبد العزیز کو مشیر سلطنت بنایا اور مرتے دم تحریری وصیت کی۔ کہ "میرے
بعد عمر بن عبد العزیز تخت نشین ہون" سلیمان نے سنہ ۹۹ھ مین وفات پائی اور وصیت کے
موافق عمر بن عبد العزیز مسند خلافت پر بیٹھے۔ ان کی خلافت نے دفعۃً حکومت مروانی کا رنگ
بدل دیا۔ اور تمام ملک مین عدل وانصاف۔ علم وعمل۔ خیر وبرکت۔ کی جان تازہ ڈالدی۔
ایک مدت سے حضرت علیؓ پر خطبون مین جو لعن پڑھا جاتا تھا یک لخت موقوف کر دیا
شہزادگان بنو امیہ کے ہاتھون سے جاگیرین چھین لین۔ جہان جہان ظالم عمال تھے یکقلم
معزول کر دیے۔ سب سے بڑھکر یہ کہ علوم مذہبی کو وہ رونق دی کہ گھر گھر یہی چرچے پھیل گئے
امام زہری کو حکم دیا کہ حدیثون کو یکجا کرین۔ یہ مجموعہ طیار ہوا تو ممالک اسلامیہ مین اُسکی
نقلین بھجوائین۔

غرض حجاج وولید کے عہد تک تو امام ابو حنیفہ کو تحصیل علم کی طرف متوجہ ہونے کی ترغیب
ہوسکتی تھی نہ کافی موقع مل سکتا تھا۔ تجارت باپ دادا کی میراث تھی۔ اس لئے خز بافی کا کارخانہ
قائم کیا۔ اور حسن تدبیر سے اسکو بہت کچھ ترقی دی۔ لیکن سلیمان کی عہد خلافت مین جب درس
تدریس کے چرچے زیادہ عام ہوئے تو اُنکے دل مین بھی ایک تحریک پیدا ہوئی۔

حسن اتفاق یہ کہ ان ہی دنون مین ایک اتفاقی واقعہ پیش آیا جس سے اُنکے ارادہ کو اور بھی استحکام ہوا۔

تحصیل علم کی تحریک

ایک دن بازار جارہے تھے۔ امام شعبی جو کوفہ کے مشہور امام تھے ان کا مکان راہ مین تھا سامنے سے نکلے تو اُنہون نے یہ سمجھکر کہ کوئی نوجوان طالب علم ہے۔ پاس بلا لیا اور پوچھا کہ "کہان جارہے ہو"؛ انہون نے ایک سوداگر کا نام لیا۔ امام شعبی نے کہا "میرا مطلب یہ نہ تھا تم پڑھتے کس سے ہو؟" انہون نے افسوس کے ساتھ جواب دیا کہ "کسی سے بھی نہین"۔ شعبی نے کہا کہ "مجھکو تم مین قابلیت کے جوہر نظر آتے ہین تم علماء کی صحبت مین بیٹھا کرو"[1]۔ اس نصیحت نے انکے دل مین گھر کر لیا۔ اور نہایت اہتمام سے تحصیل علم پر متوجہ ہوئے۔

علم کلام

اُسوقت تک علم جس چیز کا نام تھا وہ ادب۔ انساب۔ ایام العرب۔ فقہ۔ حدیث۔ کلام تھا۔ کلام۔ اگرچہ آج کل کا علم کلام نہ تھا کیونکہ اس عہد تک مسائل اسلام پر فلسفہ کا پرتو نہین پڑا تھا۔ تاہم ان علوم مین دقتِ نظر۔ بلندیِ خیال۔ زورِ طبع۔ کے لیے اس سے وسیع تر میدان نہ تھا۔ **اسلام** جب تک عرب کی آبادی مین محدود رہا اُسکے مسائل نہایت سادہ اور صاف رہے لیکن فارس اور مصر و شام پہنچکر ان مین رنگ آمیزیان شروع ہوگئین۔ ان ملکون مین اگرچہ حکمت و فلسفہ کا وہ زور باقی نہ رہا تھا تاہم فلسفہ کے بگڑے بگڑائے مسائل عام لوگون مین پھیلے ہوئے تھے اور طبیعتین عموماً باریک بینی اور احتمال آفرینی کی عادی تھین۔

قرآنِ پاک مین خدا کی ذات و صفات۔ مبدأ و معاد وغیرہ کے متعلق جو کچھ مذکور ہے عرب

[1] عقود الجمان۔ باب سادس۔ ۱۲

نے اُسکو اجمالی نگاہ سے دیکھا اور خلوصِ اعتقاد کیلیئے وہی کافی تھا۔ بخلاف اسکے فارس و شام مین نہایت دقیق بحثین پیدا ہو گیئن جو وسعتِ تمدن اور ترقی خیالات کے لحاظ سے ضرور پیدا ہونی چاہئین تھین۔ تنزیہ و تشبیہ۔ صفات کی عینیت و غیریت۔ حدوث و قدم۔ غرض اس قسم کے بہت سے مضامین نکل آتے جنکو بحث و تدقیق کی وسعت نے مستقل فن بنا دیا۔ رفتہ رفتہ عام اعتقادی مسائل مین بھی موشگافیان شروع ہو گیئن۔ اور رایون کے اختلافات سے مختلف فرقے بنتے گئے جو قدری۔ مرجی۔ معتزلی۔ جہمی۔ خارجی۔ رافضی۔ کہلائے۔ یہ فتنہ یہانتک بڑھا کہ اہلِ حق جو ابتک ان بحثون سے الگ تھے انکو بھی مخالفت کی ضرورت سے اسطرف متوجہ ہونا پڑا۔ اسطرح علم **کلام** پیدا ہو گیا۔ جسکو تدوین و ترتیب کی وسعت نے اس رتبہ کو پہنچایا کہ بڑے بڑے ائمہ مذہب (مثلاً امام اشعری و ابو المنصور ماتریدی) کا مایۂ ناز ٹھہرا۔

علم کلام کی طرف توجہ

علم کلام زمانہ مابعد مین اگرچہ مدوّن و مرتب ہو کر اکتسابی علوم مین داخل ہو گیا لیکن اسوقت تک اسکی تحصیل کیلیئے صرف قدرتی ذہانت اور مذہبی معلومات درکار تھین قدرت نے امام ابو حنیفہ مین یہ تمام باتین جمع کر دی تھین۔ رگون مین ایرانی خون۔ اور طبیعت مین زور اور جدّت تھی۔ مذہبی روایتین اور مسائل۔ کوفہ مین ایسے عام تھے کہ ایک معمولی شخص بھی تعلیم یافتہ لوگون مین اٹھ بیٹھکر حاصل کر سکتا تھا۔ امام ابو حنیفہ نے اس فن مین وہ کمال پیدا کیا کہ بڑے بڑے اساتذۂ فن۔ بحث کرنے مین ان سے جی چراتے تھے۔ تجارت کی ضرورت سے اکثر بصرہ۔ جانا ہوتا تھا جو ان تمام فرقونکا دنگل اور خاصکر خارجیون کا

مرکز تھا۔ اباضیہ۔ صفریہ۔ حشویہ۔ وغیرہ سے اکثر بحثین کین اور ہمیشہ غالب رہے۔ اگرچہ آخر ان جھگڑون کو چھوڑ کر وہ علم فقہ پر مائل ہوئے اور تمام عمر اسکی نذر کر دی لیکن اخیر تک یہ مذاق طبیعت سے نہ گیا۔ خارجیون وغیرہ سے آنکے مناظرے۔ علم کلام کی جان ہین۔ انکی علمی زندگی کے تذکرہ مین ہم بعض واقعات کی تفصیل بیان کرینگے۔

شروع شروع مین تو امام صاحب اس فن کے بہت دلدادہ رہے لیکن جسقدر عمر اور تجربہ بڑھتا جاتا تھا انکی طبیعت رکتی جاتی تھی۔ خود ان کا بیان ہے کہ "آغاز عمر مین مین اس علم کو سب سے افضل جانتا تھا کیونکہ مجھکو یقین تھا کہ عقیدہ و مذہب کی بنیاد انہی باتون پر ہے۔ لیکن پھر خیال آیا کہ صحابہ کبار ان بحثون سے ہمیشہ الگ رہے۔ حالانکہ ان باتون کی حقیقت ان سے زیادہ کون سمجھ سکتا تھا۔ انکی توجہ جس قدر تھی فقہی مسائل پر تھی۔ اور یہی مسائل وہ دوسرون کو تعلیم دیتے تھے۔ ساتھ ہی خیال گذرا کہ جو لوگ علم کلام مین مصروف ہین ان کا طرز عمل کیا ہے۔ اس خیال سے اور بھی تبدیلی پیدا ہوئی۔ کیونکہ ان لوگون مین وہ اخلاقی پاکیزگی اور روحانی اوصاف نہ تھے جو اگلے بزرگون کا تمغاے امتیاز تھا[۱]"۔ اسی زمانہ مین ایک دن ایک عورت نے آکر یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو سنت کے طریقہ پر طلاق دینی چاہتا ہے۔ کیونکر دے۔ خود تو بتا نہ سکا عورت کو ہدایت کی کہ امام حماد۔ جن کا حلقۂ درس یہان سے قریب ہے جا کر پوچھے"۔ یہ بھی کہدیا کہ حماد جو کچھ بتائین مجھ سے کہتی جانا"۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس آئی اور کہا کہ حماد نے یہ جواب دیا"

---

[۱] عقود الجمان باب سادس - ۱۲

مجھکو سخت عبرت ہوئی اُسیوقت اُٹھ کھڑا ہوا اور حماد کے حلقۂ درس مین جا بیٹھا"۔

حماد کی شاگردی

امام کی ابتدائی تحصیل کے متعلق ایک اور روایت ہے جسکا سلسلۂ سند خطیب نے امام تک پہنچایا ہے یعنی امام صاحب کا بیان ہے کہ جب مین نے تحصیل علم پر توجہ کی تو بہت سے علوم پیش نظر تھے اور مین متردد تھا کہ کس کو اختیار کرون۔ سب سے پہلے کلام کا خیال آیا۔ ساتھ ہی دل مین گذرا کہ کوہ کندن و کاہ برآوردن ہے۔ ایک مدت کی محنت اور دردسری کے بعد کمال بھی پیدا کیا تو علانیہ اظہار نہین کر سکتے کہ لوگ الحاد کی تہمت نہ لگائین۔ ادب اور قرأت کا بجز اسکے کہ مکتب پڑھائین اور کچھ فائدہ نہ تھا۔ شعر و شاعری مین ہجو اور جھوٹی مدح کے سوا اور کیا دھرا تھا۔ حدیث۔ کے لیے اولاً تو ایک مدت درکار تھی۔ اسکے علاوہ۔ کم سنون سے واسطہ پڑنا اور ہر وقت یہ فکر رہتی کہ لوگ جرح و تعدیل کا نشانہ نہ بنائین۔ آخر فقہ پر نظر پڑی اور دنیا و دین کی حاجتین اُس سے وابستہ نظر آئین"، لیکن یہ روایت محض غلط ہے۔ تمام متعدد روایتین اِسکے خلاف ہین۔ جو ریمارک۔ امام صاحب کی طرف منسوب کئے ہین ایسے جاہلانہ ریمارک ہین کہ ایک معمولی آدمی کی طرف بھی نسبت نہین کیجا سکتی۔ اس روایت کو صحیح مانین تو ماننا پڑیگا کہ حدیث و کلام کی طرف امام ابوحنیفہ نے توجہ ہی نہین کی۔ حالانکہ ان فنون مین امام ابوحنیفہ کا جو پایہ ہے اُس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ تحصیل علوم کے بعد امام نے خیال کیا ہو کہ کس فن کو اپنا خاص فن بنائین۔ اور چونکہ تمام خلایق کی ضرورتین فقہ سے وابستہ ہین اُسی کو ترجیح دی۔ یہی بات طرز بیان کی رنگ آمیزیون سے اس حد تک پہنچ گئی۔ جسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ یہ روایت باینہمہ کہ قید کتابت مین آچکی تھی عقود الجمان

کے مصنف نے نقل کی تو بہت سے اختلافات پیدا ہو گئے۔ ابن جزلہ نے تاریخ بغداد کا جو اختصار کیا ہے ہماری پیش نظر ہے اُسمین اس روایت کا جہان ذکر ہے ہر علم کے متعلق جو ر مبارک ہین۔ دوسرون کی طرف منسوب ہین۔ امام ابوحنیفہ کی نسبت صرف اُنکا تسلیم کرنا بیان کیا ہے۔

حماد کوفہ کے مشہور امام۔ اور استاد وقت تھے۔ حضرت انسؓ سے جو رسول اللہ کے خادم خاص تھے حدیث سُنی تھی۔ اور بڑے بڑے تابعین کی فیض صحبت سے مستفید ہوئے تھے۔ اُسوقت کوفہ مین اُن ہی کا مدرسہ مرجع عام سمجھا جاتا تھا۔ مسعر و شعبہ نے جو ائمہ فن خیال کئے گئے ہین اُن ہی کے حلقہ درس مین تعلیم پائی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود (صحابی) سے فقہ کا جو سلسلہ چلا آتا تھا۔ اُسکا مدار اِن ہی پر رہ گیا تھا۔ ان باتون کے ساتھ زمانہ نے بھی اُن کا ساتھ دیا تھا۔ یعنی دولتمند اور فارغ البال تھے اور اسوجہ سے نہایت اطمینان اور دلجمعی کے ساتھ اپنے کام مین مشغول رہتے تھے۔ ان وجوہ سے امام ابوحنیفہ نے علم فقہ پڑھنا چاہا۔ تو اُستادی کے لئے اُن ہی کو انتخاب کیا۔ اُس وقت درس کا طریقہ یہ تھا۔ کہ اُستاد کسی خاص مسئلہ پر زبانی گفتگو کرتا تھا جسکو شاگرد یاد کر لیتے اور کبھی لکھ بھی لیا کرتے تھے۔ **امام ابوحنیفہ** پہلے دن بائین صف مین بیٹھے۔ کیونکہ مبتدیون کے لئے یہ امتیاز عموماً قائم رکھا جاتا تھا۔ لیکن چند روز کے بعد جب حماد۔ کو تجربہ ہو گیا کہ تمام حلقہ مین ایک شخص بھی حافظہ اور ذہانت مین اُن کا ہمسر نہین ہے تو حکم دیدیا کہ ابوحنیفہ سب سے آگے بیٹھا کرین[1]۔

[1] عقود الجمان باب سادس۔ ۱۲

امام نے اگرچہ اسی زمانہ مین حدیث پڑھنی شروع کردی تھی۔ جسکا تفصیل بیان آگے آتا ہے۔ تاہم حماد کے حلقۂ درس مین ہمیشہ حاضر ہوتے رہے۔ خود اُن کا بیان ہے کہ "مین دس برس تک حماد کے حلقۂ درس مین حاضر ہوتا رہا پھر خیال ہوا کہ اب خود درس و تعلیم کا سلسلہ قائم کرون۔ لیکن اوستاد کا ادب مانع ہوتا تھا۔ اتفاق سے اُنہی دنون حماد کا ایک رشتہ دار جو بصرہ مین رہا کرتا تھا مر گیا۔ حماد کے سوا اور کوئی اُسکا وارث نہ تھا۔ اس ضرورت سے اُنکو بصرہ جانا پڑا۔ چونکہ مجھکو اپنا جانشین کر گئے تھے۔ تلامذہ اور ارباب حاجت نے میری طرف رجوع کیا۔ بہت سے ایسے مسئلے پیش آئے جنمین اُستاد سے مین نے کوئی روایت نہین سُنی تھی۔ اسلیے اپنے اجتہاد سے جواب دیے اور احتیاط کے لیے ایک یادداشت لکھتا گیا۔ دو مہینے کے بعد حماد بصرہ سے واپس آئے۔ مین نے وہ یادداشت پیش کی۔ کل ساٹھ مسئلے تھے۔ انمین سے بیس مین غلطیان نکالین باقی کی نسبت فرمایا کہ تمہارے جواب صحیح ہین۔ مین نے عہد کیا کہ حماد جبتک زندہ ہین اُنکی شاگردی کا تعلق کبھی نہ چھوڑون گا۔"

حماد نے سنہ ۱۲۰ھ مین انتقال کیا۔ امام ابو حنیفہ نے اگرچہ حماد کے سوا اور بزرگون کی خدمت مین بھی فقہ کی تحصیل کی لیکن کچھ شبہہ نہین کہ اس فن خاص مین وہ حماد ہی کے تربیت یافتہ ہین اور یہی وجہ ہے کہ وہ حد سے زیادہ اُنکی تعظیم کرتے تھے۔

حدیث کی تحصیل۔

حماد کے زمانہ مین بھی امام نے حدیث کیطرف توجہ کی کیونکہ مسائلِ فقہ کی مجتہدانہ تحقیق جو امام کو مطلوب تھی حدیث کی تکمیل کے بغیر ممکن نہ تھی۔

اُسوقت تمام ممالک اسلامیہ مین بڑے زور شور سے حدیث کا درس جاری تھا اور ہر جگہ سند اور روایت کے دفتر کھلے ہوئے تھے۔ صحابہ جنکی تعداد کم از کم دس ہزار ہے تمام ممالک مین پہنچ گئے تھے۔ اور انکی وجہ سے اسناد و روایت کا ایک عظیم الشان سلسلہ قائم ہوگیا تھا۔ لوگ جہان کسی صحابی کا نام سن پاتے تھے ہر طرف سے ٹوٹ پڑتے تھے کہ چلکر رسول اللہ کے حالات سنین۔ یا مسائل شرعیہ کی تحقیق کرین۔ اسطرح تابعین کا۔ جو صحابہ کے شاگرد کہلاتے تھے بیشمار گروہ پیدا ہوگیا تھا۔ جنکے سلسلے تمام ممالکِ اسلامیہ مین پھیل گئے تھے۔ جن شہرون مین صحابہ یا تابعین کا زیادہ مجمع تھا۔ وہ دار العلم کے لقب سے ممتاز تھے۔ ان مین مکہ معظمہ مدینہ منورہ۔ یمن۔ بصرہ۔ کوفہ۔ کو خاص امتیاز تھا۔ کیونکہ اسلامی آثار کے لحاظ سے کوئی شہر ان مقامات کا ہمسر نہ تھا۔

کوفہ

کوفہ جو امام ابوحنیفہ کا مولد و مسکن تھا اسلام کی وسعت و تمدن کا گویا دیباچہ تھا۔ اہلِ عرب کی روز افزون ترقی کے لیے عرب کی مختصر آبادی کافی نہ تھی۔ اِس ضرورت سے حضرت عمر نے سعد بن ابی وقاص کو جو اُسوقت حکومت کسریٰ کا خاتمہ کرکے۔ مداین مین اقامت گزین تھے خط لکھا کہ مسلمانون کے لیے ایک شہر بسائو جو انکا دار الہجرۃ اور قرارگاہ ہو۔ سعد نے کوفہ کی زمین پسند کی ۱۷ھ مین اُسکی بنیاد کا پتھر رکھا گیا اور معمولی سادہ وضع کی عمارتین طیار ہوئین۔ اُسیوقت عرب کے قبائل ہر طرف سے آآکر آباد ہونے شروع ہوئے۔ یہانتک کہ تھوڑے دنون مین وہ عرب کا ایک خطہ بنگیا۔ حضرت عمر نے یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمیون کے لیے جو وہان جاکر آباد ہوئے تھے روزینے مقرر کردیے۔ چندروز مین

جمعیت کے اعتبار سے کوفہ نے وہ حالت پیدا کی کہ جناب فاروق۔ کوفہ کو "رمح اللہ" "کنز الایمان" "جمجمۃ العرب" یعنی خدا کا علم۔ ایمان کا خزانہ۔ عرب کا سر۔ فرمایا کرتے تھے۔ اور خط لکھتے تو اس عنوان سے لکھتے تھے "الی راس الاسلام۔ الی راس العرب" حضرت علی نے اس شہر کو دار الخلافۃ قرار دیا۔ صحابہ میں سے ایک ہزار پچاس شخص جنمیں چوبیس وہ بزرگ تھے جو غزوۂ بدر میں رسول اللہ کے ہمرکاب رہے تھے وہاں گئے اور بہتوں نے سکونت اختیار کرلی۔ ان بزرگوں کی بدولت ہر جگہ حدیث و روایت کے چرچے پھیل گئے تھے۔ اور کوفہ کا ایک ایک گھر حدیث و روایت کا درس گاہ بن گیا تھا۔[١]

بصرہ

بصرہ بھی اُسی مقدس خلیفہ کے حکم سے آباد ہوا تھا اور وسعت علم و اشاعت حدیث کے اعتبار سے کوفہ کا ہمسر تھا۔ یہ دونوں شہر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی طرح۔ علوم اسلامی کے دار العلم خیال کیے جاتے تھے۔ علامہ ذہبی نے اسلام کے دوسرے تیسرے دور میں جن لوگوں کو حاملین حدیث کا لقب دیا ہے اور اُنکے مستقل ترجمے لکھے ہیں۔ اُنمیں اکثر مثلاً مسروق بن الاجدع۔ عبیدہ بن عمر۔ اسود بن یزید۔ ابو عمر النخعی۔ ذر بن حبیش۔ ربیع بن خیثم۔ عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ۔ ابو عبد الرحمن السلمی۔ شریح بن الحرث۔ شریح بن ہانی۔ ابو وائل شقیق بن سلمہ۔ قیس بن ابی حازم۔ محمد بن سیرین۔ حسن بصری۔ شعبۃ بن حجاج۔ قتادۃ بن دعامہ۔ انہی دونوں شہروں کے رہنے والے یا خوشباش تھے۔[٢] سفیان بن عیینہ۔ جو ائمۂ حدیث میں شمار کیے جاتے ہیں اکثر

[١] یہ تمام تفصیل۔ فتوح البلدان بلاذری ذکر آبادی کوفہ۔ معجم البلدان۔ فتح المغیث۔ صفحہ ٣٨٢ میں مذکور ہے۔

[٢] تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی۔

فرماتے تھے کہ "مناسک کے لیے مکہ۔ قرات۔ کیلئے مدینہ۔ اور حلال وحرام یعنی فقہ کیلئے کوفہ[1] ہے"۔

فقہ مین امام نے زیادہ تر حماد کا حلقۂ درس کافی سمجھا تھا۔ لیکن حدیث مین یہ قناعت ممکن نہ تھی۔ یہان صرف ذہانت اور اجتہاد سے کام نہین چل سکتا تھا بلکہ درایت کے ساتھ روایت کی بھی ضرورت تھی۔ حدیثین اسوقت تک نہایت پریشان اور غیر مرتب تھین یہانتک کہ بڑے بڑے اساتذہ۔ دو چار سو حدیثون سے زیادہ یاد نہین رکھتے تھے۔ یہ تعداد ضروری مسائل کے لیے بھی کافی نہ تھی۔ اِسکے علاوہ طُرقِ روایت مین اسقدر اختلافات پیدا ہوگئے تھے کہ ایک حدیث جب تک متعدد طریقون سے نہ معلوم ہو اُسکے مفہوم اور تعبیر کا ٹھیک ٹھیک متعین ہونا دشوار تھا۔ امام ابوحنیفہ کو حماد کی صحبت اور پختگی عمر نے اِن ضرورتون سے اچھی طرح واقف کر دیا تھا۔ اِس لئے نہایت سعی اور اہتمام سے حدیثون کے بہم پہنچانے پر توجہ کی۔

تقریباً کوفہ مین کوئی ایسا محدث باقی نہ تھا جسکے سامنے امام صاحب نے زانوی شاگردی تہ نہ کیا ہو۔ اور حدیثین نہ سیکھی ہون۔ ابوالمحاسن شافعی نے جہان اُنکے شیوخِ حدیث کے نام گنائے ہین۔ ترانوے ۹۳ شخصون کی نسبت لکھا ہے کہ کوفہ کے رہنے والے یا نزیل تھے تہذیب التہذیب و تہذیب الاسماء و تذکرۃ الحفاظ وغیرہ مین۔ اگرچہ (جیسا کہ ان کتابون کا عام طریقہ ہے)۔ امام۔ کے شیوخ کا استقصا نہین کیا ہے۔ تاہم اِنہی کتابونکے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنھون نے ایک گروہِ کثیر سے روایت کی جنمین ۲۹ شخص خاص کوفہ کے رہنے والے

[1] معجم البلدان۔ ذکر کوفہ۔

امام کے شیوخ حدیث

تھے اور ان میں اکثر تابعی تھے۔ شیوخ کوفہ میں خاصکر۔ امام شعبی۔ سلمہ بن کہیل۔ محارب بن دثار۔ ابو اسحٰق سبیعی۔ عون بن عبد اللہ۔ سماک بن حرب۔ عمرو بن مرۃ۔ منصور بن المعتمر۔ اعمش۔ ابراہیم بن محمد۔ عدی بن ثابت الانصاری۔ عطا بن السائب۔ موسیٰ بن ابی عائشہ۔ علقمہ بن مرثد۔ بہت بڑے محدث۔ اور سند و روایت کے مرجع عام تھے۔ سفیان ثوری اور امام حنبل وغیرہ کا سلسلۂ سند اکثر انہی بزرگوں تک پہنچتا ہے۔

امام شعبیؒ [1]۔ وہی بزرگ ہیں جنہوں نے اوّل اوّل امام ابوحنیفہ کو تحصیل علم کی رغبت دلائی تھی۔ بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کی تھیں مشہور ہے کہ پانسو صحابہ کو دیکھا تھا۔ عراق۔ عرب۔ شام میں چار شخص جو استاد کامل تسلیم کیے جاتے تھے انہیں ایک تھے۔ امام زہری کہا کرتے تھے کہ "عالم صرف چار ہیں۔ مدینہ میں ابن المسیب۔ بصرہ میں حسن۔ شام میں مکحول۔ کوفہ میں شعبی"۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے ان کو ایک بار مغازی کا درس دیتے دیکھا تو فرمایا کہ "واللہ یہ شخص اس فن کو مجھ سے اچھا جانتا ہے"۔ ایک مدت تک منصب قضا پر مامور رہے۔ خلفا اور اعیان دولت ان کا نہایت احترام کرتے تھے سنہ ۱۰۴ ہجری یا سنہ ۱۰۶ ہجری میں وفات پائی۔

سلمہ بن کہیل مشہور محدث اور تابعی تھے۔ جندب بن عبد اللہ۔ ابن ابی اوفیٰ۔ ابو الطفیل اور انکے علاوہ اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں۔ ابن سعد نے انکو کثیر الحدیث لکھا ہے۔ سفیان بن عیینہ (امام شافعی کے استاد) فرماتے تھے کہ سلمہ بن کہیل ایک رکن ہیں ارکان میں سے۔ ابن مہدی کا قول تھا کہ کوفہ میں چار شخص سب سے زیادہ صحیح الروایۃ تھے۔ منصور۔ سلمہ۔ عمرو بن مرۃ۔ ابو حصین۔

---

[1] امام کی شیوخ حدیث کا حال میں نے زیادہ تر تہذیب التہذیب۔ و معارف ابن قتیبہ۔ و مرآۃ الجنان یافعی سے لکھا ہے۔

ابو اسحٰق سبیعی - کبار تابعین سے تھے - عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمر - بن زبیر - نعمان بن بشیر زید بن ارقم - اور بہت سے صحابہ سے جنکے نام علامہ نووی نے تہذیب الاسماء مین بتفصیل لکھے ہین - حدیثین سُنین تھین - عجلی نے کہا ہے کہ ۳۸ صحابہ سے انکو بالمشافہ روایت ہے - علی بن المدینی جو امام بخاری کے استاد تھے - انکا قول ہے کہ ابو اسحٰق کے شیوخ حدیث مین نے شمار کیے تو کم و بیش تین سو ٹھہرے - حافظ بن حجر نے تہذیب - مین انکا مفصل تذکرہ لکھا ہے -

سماک بن حرب - بہت بڑے تابعی - اور محدث تھے - امام سفیان ثوری نے کہا ہے کہ سماک نے کبھی حدیث مین غلطی نہین کی - خود سماک کا بیان ہے کہ مین اسّی صحابہ سے ملا ہون -

محارب بن دثار - عبد اللہ بن عمر اور جابر وغیرہ سے روایت کی - امام سفیان ثوری کہا کرتے تھے - کہ "مین نے کسی زاہد کو نہین دیکھا جسکو محارب پر ترجیح دون" علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ محارب عموماً حجۃ ہین امام احمد - بن معین - ابو زرعہ - دارقطنی - ابو حاتم - یعقوب - بن سفیان - نسائی نے انکو ثقہ تسلیم کیا ہے - کوفہ مین منصب قضا پر مامور تھے سنہ ۱۱۶ھ مین وفات کی -

عون بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود - حضرت ابو ہریرہ اور عبد اللہ بن عمر سے حدیثین روایت کین - نہایت ثقہ اور پرہیزگار تھے -

ہشام بن عروۃ - مشہور تابعی تھے - بہت سے صحابہ سے حدیثین روایت کین - بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً سفیان ثوری - امام مالک - سفیان بن عیینہ انکے شاگرد تھے - ابو جعفر منصور کے زمانہ مین کوفہ گئے - اہل کوفہ نے اسی زمانہ مین انسے حدیثین روایت کین - خلیفہ منصور - ان کا نہایت احترام کرتا تھا - ایکبار لاکھ درہم انکو عطا کیے - انکے جنازہ کی نماز بھی منصور ہی نے پڑھائی تھی - ابن سعد نے لکھا ہے

کہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے - ابوحاتم نے اُنکو امام حدیث کہا ہے۔

سلیمان بن مہران معروف باعمش کوفہ کے مشہور امام تھے۔ صحابہ مین سے انس بن مالک سے ملے تھے اور عبداللہ بن ابی اوفی سے حدیث سُنی تھی۔ سفیان ثوری وشعبہ اُنکے شاگرد ہین۔

امام - کی تحصیل حدیث کا دوسرا مدرسہ۔ بصرہ تھا جو امام حسن بصری وشعبہ وقتادہ کے فیض تعلیم سے مالا مال تھا۔ تعجب ہے کہ حسن بصری باوجودیکہ سنہ ۱۱۰ ہجری تک زندہ رہے لیکن امام ابوحنیفہ کا اُنکے درس سے مستفید ہونا ثابت نہین ہوتا - البتہ قتادہ کی شاگردی کا ذکر۔ عام محدثین نے کیا ہے۔ اور عقود الجمان کے مختلف مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام نے شعبہ سے حدیث روایت کی اور اُنہون نے اپنے سامنے ہی فتوی وروایت کی اجازت بھی دیدی تھی -

قتادہ - بہت بڑے محدث اور مشہور تابعی تھے۔ حضرت انس بن مالک وعبداللہ بن سرجس وابوالطفیل اور دیگر صحابہ سے حدیثین روایت کین - حضرت انس کے دو شاگرد جو نہایت نامور ہین اُنمین ایک یہ ہین۔ اِس خصوصیت مین اُنکو نہایت شہرت تھی کہ حدیث کو بعینہٖ ادا کرتے تھے۔ یعنی الفاظ و معنی مین بالکل فرق نہین ہوتا تھا۔ اُنکی قوت حافظہ کی ایک عجیب مثال لکھی ہے۔ عمرو بن عبداللہ کا بیان ہے کہ یہ مدینہ مین سعید بن المسیب سے فقہ وحدیث پڑھتے تھے۔ ایک دن انہون نے فرمایا کہ "تم ہر روز بہت سی باتین پوچھتے ہو تمکو اُنمین سے کچھ یاد بھی ہین" اُنہون نے کہا " ایک ایک حرف محفوظ ہے" چنانچہ جسقدر اُن سے سُنا تھا بقید تاریخ اور دن کے بیان کرنا شروع کیا۔ وہ نہایت متعجب ہوئے

اور کہا" خدا نے دنیا مین تم جیسے لوگ بھی پیدا کیے ہین" اسی بنا پر لوگ انکو احفظ الناس کہا کرتے تھے۔ امام حنبل نے ان کی ثقہ، دو اتفیت اختلافات و تفسیر دانی کی نہایت مدح کی ہے اور کہا ہے کہ" کوئی شخص ان باتون مین انکی برابر ہو تو ہو مگر ان سے بڑھکر نہین ہو سکتا" حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب مین ان کا حال تفصیل سے لکھا ہے جس سے انکی عظمت و شان کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

شعبہ بھی بڑے رتبہ کے محدث تھے۔ دو ہزار حدیثین یاد تھین۔ سفیان ثوری نے فن حدیث مین انکو امیر المومنین مانا ہے عراق مین یہ پہلے شخص ہین جسنے جرح و تعدیل کے مراتب مقرر کیے۔ امام شافعی فرمایا کرتے تھے۔ کہ شعبہ نہوتے تو عراق مین حدیث کا رواج نہوتا سنہ ۱۶۰ھ مین انتقال کیا۔ سفیان ثوری کو اُنکے مرنے کی خبر پہنچی تو کہا" آج فن حدیث بھی مر گیا" شعبہ۔ کو امام ابوحنیفہ کے ساتھ ایک خاص ربط تھا۔ غیبت مین اکثر انکی ذہانت اور خوبی فہم کی تعریف کرتے۔ ایکبار انکا ذکر آیا تو کہا کہ" جس طرح مین جانتا ہون کہ آفتاب روشن ہے اسی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہون کہ علم اور ابوحنیفہ ہمنشین ہین" یحیی بن معین سے جو امام بخاری کے اُستاد تھے کسی نے پوچھا کہ آپ ابوحنیفہ کی نسبت کیا خیال رکھتے ہین فرمایا" اسقدر کافی ہے کہ شعبہ نے انکو حدیث و روایت کی اجازت دی اور شعبہ آخر شعبہ ہی ہین"[۵۱] بصرہ کے اور شیوخ جن سے امام ابوحنیفہ نے حدیثین روایت کین اُنمین عبد الکریم بن امیہ اور عاصم بن سلیمان الاحول زیادہ ممتاز ہین۔

---

[۵۱] عقود الجمان۔ باب ۱ دہم۔

امام ابوحنیفہ کو اگرچہ ان درسگاہوں سے حدیث کا بہت بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا تاہم تکمیل کی سند حاصل کرنے کے لیے حرمین جانا ضرور تھا جو علوم مذہبی کے اصلی مرکز تھے۔

حرمین کا سفر

تاریخوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ امام کا پہلا سفر کس سنہ میں واقع ہوا تاہم ظن غالب ہے کہ جب انہوں نے حرمین کا سفر کیا تو تحصیل کا آغاز تھا۔ مورخ ابن خلکان نے لکھا ہے[1] کہ وکیع نے خود امام ابوحنیفہ سے روایت کی ہو کہ حج میں ایک حجام نے جس سے میں نے بال منڈوائے تھے کئی باتوں میں مجھ پر گرفت کی۔ میں نے اجرت پوچھی تو بولا "مناسک حج کاٹے نہیں جاتے"۔ میں چپ ہو کر اصلاح بنوانے لگا۔ اس نے پھر ٹوکا کہ "حج میں چپ نہیں رہنا چاہیے تکبیر کہتے جاؤ" حجامت سے فارغ ہو کر میں گھر چلا تو اس نے کہا "پہلے دو رکعت نماز پڑھ لو پھر کہیں جانا"۔ میں نے متعجب ہو کر پوچھا کہ یہ مسائل تم نے کہاں سیکھے۔ بولا "عطاء بن ابی رباح کا فیض ہے"۔ اس واقعہ سے زیادہ تر یہی قیاس ہوسکتا ہے کہ ابتدائی زمانہ تھا۔

عطاء بن ابی رباح

جس زمانہ میں امام ابوحنیفہ مکہ معظمہ پہنچے درس و تدریس کا نہایت زور تھا۔ متعدد اساتذہ کی جو فن حدیث میں کمال رکھتے تھے۔ اور اکثر صحابہ کی خدمت سے مستفید ہوئے تھے الگ الگ درسگاہ قائم تھے۔ ان میں عطاء بن ابی رباح کا حلقہ درس سب سے زیادہ وسیع اور مستند تھا۔ عطاء مشہور تابعی تھے اکثر صحابہ کی خدمت میں رہتے تھے۔ اور ان کی فیض صحبت سے اجتہاد کا رتبہ حاصل کیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس۔ ابن عمر۔ ابن زبیر۔ اسامہ بن زید۔ جابر بن عبداللہ۔ زید بن ارقم۔ عبداللہ بن سائب۔ عقیل۔ رافع

---

[1] تاریخ ابن خلکان۔ ترجمہ عطاء ابن ابی رباح۔ ۱۲

ابو درداء ۔ ابوہریرہ ۔ اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں سُنی تھیں ۔ خود اُن کا بیان ہے کہ "مین دو سو بزرگون سے ملا ہون جنکو رسول اللہ کی صحبت کا شرف حاصل تھا" مجتہدین صحابہ اُنکے علم و فضل کے معترف تھے ۔ عبداللہ بن عمر جو حضرت فاروق کے فرزند رشید اور صاحبِ افتا تھے اکثر فرماتے تھے کہ "عطا بن رباح کے ہوتے لوگ میرے پاس کیون آتے ہین" حج کے زمانہ مین ہمیشہ سلطنت کی طرف سے ایک منادی مقرر ہوتا تھا کہ "عطا کے سوا کوئی شخص فتوی دینے کا مجاز نہین ہے"[1] بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً امام اوزاعی زہری ۔ عمرو بن دینار ۔ اُنہین کے حلقہ درس سے نکلکر اُستاد کہلاتے ۔

امام ابوحنیفہ استفادہ کی غرض سے اُنکی خدمت مین حاضر ہوئے تو اُنہون نے احتیاط کے لحاظ سے عقیدہ پوچھا ۔ امام نے کہا مین اسلاف کو بُرا نہین کہتا ۔ گنہگارون کو کافر نہین سمجھتا ۔ قضا و قدر کا قائل ہون ۔ عطا نے اجازت دی کہ حلقہ درس مین شریک ہوا کرین ۔[2] روز بروز انکی ذہانت و طباعی کے جوہر ظاہر ہوتے گئے اور اُس کے ساتھ اُستاد کی نظر مین انکا وقار بھی بڑھتا گیا ۔ یہانتک کہ جب یہ حلقہ درس مین جاتے تو عطا ۔ اورونکو ہٹا کر انکو اپنے پہلو مین جگہ دیتے ۔[3] عطا نے ۱۱۵ھ تک زندہ رہے ۔ اور اس مدت مین امام ابوحنیفہ کو جب مکہ جانے کا اتفاق ہوتا تو اونکی خدمت مین اکثر حاضر رہتے اور مستفید ہوتے ۔

عطاء کے سوا مکہ معظمہ کے اور محدثین جنسے امام نے حدیث کی سند لی اُنہین سے عکرمہ

---

[1] ابن خلکان ۔ اور کتب رجال مین اُنکے حالات پڑھو ۔ ۱۲ [2] مختصر تاریخ بغداد لابن جزلۃ ۔ ۱۲

[3] عقود الجمان ۔ باب عاشر ۔ ۱۲

عکرمہ

کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا جاسکتا ہے۔ عکرمہ حضرت عبداللہ بن عباس کے غلام اور شاگرد تھے انہون نے نہایت توجہ اور کوشش سے انکی تعلیم و تربیت کی تھی۔ یہانتک کہ اپنی زندگی ہی مین اجتہاد و فتوی کا مجاز کر دیا تھا۔ عکرمہ نے اور بہت سے صحابہ مثلاً حضرت علیؓ۔ ابوہریرہ۔ عبداللہ بن عمر۔ عقبہ بن عمر۔ صفوان۔ جابر۔ ابو قتادہ۔ سے حدیثین سیکھی تھین اور فقہی مسائل تحقیق کیے تھے۔ کم و بیش ستر مشہور تابعین حدیث و تفسیر مین انکے شاگرد ہین۔ امام شعبی کہا کرتے تھے کہ قرآن کا جاننے والا عکرمہ سے بڑھکر نہین رہا۔ سعید بن جبیر کہ تابعین کے سردار تھے اُن سے ایک شخص نے پوچھا کہ دنیا مین آپ سے بڑھکر بھی کوئی عالم ہے۔ فرمایا "ہان عکرمہ"۔

فقہائے سبعہ

اسی زمانہ مین یعنی سنہ ۱۲۰ھ سے پہلے۔ امام ابوحنیفہ نے مدینہ کا قصد کیا کہ حدیث کا مخزن اور نبوت کا اخیر قرارگاہ تھا۔ صحابہ کے بعد۔ تابعین کے گروہ مین سے سات شخص علم فقہ و حدیث کے مرجع بنگئے تھے اور مسائل شرعیہ مین عموماً انکی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ اِن لوگون نے بڑے بڑے صحابہ کے دامن فیض مین تعلیم پائی تھی اور یہ مرتبہ حاصل کیا تھا کہ تمام ممالک اسلامی مین واسطہ در واسطہ اُنکے درس کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ یہ لوگ ہمعصر تھے اور ایک مشترک مجلس افتا کے ذریعہ سے تمام شرعی مسائل کا فیصلہ کرتے تھے[1]۔ مدینہ کی فقہ جسکی تدوین امام مالک نے کی اُسکی بنیاد زیادہ تر انہی کے فتوون پر ہے۔ امام ابوحنیفہ جب مدینہ مین پہنچے تو ان بزرگون مین سے صرف دو شخص زندہ تھے۔ **سلیمان۔ و سالم بن عبداللہ**

[1] فتح المغیث صفحہ ۳۹۹۔

بڑے شاہنشاہون کے سر جھکتے ہین ۔

امام کی اولاد

امام صاحب کی اولاد کا مفصل حال معلوم نہین مگر اسقدر یقینی ہے کہ وفات کے وقت حماد کے سوا اُنکے کوئی اور اولاد موجود نہ تھی ۔ حماد بڑے رتبہ کے فاضل تھے بچپن مین اُنکی تعلیم نہایت اہتمام سے ہوئی تھی ۔ چنانچہ جب الحمد ۔ ختم کی تو اُن کے پدر بزرگوار نے اس تقریب مین معلم کو پانچسو درہم نذر کیے ۔ بڑے ہوئے تو خود امام صاحب سے مراتب علمی کی تکمیل کی ۔ علم و فضل کے ساتھ بے نیازی اور پرہیزگاری مین بھی باپ کے خلف الرشید تھے ۔ امام صاحب نے جب انتقال کیا تو ان کے گھر مین لوگون کا بہت سامال و اسباب امانت رکھا تھا ۔ اُنھون نے قاضی شہر کے پاس حاضر کیا کہ جنکی امانتین ہین اُنکو پہنچا دی جائین ۔ قاضی صاحب نے کہا کہ ابھی اپنے ہی پاس رہنے دو کہ زیادہ حفاظت سے رہیگا ۔ انھون نے کہا آپ ان کی جانچ کر لین کہ میرے باپ کا ذمہ بری ہو جاوے ۔ غرض تمام مال و اسباب قاضی صاحب کو سپرد کر کے خود روپوش ہو گئے اور اُسوقت ظاہر ہوئے کہ وہ چیزین کسی اور مہتمم کے اہتمام مین دیدی گئین ۔ تمام عمر کسی کی ملازمت نہین کی نہ شاہی دربار سے کچھ تعلق پیدا کیا ۔ ذی قعدہ ۱۷۶ھ مین قضا کی چار بیٹے چھوڑے ۔ عمر ۔ اسمٰعیل ۔ ابو حیان ۔ عثمان ۔ اسمٰعیل نے علم و فضل مین نہایت شہرت حاصل کی ۔ چنانچہ مامون الرشید نے اُنکو عہدۂ قضا پر مامور کیا ۔ جسکو انھون نے اس دیانت داری اور انصاف سے انجام دیا کہ جب بصرہ سے چلے تو سارا شہر اُن کی مشایعت کو نکلا ۔ اور سب

لوگ اُنکے جان و مال کو دعائین دیتے تھے[1] مساور نے اُنکی مدح مین کہا ہے[2]

اذا ما الناس یوما قایسونا	بآبدۃ من الفتیا طریفۃ
اتیناھم بمقیاس صحیح	تلاد من طراز ابی حنیفۃ
اذا سمع الفقیہ بھا وعاھا	واثبتھا بحبر فی صحیفۃ

امام صاحب کی معنوی اولاد تو آج تمام دنیا مین پھیلی ہوئی ہے۔ اور شاید چھ سات کروڑ سے کم نہو گی۔ لیکن اُنکی جسمانی اولاد بھی جا بجا موجود ہے۔ خود ہندوستان مین متعدد خاندان ہین جنکا سلسلۂ نسب امام تک پہنچتا ہے اور خدا کے فضل سے علم و فضل کا جوہر بھی نسلاً بعد نسلٍ اُن کی میراث مین چلا آتا ہے۔

اخلاق و عادات

ہمارے تذکرہ نویسون نے امام کے اخلاق و عادات کی جو تصویر کھینچی ہے اُس مین خوش اعتقادی اور مبالغہ کا اسقدر رنگ بھرا ہے کہ امام صاحب کی اصلی صورت اچھی طرح پہچانی نہین جاتی۔ وہ چالیس برس تک عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھتے تھے۔ تیس برس تک متصل روزے رکھے۔ "جہان وفات کی اُس جگہہ سات ہزار بار قرآن ختم کیا۔" "نہر کوفہ مین مشتبہ گوشت کا ٹکڑا پڑ گیا تو اس خیال سے کہ مچھلیون نے کھایا ہوگا اور مچھلیان بہت دنون تک زندہ رہتی ہین۔ ایک مدت تک مچھلی نہین کھائی۔" اسی طرح ایک شبہہ پر بکری کا گوشت کھانا چھوڑ دیا۔ اُن کا ذاتی صرف۔ صرف دس آنہ ماہوار تھا" یہ اور اس قسم کے بہت

مبالغہ آمیز روایتین

[1] ابن خلکان ترجمہ حماد۔ ۱۲ [2] معارف بن قتیبہ۔ ترجمہ امام ابوحنیفہ۔ ۱۲

افسانے انکی نسبت مشہور ہین اور لطف یہ کہ ہمارے مورخین انہین دور از کار قصّون کو امام کے کمالات کا جوہر سمجھتے ہین۔ حالانکہ یہ واقعات نہ تاریخی اصول سے ثابت ہین نہ اُن سے کسی سکے شرف پر استدلال ہوسکتا ہے۔

یہ سچ ہے کہ امام صاحب کے جن فضائل یا عام حالات کو ہم صحیح تسلیم کرتے ہین وہ بھی انہین کتابون سے ماخوذ ہین جنمین یہ فضول قصّے مذکور ہین۔ لیکن ہر واقعہ کی حیثیت الگ ہوتی ہے اور اُسی اعتبار سے شہادت کی حیثیت بھی بدل جاتی ہے۔ معمولی واقعات مین عام شہادتین کافی ہین۔ لیکن اس قسم کے واقعات کے لیے ایسی سند درکار ہے جسمین ذرا بھی شبہہ کی گنجایش نہو۔ یعنی حدیث صحیح مرفوع متصل کے لیے جو قیدین ضروری ہین اُن سے بھی کچھ بڑھکر۔ ساتھ ہی درایت کے اصول پر منطبق ہو۔ امام صاحب کی دانشمندی۔ دقیقہ سنجی۔ نکتہ شناسی۔ پر جب نگاہ پڑتی ہے جنکا ثبوت سمعی نہین عیانی موجود ہے۔ تو اُن واقعات پر مشکل سے یقین آسکتا ہے جو رہبانیۃ اور بے اعتدالی کی حد سے بھی متجاوز ہین۔

امام صاحب کی محاسن اخلاق کی صحیح (مگر اجمالی) تصویر دیکھنی ہو تو قاضی ابو یوسف کی تقریر سُنو۔ جو انہون نے ہرون الرشید کے سامنے بیان کی تھی۔ ہرون نے ایک موقع پر قاضی صاحب موصوف سے کہا کہ ابو حنیفہ کے اوصاف بیان کیجیے۔ انہون نے کہا "جہانتک مین جانتا ہون ابو حنیفہ کے اخلاق وعادات یہ تھے کہ نہایت پرہیزگار تھے منہیات سے بہت بچتے تھے۔ اکثر چپ رہتے تھے۔ اور سوچا کرتے تھے۔ کوئی شخص مسئلہ

پوچھتا اور اُنکو معلوم ہوتا تو جواب دیتے ورنہ خاموش رہتے۔ نہایت سخی اور فیاض تھے کسی کے آگے حاجت نہ لیجاتے۔ اہل دُنیا سے احتراز تھا۔ دُنیوی جاہ و عزت کو حقیر سمجھتے تھے۔ غیبت سے بہت بچتے تھے جب کسی کا ذکر کرتے تو بھلائی کے ساتھ کرتے۔ بہت بڑے عالم تھے۔ اور مال کی طرح علم کے صرف کرنے مین بھی فیاض تھے "ہارون الرشید نے یہ سنکر کہا "صالحین کے یہی اخلاق ہوتے ہین" عام نگاہون مین یہ باتین چندان وقعت نہین رکھتین لیکن روحانی اوصاف کے نکتہ شناس سمجھ سکتے ہین کہ یہ طرز زندگی ظاہر مین جسقدر سادہ اور آسان ہے۔ در اصل اسیقدر مشکل اور قدر کے قابل ہے۔

امام صاحب کا حلیہ اور گفتگو

امام صاحب کو خدا نے حسنِ سیرت کے ساتھ جمال صورت بھی دیا تھا میانہ قد خوشرو اور موزون اندام تھے۔ گفتگو نہایت شیرین اور آواز بلند اور صاف تھی۔ کیسا ہی پیچیدہ مضمون ہو نہایت صفائی اور فصاحت سے ادا کر سکتے تھے۔ مزاج مین تکلف تھا۔

لباس

اور اکثر خوش لباس رہتے تھے۔ کبھی کبھی سنجاب و قاقم کے جُبّے بھی استعمال کرتے تھے۔ ابو مطیع بلخی اُنکے شاگرد کا بیان ہے کہ "مین نے ایک دن اُنکو نہایت قیمتی چادر اور قمیص پہنے دیکھا جنکی قیمت کم از کم چار سو درہم ہوگی۔

ایک دن نصر بن محمد اُن سے ملنے گئے۔ امام صاحب کہین باہر جانیکی طیاری کر رہے تھے۔ ان سے کہا کہ ذرا دیر کے لیے اپنی چادر مجھے دیدو۔ واپس آئے تو شکایت کی کہ "ناحق تمھاری چادر لیکر مجھکو شرمندہ ہونا پڑا" انھون نے کہا کیون؟ فرمایا بہت گندہ ہے۔ نصر کہتے ہین کہ مین نے وہ چادر پانچ دینار کو خریدی تھی اور مجھکو اسپر ناز تھا۔ اسلیے امام صاحب

سلیمان حضرت میمونہ کے جو رسول اللہ کی ازواج مطہرات مین سے تھین۔ غلام تھے۔ اور فقہاء سبعہ مین فضل وکمال کے لحاظ سے اُن کا دوسرا نمبر تھا۔ سالم حضرت فاروق کے پوتے تھے اور اپنے والد بزرگوار سے تعلیم پائی تھی۔ امام ابوحنیفہ۔ دونون بزرگون کی خدمت مین حاضر ہوتے اور اُن سے حدیثین روایت کین۔

امام ابوحنیفہ کی طالب العلمی کی مسافت اگرچہ مدینہ تک محدود ہے۔ تاہم تعلّم کا سلسلہ اخیر زندگی تک قائم رہا۔ اکثر حرمین جاتے اور مہینون قیام کرتے۔ حج کی تقریب مین ممالک اسلامی کے ہر گوشہ سے بڑے بڑے اہل کمال مکہ مین آکر جمع ہو جاتے تھے جنکا مقصد حج کے ساتھ افادہ اور استفادہ بھی ہوتا تھا۔ امام صاحب اکثر اُن لوگونسے ملتے اور مستفید ہوتے۔ امام اوزاعی اور مکحول شامی۔ کہ شام کے امام المذہب کہلاتے تھے امام ابوحنیفہ نے مکہ ہی مین اِن لوگون سے تعارف حاصل کیا اور حدیث کی سند لی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ امام صاحب کی ذہانت اور اجتہاد کی شہرت دور دور پہنچ گئی تھی۔ یہانتک کہ ظاہر بینون نے اُنکو قیاس مشہور کر دیا تھا۔

انہین دنون مین عبداللہ بن مبارک نے جو امام ابوحنیفہ کے مشہور شاگرد ہین بیروت کا سفر کیا کہ امام اوزاعی سے فنِّ حدیث کی تکمیل کرین۔ پہلی ہی ملاقات مین اوزاعی نے اِن سے پوچھا کہ "کوفہ مین ابوحنیفہ کون شخص پیدا ہوا ہے۔ جو دین مین نئی باتین نکالتا ہی"۔ اوزاعی انہون نے کچھ جواب نہ دیا اور گھر چلے آئے۔ دو تین دن کے بعد پھر گئے تو کچھ اجزا۔ ساتھ لیتے گئے۔ اوزاعی نے انکے ہاتھ سے وہ اجزا۔ لے لئے۔ سرنامہ پر لکھا تھا "قال نعمان بن ثابت"۔

دیر تک غور سے دیکھا کیے۔ پھر عبداللہ سے پوچھا نعمان کون بزرگ ہین۔ انہون نے کہا عراق کے ایک شیخ ہین جنکی صحبت مین مین رہا ہون۔ فرمایا بڑے پایہ کا شخص ہے۔ عبداللہ نے عرض کی۔ یہ وہی ابوحنیفہ ہین جنکو آپ مبتدع[1] بتاتے تھے۔ اوزاعی کو اپنی غلطی پر افسوس ہوا۔ حج کی تقریب سے اوزاعی مکہ گئے تو امام ابوحنیفہ سے ملاقات ہوئی۔ انہی مسائل کا ذکر آیا اتفاق سے عبداللہ بن المبارک بھی موجود تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اس خوبی سے تقریر کی کہ اوزاعی حیران رہ گئے۔ امام ابوحنیفہ کے جانے کے بعد بولے کہا کہ "اس شخص کے کمال نے اسکو لوگون کا محسود بنا دیا ہے۔ بے شبہ میری بدگمانی غلط تھی جسکا مین افسوس کرتا ہون"۔

تاریخون سے ثابت ہے کہ امام ابوحنیفہ نے فن حدیث مین امام اوزاعی کی شاگردی کی ہے۔ غالباً یہی زمانہ ہوگا۔

امام باقر رضی اللہ عنہ کی شاگردی

حضرت **امام باقر** رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ امام ابوحنیفہ دوسری بار مدینہ گئے تو امام موصوف کی خدمت مین حاضر ہوئے۔ ان کے ایک ساتھی نے پہچنوایا کہ یہ ابوحنیفہ ہین۔ انہون نے ابوحنیفہ سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ "ہان تمہین قیاس کی بنا پر ہمارے دادا کی حدیثون سے مخالفت کرتے ہو"۔ انہون نے نہایت ادب سے کہا "معاذ اللہ حدیث کی کون مخالفت کرسکتا ہے آپ تشریف رکھین تو کچھ عرض کرون"۔ پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی (ابوحنیفہ) مرد ضعیف ہے یا عورت (امام باقرؓ) عورت (ابوحنیفہ)

[1] مختصر تاریخ بغداد۔ ۱۲

وراثت مین مرد کا حصّہ زیادہ ہے یا عورت کا (امام باقر) مرد کا (ابوحنیفہ) مین قیاس لگاتا تو کہتا کہ عورت کو زیادہ حصّہ دیا جائے کیونکہ ضعیف کو ظاہر قیاس کی بنا پر زیادہ ملنا چاہیئے پھر پوچھا نماز افضل ہے یا روزہ (امام باقر) نماز (ابوحنیفہ) اس اعتبار سے حائضہ عورت پر نماز کی قضا واجب ہونی چاہیئے نہ روزہ کی۔ حالانکہ مین روزہ ہی کی قضا کا فتویٰ دیتا ہون امام باقرؓ۔ اسقدر خوش ہوئے کہ اُٹھکر اُنکی پیشانی چوم لی۔ ابوحنیفہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے اُنکی خدمت مین حاضر رہے اور فقہ و حدیث کے متعلق بہت سی نادر باتین حاصل کین شیعہ و سُنّی دونون نے مانا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ حضرت ممدوح کا فیضِ صحبت تھا۔ امام صاحب نے اُنکے فرزند رشید حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اُٹھایا جسکا ذکر عموماً تاریخون مین پایا جاتا ہی۔ ابن تیمیہ نے اس سے انکار کیا ہے اور اُسکی وجہ یہ خیال کی ہے کہ امام ابوحنیفہ۔ حضرت جعفر صادقؓ کے معاصر اور ہمسر تھے اسلیے اُنکی شاگردی کیونکر اختیار کرتے لیکن یہ ابن تیمیہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے۔ امام ابوحنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہ ہون لیکن فضل و کمال مین اونکو حضرت جعفر صادقؓ سے کیا نسبت؟ حدیث و فقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہلبیت کے گھر سے نکلے وصاحب البیت ادری بما فیہا۔

یا تو وہ زمانہ تھا کہ امام ابوحنیفہ نے ایک طالب العلم کی حیثیت سے حرمین کا سفر کیا تھا یا اب یہ نوبت پہنچی کہ سفر کا قصد کرتے تو تمام اطراف مین شہرہ ہو جاتا کہ فقیہ عراق عرب کو

لہ عقود الجمان باب شانزدہم۔

جارہا ہے۔ جس شہر یا گانوں میں گزر ہوتا ہزاروں آدمیوں کا مجمع ہوجاتا۔ ایک دفعہ مکہ معظمہ گئے تو لوگوں کی یہ کثرت ہوئی کہ مجلس میں تل رکھنے کو جگہ نہ تھی۔ ارباب حدیث و فقہ دونوں فرقے کے لوگ تھے اور شوق کا یہ عالم تھا کہ ایک پر ایک گرا پڑتا تھا۔ آخر امام صاحب نے تنگ آکر فرمایا "کاش ہمارے میزبان سے کوئی جاکر کہتا کہ اس ہجوم کا انتظام کرتے"۔ ابو عاصم نبیل حاضر تھے۔ عرض کی کہ میں جاتا ہوں لیکن چند مسئلے دریافت کرنے رہ گئے ہیں۔ امام نے پاس بلالیا اور زیادہ توجہ کے ساتھ انکی باتیں سنیں۔ اس میں میزبان کا خیال جاتا رہا۔ ابو عاصم سے فارغ ہوکر ایک اور طالب علم کیطرف متوجہ ہوئے۔ اور پھر وہی سلسلہ قائم ہوگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد خیال آیا تو فرمایا کسی شخص نے میزبان کے پاس جانے کا اقرار کیا تھا وہ کہاں گیا۔ ابو عاصم بولے۔ میں نے عرض کیا تھا۔ فرمایا پھر تم گئے نہیں؟ ابو عاصم نے مناظرانہ شوخی سے کہا "میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ ابھی جاتا ہوں۔ جب فرصت ہوگی جاؤنگا" امام نے فرمایا "عام بول چال میں ان احتمالات کا موقع نہیں۔ ان لفظوں کے معنی ہمیشہ وہی لیے جائینگے جو عوام کی غرض ہوتی ہے"[1]۔ ایک اعتبار سے یہ بھی ایک فقہی مسئلہ تھا جسکو امام صاحب نے باتوں باتوں میں حل کردیا۔

امام صاحب کے اساتذہ اونکی بہت عزت کرتے تھے۔

امام صاحب کے اساتذہ۔ اُنکا اسقدر ادب و احترام کرتے تھے کہ لوگوں کو تعجب ہوتا تھا۔ محمد بن الفضل کا بیان ہے کہ ایک دفعہ امام ابو حنیفہ ایک حدیث کی تحقیق کے لیے خصیب کے پاس گئے۔ میں بھی ساتھ تھا۔ خصیب نے ان کو آتے دیکھا تو اُٹھ کھڑے ہوئے۔

۱؎ الجواہر المضیئة۔ باب الکنی ترجمہ ابو عاصم النبیل۔ ۱۲

اور نہایت تعظیم کے ساتھ لاکر اپنی برابر بٹھایا۔ امام صاحب نے پوچھا کہ "بیضۂ نعام کے بارہ مین کیا حدیث آئی ہے"۔ خصیب نے کہا "اخبرنی ابوعبیدۃ عن عبداللہ بن مسعود فی بیضۃ النعام یصیبہا المحرم ان فیہ قیمتہ"۔ عمروبن دینار جو مکہ کے مشہور محدث تھے ابوحنیفہ کے ہوتے حلقۂ درس مین اور کسی کی طرف خطاب نہین کرتے تھے۔

اس عظمت کے ساتھ امام صاحب کو طلب علم مین کسی سے عار نہ تھی۔ امام مالک عمر مین ان سے تیرہ برس کم تھے۔ اُنکے حلقۂ درس مین بھی اکثر حاضر ہوئے اور حدیثین سنین۔ علامۂ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ مین لکھا ہے کہ "امام مالک کے سامنے ابوحنیفہ اسطرح مؤدب بیٹھتے تھے جسطرح شاگرد اُستاد کے سامنے بیٹھتا ہے"۔ اسکو بعض کوتاہ بینون نے امام کی کسر شان پر محمول کیا ہی لیکن ہم اسکو علم کی قدر شناسی اور شرافت کا نمونہ سمجھتے ہین۔ امام مالک بھی انکا نہایت احترام کرتے تھے۔ عبداللہ بن المبارک کی زبانی منقول ہے کہ مین امام مالک کی خدمت مین حاضر تھا۔ ایک بزرگ آئے جنکی انہون نے نہایت تعظیم کی اور اپنی برابر بٹھایا۔ اُنکے جانے کے بعد فرمایا "جانتے ہو کون شخص تھا؟ یہ ابوحنیفہ عراقی تھے جو اس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہین تو کر سکتے ہین"۔ ذرا دیر کے بعد ایک اور بزرگ آئے امام مالک نے انکی بھی تعظیم کی لیکن نہ اس قدر جتنی ابوحنیفہ کی کی تھی۔ وہ اُٹھ گئے تو لوگون سے کہا یہ سفیان ثوری تھے۔

حجاز و عراق کے ایمۂ فن روایت کے متعلق جداجدا اصول رکھتے تھے۔ طرز تعلیم بھی مختلف

لہ عقود الجمان باب عاشر۔ ۱۲

تھا۔ بعضون کے نزدیک لکھنے کا زیادہ اعتبار تھا۔ بعض۔ مثلاً ابراہیم و شعبی صرف حافظہ کو سند سمجھتے تھے۔ اکثرون نے اس بات کو جائز رکھا تھا کہ مطلب مین فرق نہ آئے تو روایت مین حدیث کا ایک ٹکڑا چھوڑ دیا جاسکتا ہے۔ بعض اس کے بالکل خلاف تھے۔ ایک فریق کہتا تھا کہ راوی جب تک سامنے نہو اُس سے روایت نہین کیجاسکتی۔ شعبہ جو امام صاحب کے استاد تھے اُنکا یہی مذہب تھا۔ دوسرا گروہ پردہ کی اوٹ سے تحریر کی بناپر روایت کرنے کو جائز سمجھتا تھا۔ امام زہری کی عادت تھی کہ روایت کے ساتھ الفاظ و مطالب کی تفسیر بھی کرتے جاتے تھے۔ بعض لوگ اسکے سخت مخالف تھے۔ یہان تک کہ ایک شخص نے خود زہری کو ٹوکا کہ "حدیث نبوی مین آپ اپنے الفاظ نہ ملائین" امام مالک کو یہ طریقہ زیادہ پسند تھا کہ شاگرد پڑھین اور وہ سنتے جائین۔ بعض اسکے مخالف تھے۔ یحییٰ بن سلام اتنی بات پر انکے حلقہ درس سے ناراض ہو کر اُٹھ آئے کہ "وہ خود نہین پڑھتے شاگردون سے پڑھواتے ہین" اسیطرح اور بہت اختلافات تھے جنکو فتح المغیث مین تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ کی کثرت شیوخ اور زیرہ چینیون کا ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ ان مختلف اصول سے آگاہ ہون تاکہ سب کے مقابلہ سے خود ایک مستقل اور جچی ہوئی رائے قائم کرسکین۔ امام موصوف نے اصولِ فن مین جو اصلاحین کی ہین اُنکا بیان آگے آئیگا۔

تعلیم حدیث کے مختلف طریقے

طریقۂ تعلیم کی ترقی۔

امام کی یہ بڑی خوش قسمتی تھی کہ اُنکی آغاز تحصیل ہی مین حدیث کی تعلیم کا طریقہ مرتب اور باقاعدہ ہوچلا تھا۔ اس سے پہلے عموماً زبانی روایت کا رواج تھا۔ بعض ائمہ حدیث کتابت کو قریباً ناجائز سمجھتے تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے تقریباً سنہ ۱۰۱ھ مین اہل مدینہ کو

خط لکھا۔ جسکے یہ الفاظ تھے۔ انظروا ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبوہ فانی خشیت دروس العلم وذہاب العلماء۔ یعنی رسول اللہ کی جسقدر حدیثین ہین قلمبند کرلی جائین ورنہ ضایع ہونے کا ڈر ہے۔" اور شہرون مین بھی اس مضمون کے فرامین بھیجے۔ چنانچہ مدینہ مین امام زہری نے ایک مجموعہ مرتب کیا جسکی نقلین سلطنت کیطرف سے تمام ممالک اسلامی مین شائع کی گئین[1]۔ اسوقت سے تدوین کا عام رواج ہوگیا۔ اور جہان جہان اہل حدیث تھے اسی طریقہ کو برتنے لگے۔ شعبی (امام ابوحنیفہ کے استاد) کو اگرچہ زبانی روایت پر اصرار تھا تاہم کتاب ساتھ رکھتے تھے۔

طرز تعلیم نے بھی نہایت ترقی کی تھی۔ مجمع عام مین ایک بلند مقام پر بیٹھتا اور حدیث کا مجموعہ ہاتھ مین ہوتا۔ شاگرد دوات قلم لیکر بیٹھتے۔ اور استاد جو کچھ روایت کرتا اُسی کے الفاظ مین لکھتے جاتے۔ شائقین کی زیادہ کثرت ہوتی تو ایک مستملی کھڑا ہوکر وہ الفاظ دور کے بیٹھنے والون تک پہنچاتا۔ مگر یہ التزام تھا کہ مطلب بلکہ جہان تک ممکن ہو الفاظ مین فرق نہ آئے۔ اس ضرورت سے مستملی ہمیشہ ایسا شخص مقرر ہوتا تھا۔ جسکا حافظہ قوی اور معلومات وسیع ہون ساتھ ہی خوش لہجہ اور بلند آواز ہو۔ چنانچہ امام شعبہ کی مجلس درس مین۔ آدم بن ایاس۔ اور امام مالک کے حلقہ مین ابن علیہ اس خدمت پر مامور تھے۔

امام کے شیوخ حدیث بے انتہا تھے۔

امام ابوحنیفہ اس خصوصیت کے ساتھ مشہور ہین کہ اُنکے شیوخ حدیث بیشمار تھے۔ ابوحفص کبیر نے دعوی کیا ہے کہ امام نے کم ازکم چار ہزار شخصون سے حدیثین روایت کین۔ اگرچہ

[1] فتح المغیث صفحہ ۲۳۹ ومقدمہ قسطلانی شرح بخاری مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۶۔

تاریخ اسلام مین یہ کوئی عجیب بات نہین مسلمانون نے حدیثون کے جمع کرنے مین جو محنتین اور جانفشانیاں کی ہین دُنیا کی اور قومین اُسکا اندازہ بھی نہین کرسکتین۔ ہم متعدد شخصون کے نام بتا سکتے ہین جنکے شیوخ حدیث چار ہزار سے کم نہ تھے اور ایسے تو بہت گزرے ہین جنکے اساتذہ ہزار سے زیادہ تھے۔ **علامہ سخاوی** نے فتح المغیث مین ان لوگون کے نام بھی گناتے ہین۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کی نسبت یہ دعوی محدثانہ اصول پر ثابت نہین ہوسکتا۔ البتہ اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ امام نے ایک گروہ کثیر سے روایت کی ہی اور اسکا خود محدثین کو اعتراف ہے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ مین جہان اسکے شیوخ حدیث کے نام گناے ہین اخیر مین لکھدیا ہے "وخلق کثیر"۔ حافظ ابو المحاسن شافعی نے عقود الجمان مین تین سو انتین شخصون کے نام بقید نسب لکھے ہین۔ اور اخیر مین لکھا ہو کہ مین نے ایک دوسری کتاب مین جسکا نام تحصیل السبیل الی معرفۃ الثقات والمجاہیل ہے ان لوگون کے حالات بھی تفصیل سے لکھے ہین۔ لیکن چونکہ اُنکی فہرست زیادہ تر تہا بخفیہ سے ماخوذ ہے۔ ممکن ہے کہ محدثین کو کلیۃً اُس سے اتفاق نہو۔

افسوس ہے کہ محدثین نے **امام** کے حالات مین جو کتابین لکھین ہین اور جن مین اُنکے شیوخ کا پورا پورا استقصا کیا ہے۔ ہماری نظر سے نہین گزرین۔ رجال کی مستند کتابین جن مین امام کا ذکر ہے ہمارے سامنے ہین لیکن اُن مین سیکڑون ہزارون آدمیون کے حالات ہین۔ اسوجہ سے کسی خاص شخص کے متعلق پوری تفصیل نہین مل سکتی۔ مختصر تاریخ بغداد

تہذیب الکمال۔ تہذیب الاسماء واللغات۔ تذکرۃ الحفاظ۔ ملخص طبقات الحفاظ۔ تہذیب التہذیب

انساب سمعانی۔ موطا امام محمد۔ کتاب الآثار امام محمد۔ کے تتبّعؔ سے جسقدر اُن کے شیوخ انتخاب ہو سکتے ہین اُن کے نام حسب ذیل ہین۔ ان مین سے اکثر کے اجمالی حالات ہم اوپر لکھہ آئے ہین۔

شیوخ حدیث کا شمار

عطاء بن ابی رباح مکی۔ عاصم بن ابی النجود کوفی۔ علقمہ بن مرثد کوفی۔ حکم بن عتیبہ کوفی سلمہ بن کہیل کوفی۔ حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ مدنی۔ علی بن الاقمر الکوفی۔ زیاد بن علاقہ کوفی۔ سعید بن مسروق کوفی۔ عدی بن ثابت انصاری کوفی۔ عطیہ بن سعید کوفی۔ ابو سفیان سعدیؔ عبد الکریم بن امیہ بصری۔ یحییٰ بن سعید مدنی۔ ہشام بن عروہ مدنی (از تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر عسقلانی)

ابو اسحٰق السبیعی کوفی۔ نافع بن عمر مدنی۔ عبد الرحمٰن ہرمز الاعرج المدنی۔ قتادہ بصری عمرو بن دینار المکی۔ محارب بن دثار کوفی۔ ہیثم بن حبیب الصراف کوفی۔ قیس بن مسلم کوفی محمد المنکدر المدنی۔ یزید الفقیر کوفی۔ سماک بن حرب کوفی۔ عبد العزیز بن رفیع المکی۔ مکحول شامی۔ عمرو بن المرۃ الکوفی۔ ابو الزبیر محمد بن مسلم مکی۔ عبد الملک بن عمر کوفی۔ منصور بن زاذان۔ منصور المعتمر۔ عطاء بن السائب الثقفی۔ عطاء بن ابی مسلم الخراسانی۔ عاصم بن سلیمان الاحول بصری۔ عمش کوفی۔ عبد اللہ بن عمر بن حفص المدنی۔ امام اوزاعی۔ (طبقات الحفاظ ذہبی از مقامات مختلفہ)

---

[1] ان کتابون مین سے تہذیب الکمال میری نظر سے نہین گزری۔ مولوی عبد الحی صاحب مرحوم نے التعلیق الممجد مین امام ابو حنیفہ کی شیوخ تہذیب الکمال کے حوالہ سے لکھے ہین۔ مین نے اُسی کے حوالہ سے لکھا ہے۔

ابراہیم بن محمد الکوفی۔ اسمعیل بن عبد الملک المکی۔ حارث بن عبد الرحمن المکی۔ خالد بن علقمہ الوداعی۔ ربیعۃ الرای۔ شداد بن عبد الرحمن البصری۔ شیبان بن عبد الرحمن البصری۔ طاؤس بن کیسان یمنی۔ عبد اللہ بن دینار المدنی۔ عکرمہ مولی بن عباس مکی۔ عون بن عبد اللہ کوفی۔ قابوس بن ابی ظبیان کوفی۔ محمد بن السائب الکلبی کوفی۔ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری ابو سعید مولی بن عباس (تہذیب الکمال)

موسے بن ابی عائشہ کوفی۔ صلت بن بہرام۔ عثمان بن عبد اللہ بن حوشب۔ بلال۔ ہیثم بن ابی الہیثم۔ حصین بن عبد الرحمن۔ معن۔ میمون بن سیاہ۔ جواب التیمی۔ سالم الافطس۔ یحیی بن عمرو بن سلمہ۔ عمرو بن جبیر۔ عبید اللہ بن عمر۔ محمد بن مالک الہمدانی۔ ابو السوار۔ خارجہ بن عبد اللہ۔ عبد اللہ بن ابی زیاد۔ حکم بن زیاد۔ کثیر الاصم۔ حمید الاعرج۔ ابو العطوف۔ عبد اللہ بن الحسن۔ سلیمان الشیبانی۔ سعید المرزبان۔ عثمان بن عبد اللہ ابو جعیۃ (کتاب الآثار امام محمد)

ہمنے اسقدر نام سرسری غور سے انتخاب کیے ہین زیادہ چھان بین کرتے تو شاید مقصود انتخاب کی فہرست کے برابر اترتے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے لیے کثرت شیوخ اسقدر فخر کا باعث نہین جتنا کہ اُنکی احتیاط اور تحقیق ہے وہ اس نکتہ سے خوب واقف تھے کہ روایت مین جسقدر واسطے زیادہ ہوتے ہین اوسیقدر تغیر و تبدل کا احتمال بڑہتا جاتا ہے یہی بات ہے کہ اُنکے اساتذہ۔ اکثر تابعین ہین جنکو رسول اللہ تک صرف ایک واسطہ ہے یا وہ لوگ ہین جو مدت تک بڑے بڑے تابعین کی صحبت مین رہے تھے اور علم و فضل

دیانت - ورپرہیزگاری - کے نمونے خیال کیے جاتے تھے - ان دو قسموں کے سوا اگر ہیں تو شاذ ہیں۔
انکی تعلیم کا طریقہ بھی عام طالب العلموں سے الگ تھا - بحث و اجتہاد کی شروع سے عادت تھی - اور اس باب میں وہ اُستادوں کی بھی مخالفت کی بھی کچھ پرواہ نہ کرتے تھے - ایک دفعہ حماد کے ساتھ امام اعمش کی مشایعت کو نکلے - چلتے چلتے مغرب کا وقت آگیا - وضو کے لیے پانی کی تلاش ہوئی مگر کہیں نہ مل سکا - حماد نے تیمم کا فتوی دیا - امام نے مخالفت کی کہ اخیر وقت تک پانی کا انتظار کرنا چاہیے - اتفاق یہ کہ کچھ دور چلکر پانی ملگیا اور سب نے وضو سے نماز ادا کی - کہتے ہیں کہ یہ پہلا موقع تھا کہ استاد سے مخالفت کی - اور غالباً یہ زمانہ تحصیل کا آغاز تھا -

امام شعبی ان کے استاد قائل تھے کہ معصیت میں کفارہ نہیں - ایکدفعہ استاد و شاگرد کشتی میں سوار جا رہے تھے - اس مسئلہ کا ذکر آیا - انہوں نے کہا "ضرور معصیت میں کفارہ ہے - کیونکہ خدا نے ظہار میں کفارہ مقرر کیا ہے اور اس آیت میں وانھم لیقولون منکراً من القول وزوراً تصریح کردی ہے کہ ظہار معصیت ہے" امام شعبی کچھ جواب نہ دیسکے - خفا ہو کر فرمایا - اقیاسٌ انت[۱] عطا ابن رباح سے کسی نے اس آیت کے معنی پوچھے واتیناہ اھلہ ومثلھم معھم عطا نے کہا "خدا نے حضرت ایوب کے آل و اولاد جو مر گئی تھی زندہ کردی اور اُنکے ساتھ اور نئی پیدا کردی - امام ابوحنیفہ نے کہا جو شخص کسی کی صلب سے نہ پیدا ہوا ہو وہ اُسکی اولاد کیونکر ہو سکتا ہے[۲]"

---

[۱] عقود الجمان باب ثامن ۱۲ - [۲] مختصر تاریخ بغداد - ترجمہ امام ابوحنیفہ - ۱۲

امام کی علمی ترقی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ ان کو بڑے بڑے اہل کمال کی صحبتین میسر آئین۔ جن شہرون مین اُن کو رہنے کا اتفاق ہوا یعنی کوفہ۔ بصرہ۔ مکہ۔ مدینہ۔ یہ وہ مقامات تھے کہ مذہبی روایتین وہان کی ہوا مین سرایت کرگئی تھین۔ علماء سے ملنے اور علمی جلسون مین شریک ہونے کا شوق۔ امام۔ کے خمیر مین داخل تھا۔ ساتھ ہی اسکے اُنکی شہرت اِس حد تک پہنچ گئی تھی کہ جہان جاتے تھے۔ استفادہ۔ ملاقات۔ مناظرہ۔ کی غرض سے خود اُنکے پاس ہزارون آدمیون کا مجمع رہتا تھا۔

درس وافتا و بقیۂ زندگی

اگرچہ حماد کی زندگی ہی مین امام صاحب نے اجتہاد کا رتبہ حاصل کرلیا تھا۔ عمر بھی کچھ کم نہ تھی یعنی حماد کی وفات کے وقت کم وبیش چالیس برس کا سن تھا تاہم شاگردانہ خلوص نے یہ گوارا نہ کیا کہ اُستاد کے ہوتے اپنا دربار الگ جمائین۔ اگلے زمانہ مین اُستاد کے ساتھ جو محبت اور ادب آمیز تعلق ہوتا تھا آج اُسکا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔ خود امام۔ سے منقول ہے کہ حماد۔ جب تک زندہ رہے مین نے اُنکے مکان کی طرف کبھی پاؤن نہین پھیلائے۔ حماد نے سنہ ۱۲۰ھ مین قضا کی۔ چونکہ ابراہیم نخعی کے بعد فقہ کا مدار انہی پر رہگیا تھا اُن کی موت نے کوفہ کو بے چراغ کردیا۔ حماد نے ایک لایق بیٹا چھوڑا تھا۔ لوگون نے اُنہی کو مسندِ درس پر بٹھایا۔ لیکن وہ لغت اور ادب کی طرف زیادہ مائل تھے۔ آخر موسیٰ بن کثیر نے کہ حماد کے شاگردون مین تجربہ کار اور سن کے لحاظ سے سب سے ممتاز تھے اُنکی جگہہ لی۔ وہ اگرچہ فقہ کے پورے ماہر نہ تھے لیکن اکثر بزرگون کی صحبتین اُٹھائی تھین اور اس وجہ سے لوگون پر اُن کا ایک خاص اثر تھا۔ چند روز تک

اُستاد کا ادب

حلقۂ درس اُن کی وجہ سے قائم رہا۔ وہ حج کو چلے گئے۔ تو تمام بزرگون نے متفقاً امام ابوحنیفہ سے درخواست کی کہ مسندِ درس کو مشرف فرمائین۔

مختلف حالتون کا اقتضا دیکھو! یا تو وہ زمانہ تھا کہ جوانی ہی مین اُستادی کی مسند پر بیٹھنے کی آرزو تھی یا اب اور لوگ درخواست کرتے ہین اور اُنکو اُسکی ذمہ داریون کے لحاظ سے انکار ہے۔ تاہم لوگون کا اصرار غالب آیا اور چار و ناچار قبول کرنا پڑا۔ پھر بھی دل مطمئن نتھا حافظ ابوالمحاسن نے لکھا ہے کہ "اُنہی دنون مین خواب دیکھا کہ "پیغمبر خدا کی قبر مبارک کھود رہے ہین"۔ ڈر کر چونک پڑے اور سمجھے کہ میری ناقابلیت کی طرف اشارہ ہے۔ امام ابن سیرین علم تعبیر کے اُستاد مانے جاتے تھے۔ انہون نے تعبیر بتائی کہ اس سے ایک مردہ علم کو زندہ کرنا مقصود ہے۔ امام صاحب کو تسکین ہو گئی اور اطمینان کے ساتھ درس مین مشغول ہوئے"۔ خواب کا ذکر تمام مورخون اور محدثون نے بھی کیا ہے۔ اس لحاظ سے گمان غالب ہے کہ اصل واقعہ صحیح ہو لیکن یہ زمانہ۔ اور ابن سیرین۔ کی تعبیر گوئی۔ محض غلط ہے کیونکہ ابن سیرین اس سے بہت پہلے سنہ۱۱۰ھ مین قضا کر چکے تھے۔ بہرحال امام صاحب نے استقلال کے ساتھ تدریس شروع کی۔ اوّل اوّل حماد کے پرانے شاگرد درس مین شریک ہوتے تھے۔ لیکن چند روز مین وہ شہرت ہوئی کہ کوفہ کی اکثر درسگاہین ٹوٹکر انکے حلقہ مین آملین۔ نوبت یہانتک پہنچی کہ خود اُنکے اساتذہ مثلاً مسعر بن کدام۔ امام اعمش وغیرہ اُن سے استفادہ کرتے تھے۔ اور دوسرون کو ترغیب دلاتے تھے۔ اسپین کے سوا اسلامی دنیا کا کوئی حصّہ نہ تھا جو اُنکی شاگردی کے تعلق سے آزاد رہا ہو۔ جن جن مقامات کے رہنے والے اُن کی خدمت

سلسلۂ درس کی وسعت۔

مین پھیلے اُن سب کا شمار نہین ہوسکتا لیکن جن اضلاع یا ممالک کا نام خصوصیت کے
ساتھ لیا گیا ہے وہ یہ ہین۔ مکہ۔ مدینہ۔ دمشق۔ بصرہ۔ واسط۔ موصل۔ جزیرہ۔ رقہ
نصیبین۔ رملہ۔ مصر۔ یمن۔ یمامہ۔ بحرین۔ بغداد۔ اہواز۔ کرمان۔ اصفہان۔ حلوان
استراباد۔ ہمدان۔ نہاوند۔ رے۔ قومس۔ دامغان۔ طبرستان۔ جرجان۔ نیشاپور
سرخس۔ نسا۔ بخارا۔ سمرقند۔ کس۔ صغانیان۔ ترمذ۔ ہراۃ۔ قہستان۔ الزم۔ خوارزم۔
سیستان۔ مداین۔ مصیصہ۔ حمص۔[1] مختصر یہ کہ اُنکے اُستادی کے حدود خلیفۂ وقت کی
حدود حکومت کے برابر تھے۔

رفتہ رفتہ عراق مین اُنکا ملکی اثر قائم ہوگیا۔ یہانتک کہ ملک مین جو انقلاب ہوتے تھے
لوگون کو ان کی شرکت کا عموماً گمان ہوتا تھا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے تحفہ مین لکھا ہے
کہ "زید بن علی نے بنو امیہ کے عہد مین جو بغاوت کی تھی امام صاحب بھی اُس مین شریک تھے"
نامۂ دانشوران کے مولفون نے بھی ایسا ہی گمان کیا ہے لیکن ہم اسپر یقین نہین کرسکتے
جسقدر تاریخین اور رجال کی کتابین ہمارے سامنے ہین اُنمین کہین اسکا ذکر نہین حالانکہ اگر ایسا
ہوتا تو ایک قابل ذکر واقعہ تھا۔ زید بن علی نے ۱۲۱ھ مین بغاوت کی تھی اُسوقت ہشام بن
عبدالملک تختِ خلافت پر متمکن تھا۔ ہشام اگرچہ کفایت شعار اور بعض امور مین نہایت جزرس تھا
لیکن اُسکی سلطنت نہایت امن وامان کی سلطنت تھی۔ ملک مین ہر طرف امن وامان کا سکہ بیٹھا
ہوا تھا۔ رعایا عموماً رضامند تھی بیت المال مین ناجائز آمدنیان نہین داخل ہوسکتی تھین۔ اس

زید بن علی کے بغاوت مین امام نے شرکت کی تھی۔

[1] عقود الجمان باب خامس ۱۲

حالت مین امام ابوحنیفہ کو مخالفت کی کوئی وجہ نہ تھی - **زید بن علی** - سادات مین ایک صاحب ادعا شخص تھے - بے شبہہ انکو بغاوت کرنی ضرور تھی کیونکہ (بخیال انکے) خلافت ان کا خاص حق تھا - غالباً اس غلط فہمی کا منشا یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ - کا خاندان اہلبیت کے ساتھ ایک خاص ارادت رکھتا تھا - امام صاحب - نے ایک مدت تک امام باقرؒ کے دامن فیض مین تربیت پائی تھی - کوفہ کی ہوا مین ایک مدت تک شیعہ پن کا اثر تھا - ان اتفاقی واقعات نے امام ابوحنیفہ کی نسبت یہ گمان پیدا کر دیا - ورنہ تاریخی شہادتین بالکل اسکے خلاف ہین -

ہشام نے سنہ ۱۲۵ھ مین وفات کی - اسکے بعد ولید بن یزید - یزید الناقص - ابراہیم بن الولید مروان الحمار - یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوتے - عباسی خلافت کی سلسلہ جنبانی جو ایک مدت سے ہو رہی تھی مروان کے عہد مین نہایت قوت پکڑ گئی - ابو مسلم خراسانی - نے تمام ملک مین سازشون کا جال پھیلا دیا اور مروانی حکومت کی جڑ ہلا دی - چونکہ زیادہ تر فساد کا مرکز عراق اور عراق مین بھی خاص **کوفہ** تھا - مروان نے یزید بن عمر بن ہبیرہ کو وہان کا گورنر مقرر کیا جو نہایت مدبر - دلیر - فیاض - خاندانی - اور صاحب اثر شخص تھا - یزید نے حکومت مروانی کی ترکیب کو غور سے دیکھا تھا - وہ سمجھ چکا تھا کہ اس کل مین اور سب کچھ ہے لیکن مذہبی پرزے نہین ہین - اس بنا پر اسنے چاہا کہ ایوان حکومت مذہبی ستونون پر قائم کیا جائے - عراق - کے تمام فقہا کو جنمین قاضی ابن ابی لیلی - ابن شبرمہ - داؤد بن ہند بھی شامل تھے - بُلا کر بڑی بڑی ملکی خدمتین دین - **امام** صاحب کو میر منشی اور افسر خزانہ مقرر کرنا چاہا - انہون نے صاف انکار کیا - یزید نے قسم کھا کر کہا کہ جبراً منظور کرنا ہوگا - ان کے ہم صحبت بزرگون

خدمت سے انکار

نے بھی سمجھایا۔ مگر یہ اپنے انکار پر قائم رہے۔ اور کہا کہ اگر یزید کہے کہ "مسجد کے دروازے گن دو تو بھی مجکو گوارا نہین۔ نہ کہ وہ کسی مسلمان کے قتل کا فرمان لکھے اور مین اُسپر مہر کرون"[۱]

یزید نے غصہ مین آکر حکم دیا کہ ہر روز ان کو دس دُرّے لگائے جائین۔ اس ظالمانہ حکم کی تعمیل ہوئی تاہم وہ اپنی ضد سے باز نہ آئے۔ آخر مجبور ہوکر یزید نے چھوڑ دیا۔ ایک روایت مین ہے کہ اُسیوقت مکہ معظمہ روانہ ہوئے اور سنہ ۱۳۶ھ کی اخیر تک وہین رہے۔ ابن قتیبہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ "یہ جھگڑا قضا کے قبول کرنے پر تھا"۔ ممکن ہے کہ یہ عہدہ بھی اُنکے لیے تجویز ہوا ہو اور اُنہون نے اُس سے بھی انکار کیا ہو۔

سنہ ۱۳۲ھ مین سلطنت نے دوسرا پہلو بدلا۔ یعنی بنو امیہ کا خاتمہ ہوگیا۔ اور آلِ عباس تاج و تخت کے مالک ہوئے۔ اس خاندان کا پہلا فرمانروا ابو العباس سفاح تھا اُسنے چار برس کی حکومت کے بعد سنہ ۱۳۶ھ مین قضا کی۔ سفاح کے بعد اُسکا بھائی منصور تخت نشین ہوا۔ عباسیون نے گو اموی خاندان کو بالکل تباہ کر دیا یہانتک کہ خلفاے بنی امیہ کی قبرین اُکھڑوا کر اُنکی ہڈیان تک جلا دین۔ تاہم چونکہ نئی نئی سلطنت تھی اور انتظام کا سکہ نہین بیٹھا تھا جابجا بغاوتین برپا تھین۔ ان فتنون کے فرو کرنے مین سفاح و منصور اعتدال کی حد سے بہت دور نکل گئے اور وہ زیادتیان کین کہ مروانی حکومت کا نقشہ آنکھون مین پھر گیا۔ تمام ملک کی آنکھین ان نئے جانشینون پر لگی تھین لیکن ان خونریزیون نے سب کے دل افسردہ کر دیے چنانچہ ایک موقع پر منصور نے عبد الرحمن سے جو اُسکا بچپن کا یار تھا پوچھا کہ "ہماری سلطنت کو مروان کی سلطنت

---

[۱] عقود الجمان باب بست و یکم - ۱۲

سفاح و منصور کی سفا کیان۔

کیا نسبت ہے"؟ اُسنے کہا" میرے نزدیک توکچھ فرق نہین"۔ منصور نے کہا" کیا کرون کام کے آدمی نہین ملتے"۔ عبدالرحمن نے کہا" بازار مین جس جنس کی زیادہ مانگ ہوتی ہے کثرت بھی اُسی کی ہوتی ہے"۔

اور بے رحمیان توتھی ہین منصور نے یہ ستم کیا کہ سادات کی خانہ بربادی شروع کی۔ اس مین شبہہ نہین کہ سادات۔ ایک مدت سے خلافت کا خیال پکا رہی تھی۔ اور ایک لحاظ سے انکا حق بھی تھا۔ تاہم سفاح۔ کی وفات تک اُنکی کوئی سازش ظاہر نہوئی تھی صرف بدگمانی پر منصور نے سادات اور علویین۔ کی بیخ کنی شروع کی۔ جو لوگ اُنمین ممتاز تھے اُنکے ساتھ زیادہ بیرحمیان کین۔ محمد بن ابراھیم کہ حسن و جمال مین یگانۂ روزگار تھے اور اسوجہ سے دیباج کہلاتے تھے انکو زندہ دیوار مین چُنوا دیا۔ ان بیرحمیون کی ایک بڑی داستان ہے جسکے بیان کرنے کو بڑا سخت دل چاہیئے۔ آخر تنگ آکر ۱۴۵ھ مین انہین مظلوم سادات مین سے محمد نفس ذکیہ نے تھوڑے سے آدمیون کے ساتھ۔ مدینہ منورہ۔ مین خروج کیا اور چند روز مین ایک بڑی جمعیت پیدا کرلی بڑے بڑے پیشوایانِ مذہب حتیٰ کہ **امام مالک** نے فتویٰ دیدیا کہ" منصور نے جبراً بیعت لی۔ خلافت نفس ذکیہ کا حق ہے"۔ نفس ذکیہ۔ اگرچہ نہایت دلیر۔ قوی بازو۔ فنِ جنگ سے۔ واقف تھے۔

نفس ذکیہ اور ابراہیم کی بغاوت

لیکن تقدیر سے کس کا زور چل سکتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رمضان ۱۴۵ھ مین نہایت بہادری سے لڑکر میدانِ جنگ مین مارے گئے۔ اُنکے بعد ابراھیم۔ اُنکے بھائی نے علمِ خلافت بلند کیا اور اس سروسامان سے مقابلہ کو اُٹھے کہ منصور کے حواس جاتے رہے۔ کہتے ہین کہ اس اضطراب مین منصور نے دو مہینے تک کپڑے نہین بدلے۔ سرہانے سے تکیہ

اُٹھا لیتا تھا اور کہتا تھا کہ "میں نہیں جانتا یہ تکیہ میرا ہے یا ابراہیم کا"۔ انہیں دنوں میں دو کنیزیں حرم میں آئیں۔ اُن سے بات تک نہ کی۔ ایک شخص نے سبب پوچھا۔ تو کہا "یہ فرصت کے کام ہیں مگر اس وقت تو یہ دُھن ہے کہ ابراہیم کا سر میرے آگے۔ یا میرا سر ابراہیم کے آگے رکھا جاوے"۔

ابراہیم چونکہ شجاعت اور دلیری کے ساتھ بہت بڑے عالم اور مقتدائے عام تھے۔ اُنکے دعویٔ خلافت پر ہر طرف سے لبیک کی صدائیں بلند ہوئیں۔ خاص کوفہ میں کم و بیش لاکھ آدمی اُنکے ساتھ جان دینے کو طیار ہو گئے۔ مذہبی گروہ۔ خاصکر علما و فقہا نے عموماً اُن کا ساتھ دیا۔ امام ابوحنیفہ شروع سے عباسیوں کی بے اعتدالیاں دیکھتے آتے تھے۔ سفاح ہی کے زمانہ میں اُنکی رائے قائم ہو چکی تھی کہ یہ لوگ منصب خلافت کے شایان نہیں۔ ابراہیم بن میمون جو ایک نہایت دیندار عالم تھے امام صاحب کے خاص دوستوں میں سے تھے۔ وہ اکثر کہتے کہ ان مظالم پر کیا ہمکو چپ رہنا چاہیے۔ امام صاحب فرماتے کہ "امر بالمعروف بے شبہہ فرض ہے مگر اُسکے لیے سامان شرط ہے"۔ لیکن وہ مذہبی جوش میں صبر کی تاب نہ لا سکے۔ ابومسلم خراسانی۔ کہ ان ظلموں کا بانی تھا۔ اُس کے پاس گئے اور نہایت بیباکی کے ساتھ اس امر کے متعلق گفتگو کی۔ اُسنے ان کی گستاخی یا فساد پیدا ہونیکے احتمال سے انکو قتل کرا دیا۔ امام ابوحنیفہ سُنکر بہت روئے[1]۔ لیکن کیا کر سکتے تھے۔ یہ ۱۳۱؁ھ کا واقعہ ہے۔ ۱۴۵؁ھ میں ابراہیم نے جب علم خلافت بلند کیا تو اور پیشوایان مذہب　امام صاحب نے ابراہیم کی طرفداری کی۔

[1] الجواہر المضیئہ۔ ترجمہ ابراہیم بن میمون ۱۲

کے ساتھ امام صاحب نے بھی اُنکی تائید کی۔ خود شریک جنگ ہونا چاہتے تھے۔ لیکن بعض مجبوریون کی وجہ سے نہو سکے۔ جسکا اُنکو ہمیشہ افسوس رہا۔

نامہ دانشوران مین امام صاحب کا ایک خط نقل کیا ہے جو اُنہون نے ابراہیم کو لکھا تھا اُسکے یہ الفاظ ہین "اما بعد فانی قد جهزت اليك اربعة الاف درهم ولم يكن عندی غيرها ولولا امانات الناس عندی للحقت بك فاذا لقيت القوم وظفرت بهم فافعل كما فعل ابوك فی اهل صفين اقتل مدبرهم واجهز على جريحهم ولا تفعل كما فعل ابوك فی اهل الجمل فان القوم لهم فئة" یعنی "مین آپکے پاس چار ہزار درہم بھیجتا ہون کہ اسوقت اسیقدر موجود تھے۔ اگر لوگون کی امانتین میرے پاس نرکھی ہوتین توبین ضرور آپ سے آملتا۔ جب آپ دشمنون پر فتح پائین تو وہ برتاؤ کرین جو آپ کے باپ (حضرت علیؓ) نے صفین والون کے ساتھ کیا تھا۔ زخمی اور بھاگ جانے والے سب قتل کیے جائین۔ وہ طریقہ نہ اختیار کیجیے گا جو آپکے والد نے حرب جمل مین جائز رکھا تھا۔ کیونکہ مخالف بڑی جمعیت رکھتا ہے۔" نامہ دانشوران مین اس خط کی نسبت لکھا ہی کہ معتبر کتابون مین منقول ہے۔ لیکن کسی خاص کتاب کا نام نہین بتایا۔ اسلیے ہم اُسکی صحت پر یقین نہین کر سکتے۔

یہ خط صحیح ہو یا غلط مگر اسمین شبہہ نہین کہ امام صاحب۔ ابراہیم کے علانیہ طرفدار تھے اور بجز اسکے کہ خود شریک جنگ نہو سکے اور ہر طرح پر اُنکی مدد کی۔ ابراہیم نے اپنی بے تدبیری سے شکست کھائی۔ اور بصرہ مین نہایت دلیری سے لڑکر مارے گئے۔ اس مہم سے فارغ

ہو کر منصور۔ اُن لوگون کی طرف متوجہ ہوا جنہون نے ابراہیم کا ساتھ دیا تھا۔ انہین امام صاحب
بھی تھے۔ اُسوقت تک منصور۔ کا پایہ تخت ہاشمیہ ایک مقام تھا جو کوفہ سے چند میل پر ہے۔
لیکن چونکہ کوفہ والے سادات کے سوا اور کسی خاندان کو خلافت کا مستحق نہین سمجھتے تھے منصور
نے ایک دوسری دار الخلافہ کی تجویز کی اور بغداد کو انتخاب کیا۔ ۱۴۶ھ مین بغداد پہنچکر امام ابوحنیفہ
کے نام فرمان بھیجا کہ فوراً پایہ تخت مین حاضر ہون۔ وہ بنوامیہ کی تباہی کے بعد مکہ معظمہ
سے چلے آئے تھے اور کوفہ۔ مین مقیم تھے۔ منصور نے گو پہلے ہی اُسکے قتل کا ارادہ کرلیا　امام ابوحنیفہ بغداد مین طلب کیے گئے
تھا تاہم بہانہ ڈھونڈھتا تھا۔ دربار مین حاضر ہوئے تو ربیع نے کہ حاجب کا عہدہ رکھتا تھا
ان لفظون سے انکو دربار مین پیش کیا " یہ دنیا مین آج سب سے بڑا عالم ہے " منصور
نے پوچھا تم نے کس سے علم کی تحصیل کی۔ امام نے اُستادون کے نام بتائے جنکا سلسلہ
شاگردی بڑے بڑے صحابہ تک پہنچتا تھا۔ منصور نے اُنکے لیے قضا کا عہدہ تجویز
کیا۔ امام صاحب نے صاف انکار کیا اور کہا کہ " مین اسکی قابلیت نہین رکھتا " منصور
نے غصہ مین آکر کہا " تم جھوٹے ہو " امام صاحب نے کہا " اگر مین جھوٹا ہون تو یہ دعوی ضرور
سچا ہے کہ مین عہدۂ قضا کے قابل نہین۔ کیونکہ جھوٹا شخص قاضی نہین مقرر ہوسکتا "

یہ تو ایک منطقی لطیفہ تھا۔ لیکن در اصل وہ قضا کی ذمہ داریان نہین اُٹھا سکتے تھے۔
انہون نے منصور کے سامنے اپنی ناقابلیت کی جو وجہین بیان کین وہ بالکل بجا تھین۔ یعنی
یہ کہ " مجھکو اپنی طبیعت پر اطمینان نہین " " مین عربی النسل نہین ہون اسلیے اہل عرب کو میری
حکومت ناگوار ہوگی " " درباریون کی تعظیم کرنی پڑیگی اور یہ مجھسے نہین ہوسکتا " پھر بھی منصور نے

عہدۂ قضا سے انکار

نہ مانا اور قسم کھا کر کہا تمکو قبول کرنا ہوگا۔ امام صاحب نے بھی قسم کھائی کہ ہرگز نہ قبول کرونگا۔ اِس جرأت اور بیباکی پر۔ تمام دربار حیرت زدہ تھا۔ ربیع نے غصّہ مین آکر کہا ابو حنیفہ! تم امیر المومنین کے مقابلہ مین قسم کھاتے ہو۔ امام صاحب نے فرمایا۔ ہان کیونکہ امیر المومنین کو قسم کا کفارہ ادا کرنا میری نسبت زیادہ آسان ہے“

خطیب کی ایک اور روایت ہے کہ منصور نے زیادہ جبر کیا تو مجبوراً دار القضا مین جاکر بیٹھے۔ ایک مقدمہ پیش ہوا جس مین قرضہ کا دعوی تھا۔ لیکن ثبوت کے گواہ نہ تھے۔ مدعا علیہ کو سرے سے انکار تھا۔ امام صاحب نے حسب قاعدہ مدعا علیہ سے کہا تم قسم کھاؤ کہ مدعی کا تم پر کچھ دینا نہین آتا۔ وہ طیّار ہوگیا۔ ”واللہ“ کا لفظ کہا تھا کہ امام صاحب نے گھبرا کر روک دیا۔ اور آستین سے کچھ روپے نکالکر مدعی کے حوالہ کیے کہ تم اپنا قرض لو۔ ایک مسلمان کو قسم کیون کھلواتے ہو۔ عدالت سے آکر منصور سے کہدیا کہ مجھسے کسیطرح یہ کام نہین چل سکتا۔

قید۔

اسپر حکم ہوا کہ قیدخانہ بھیجے جائین۔ جس سے اُسوقت چھوٹے کہ قید حیات سے چھوٹے۔ اِس مدت مین منصور۔ اکثر اُن کو قیدخانہ سے بلالیتا اور علمی بحثین کیا کرتا۔

وفات۔ رجب سنہ ۱۵۰ ہجری

منصور نے امام کو سنہ ۱۴۶ھ مین قید کیا۔ لیکن اس حالت مین بھی اُسکو انکی طرف سے اطمینان نہ تھا۔ بغداد۔ دار الخلافہ ہونیکی وجہ سے علوم و فنون کا مرکز بن گیا تھا۔ طالبانِ کمال ممالک اسلامی کے ہر گوشہ سے اُٹھکر بغداد ہی کا رُخ کرتے تھے۔ امام صاحب کی

شہرت دور دور پہنچ چکی تھی۔ قید کی حالت نے اُنکے اثر اور قبول علم کو بجاے کم کرنیکے اور زیادہ کر دیا تھا۔ بغداد کی علمی جماعت جس کا شہر مین بہت کچھ اثر تھا۔ اُنکے ساتھ نہایت خلوص رکھتی تھی۔ ان باتون کا یہ اثر تھا کہ منصور نے اُنکو گو نظر بند کر رکھا۔ لیکن کوئی امر اُنکے ادب اور تعظیم کے خلاف نکر سکتا تھا۔ قیدخانہ مین اُن کا سلسلہ تعلیم بھی برابر قائم رہا۔ امام محمد نے کہ فقہ حنفی کے دست و بازو ہین۔ قیدخانہ ہی مین اُن سے تعلیم پائی۔ اِن وجوہ سے منصور کو امام صاحب کی طرف سے جو اندیشہ تھا وہ قید کی حالت مین بھی باقی رہا جسکی آخری تدبیر یہ تھی کہ بے خبری مین اُنکو زہر دلوا دیا۔ جب اُنکو زہر کا اثر محسوس ہوا تو سجدہ کیا۔ اور اُسی حالت مین قضا کی۔

امام صاحب کو زہر دیا گیا

اُنکے مرنے کی خبر نہایت جلد تمام شہر مین پھیل گئی اور سارا بغداد اُمنڈ آیا۔ حسن بن عمارہ نے کہ قاضی شہر تھے غسل دیا۔ نہلاتے تھے اور کہتے جاتے تھے "واللہ تم سب سے بڑے فقیہ بڑے عابد بڑے زاہد تھے۔ تم مین تمام خوبیان جمع تھین۔ تم نے اپنے جانشینون کو مایوس کر دیا کہ وہ تمہارے مرتبہ کو پہنچ سکین"۔ غسل سے فارغ ہوتے ہوتے لوگون کی یہ کثرت ہوئی کہ پہلی بار نماز جنازہ مین کم و بیش پچاس ہزار کا مجمع تھا۔ اسپر بھی آنے والونکا سلسلہ قائم تھا یہانتک کہ چھ بار نماز پڑھی گئی اور عصر کے قریب جا کر لاش دفن ہو سکی۔

امام نے وصیت کی تھی کہ خیزران کے مقبرہ مین دفن کیے جائین۔ کیونکہ یہ جگہہ اُنکے خیال مین مغصوب نہ تھی۔ اس وصیت کے موافق خیزران کے مشرقی جانب اُنکا مقبرہ طیار ہوا۔ مورخ خطیب نے لکھا ہے کہ "دفن کے بعد بھی بیس دن تک لوگ اُنکے جنازہ کی

نماز پڑہا کیے"۔ قبول عام کی اس سے زیادہ کیا دلیل ہوگی۔؟

اُسوقت اُن ممالک مین بڑے بڑے ائمہ مذہب موجود تھے جنمین بعض خود امام صاحب کے اُستاد تھے سب نے اُنکے مرنے کا رنج کیا۔ اور نہایت تاسف آمیز کلمات کہے۔ ابن جریج۔ مکہ مین تھے سُنکر کہا" انا للہ بہت بڑا عالم جاتا رہا"۔ شعبہ بن الحجاج نے کہ امام ابوحنیفہ کے شیخ اور بصرہ کے امام تھے۔ نہایت افسوس کیا اور کہا "کوفہ مین اندھیرا ہوگیا"۔ اس واقعہ کے چند روز کے بعد عبداللہ بن المبارک کو بغداد جانے کا اتفاق ہوا۔ امام کی قبر پر گئے اور روکر کہا" ابوحنیفہ۔ خدا تمپر رحم کرے ابراہیم مرے تو اپنا جانشین چھوڑ گئے۔ حماد مرے تو اپنا جانشین چھوڑ گئے۔ افسوس تم نے تمام دنیا مین کسیکو اپنا جانشین نہ چھوڑا"[1]۔

امام کا مزار ایک مدت تک بوسہ گاہ خلایق رہا اور آج بھی ہے۔ سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے کہ بڑی عظمت و شان کا فرمانروا اور نہایت عادل اور فیاض تھا ۴۵۹ھ مین اُنکی قبر پر ایک قبہ اور اُسکے قریب ایک مدرسہ طیار کرایا۔ غالباً بغداد مین یہ پہلا مدرسہ تھا۔ کیونکہ نظامیہ جو تمام اسلامی مدرسون کا آدم خیال کیا جاتا ہے وہ اسی سنہ مین لیکن اسکے بعد تعمیر ہوا۔ رفعت اور خوبی عمارت کے لحاظ سے بھی لاجواب تھا۔ ابوسعد شرف الملک کہ الپ ارسلان کا مستوفی تھا اُسکے اہتمام سے عمارت طیار ہوئی۔ افتتاح کی رسم مین بغداد کے تمام علما اور عمايد شریک تھے۔ اتفاق سے اُسوقت ابوجعفر مسعود جو ایک مشہور شاعر تھا آنکلا اور برجستہ یہ اشعار پڑہے۔

---

[1] عقود الجمان مین یہ تمام تفصیل مذکور ہے۔

الم تر ان العلم کان مبددا　　فجمعه هذا المغیب فی اللحد

کذلک کانت هذه الارض میتة　　فانشرها فعل الحمید ابو سعد

یعنی "تم دیکھتے نہین! علم کس طرح ابتر ہو رہا تھا۔ پھر اس شخص نے اسکو ترتیب دی جو اس لحد مین مدفون ہے۔ اسیطرح یہ زمین مردہ پڑی تھی ابو سعد کی کوشش نے اسکو دوبارہ زندہ کیا" یہ مدرسہ جو مشہد ابو حنیفہ کے نام سے مشہور ہے مدت تک قائم رہا۔ اور بڑے بڑے نامور علما اسکے پروفیسر مقرر ہوئے جنکے نام اور اجمالی حالات الجواہر المضیئة فی طبقات الحنفیہ مین اکثر پائے جاتے ہین۔ سنہ ۴۹۳ھ مین حکیم بن جزلہ نے کہ خلیفہ مقتدر باللہ کے دربار کا ایک مشہور حکیم تھا اپنی تمام کتابین اس مدرسہ پر وقف کین[1]۔ اس مدرسہ کے متعلق ایک مسافرخانہ بھی تھا۔ شایقان علم جو اطراف ملک سے آکر بغداد مین عارضی قیام کرتے تھے انکو وہان سے کھانا ملتا تھا۔ ایشیا کا مشہور سیاح ابن بطوطہ جسوقت بغداد مین پہنچا ہے عباسی حکومت کا اخیر زمانہ تھا وہ اپنے سفرنامہ مین لکھتا ہے کہ "اسوقت تمام بغداد مین مشہد ابی حنیفہ کے سوا کوئی زاویہ موجود نہین ہے جہان سے مسافرون کو کھانا ملتا ہو" آج بھی ان کا مقبرہ بغداد کے مشہور اور متبرک مقامات سے ہے۔ حال کے شاہ ایران سلطان ناصر الدین قاچار خلد اللہ سلطنتہ نے اپنے حالات سفر مین اسکا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ "مین نے امام ابو حنیفہ کے مزار پر فاتحہ پڑھی اور نذر چڑھائی" علم کی شان دیکھو جسکی بدولت کوفہ کے ایک خزاز نے یہ رتبہ حاصل کیا کہ بادشاہ [illegible] مزار پر پڑے

[1] ابن خلکان۔ ترجمہ یحیی بن عیسی بن جزلۃ الطبیب ۱۲

کی شکایت سے تعجب ہوا لیکن دوسرے موقع پر جب مین نے اُنکو ایک چادر اوڑھے دیکھا جو تیس دینار سے کم قیمت کی نہ تھی تو وہ تعجب جاتا رہا۔" خلیفہ منصور نے درباریونکے لیے خاص قسم کی ٹوپیان ایجاد کی تھین جو نرکل وغیرہ سے بنتی تھین اور اُنپر سیاہ کپڑا منڈھا ہوتا تھا۔ چونکہ نہایت لمبی ہوتی تھین ابودلامہ شاعر نے ظرافۃً کہا۔

وکنا نرجی من امام زیادۃ	فزاد الامام المرتضی فی القلانس

درباری ٹوپی۔

یعنی ہمکو خلیفہ سے اضافہ کی امید تھی۔ سو حضرت نے اضافہ کیا تو ٹوپیون مین کیا" امام صاحب اگرچہ دربار سے کوسون بھاگتے تھے۔ لیکن اس قسم کی ٹوپی جو اہلِ دربار اور امرا کے ساتھ مخصوص تھی کبھی کبھی استعمال کرتے تھے۔ دنیادار دولتمندونکے لیے تو ایک معمولی بات ہے۔ لیکن علماء کے دائرہ مین یہ امر تعجب کی نگاہ سے دیکھا گیا کہ امام صاحب کے توشہ خانے مین اکثر سات آٹھ ٹوپیان موجود رہتی تھین۔

اور باتون مین بھی امام صاحب کا طرزِ معاشرت ان حیثیتون مین اور علما سے بالکل جدا تھا۔ اُنکے ہمعصر عموماً شاہی دربار۔ یا وزرا اور امرا کے وظیفہ خوار تھے اور اسکو عیب نہین سمجھتے تھے۔ قاضی ابن عبدالبر پر کسی نے اعتراض کیا تھا۔ کہ آپ امرا کے وظیفہ خوار ہین انہون نے اسکے جواب مین بعض صحابہ۔ اور بہت سے تابعین اور تبع تابعین کی نظیرین پیش کین جو اُمرا کے روزینے اور انعامات سے زندگی بسر کرتے تھے۔

اگرچہ ہم اسکو نئے خیال والونکی طرح کاہلی اور مفت خواری کا اثر نہین سمجھتے۔ کیونکہ اس زمانہ تک تعلیم کا سلسلہ معاوضہ کی بنیاد پر نہین قائم ہوا تھا۔ علما۔ بطور خود اپنے گھرون

پر یا مسجدوں میں لوگوں کو مفت تعلیم دیتے تھے۔ اور یہ سلسلہ اسقدر وسیع اور مفید تھا۔ کہ آج تک اس سے بڑھکر نہو سکا۔ اُمرا کے ہاں سے ان لوگوں کے لیے جو وظیفے مقرر تھے یا کبھی کبھی صلہ و نذر کے طور پر مل جاتا تھا اُسکو ان آنریری پروفیسروں کی تنخواہ سمجھہ لینا چاہیے۔ لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ رفتہ رفتہ اِنہی مثالوں سے پیرزادگی اور مفت خواری کی بنیاد قائم ہو گئی۔ جس نے قوم کے ایک بڑے حصہ کو بالکل نکما اور اپاہج بنا دیا۔ بے شبہہ

وظیفہ خواری سے اجتناب

امام ابوحنیفہ اس اصول کے سرے سے مخالف تھے اور اس لحاظ سے اُن کی مخالفت بجا بھی تھی۔ اس بے تعلقی سے ایک بڑا فائدہ یہ تھا کہ امر حق کے اظہار میں امام صاحب کو کسی سے باک نہیں ہوتا تھا۔ انسان کتنا ہی آزاد مزاج اور صاف گو ہو لیکن احسان وہ چھپا ہوا جادو ہے کہ اُسکے اثر سے بچنا ناممکن نہیں تو قریباً ناممکن ہے۔ امام صاحب تمام عمر کسی کے احسانمند نہوئے۔ اور اسوجہ سے اُنکی آزادی کو کوئی چیز دبا سکتی تھی۔ اکثر

آزادی اور بے نیازی

موقعوں پر وہ اس خیال کا اظہار بھی کر دیا کرتے تھے۔ ابن ہبیرۃ نے کہ کوفہ کا گورنر اور نہایت نامور شخص تھا۔ ان سے بہ لجاجت کہا کہ "آپ کبھی کبھی قدم رنجہ فرماتے تو مجھپر احسان ہوتا۔ فرمایا وہ میں تم سے ملکر کیا کروں گا۔ مہربانی سے پیش آؤ گے تو خوف ہے کہ تمہارے دام میں آجاؤں۔ عتاب کرو گے تو میری ذلت ہے۔ تمہارے پاس جو زر و مال ہے مجھکو اُسکی حاجت نہیں۔ میرے پاس جو دولت ہے اُسکو کوئی شخص چھین نہیں سکتا۔" عیسیٰ بن موسیٰ کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ گزرا۔

خلیفہ منصور اور حرہ خاتون (منصور کی بیوی) میں کچھ شکر رنجی ہو گئی تھی۔ خاتون کو

بلاغرض حق گوئی

شکایت تھی کہ خلیفہ عدل نہین کرتا۔ منصور نے کہا کہ کسی کو منصف قرار دو۔ اُسنے امام صاحب کا نام لیا۔ اُسیوقت طلبی کا فرمان گیا۔ خاتون پردہ کے قریب بیٹھی کہ امام صاحب جو فیصلہ کرین خود اپنے کانون سے سُنے۔ منصور نے پوچھا۔ شرع کی رو سے مرد کتنے نکاح کرسکتا ہے۔ امام صاحب نے کہا چار۔ منصور۔ خاتون کی طرف مخاطب ہوا کہ سُنتی ہو! پردہ سے آواز آئی کہ ہان سُنا۔ امام صاحب نے منصور کیطرف خطاب کرکے کہا مگر "یہ اجازت اُس شخص کے لیے خاص ہے جو عدل پر قادر ہو۔ ورنہ ایک سے زیادہ نکاح کرنا اچھا نہین۔ خدا خود فرماتا ہے" وان خفتم ان لا تعدلوا فواحدۃ" منصور چُپ ہوگیا۔ امام صاحب گھر آئے تو ایک خادم پچاس ہزار درہم کے توڑے لیے ہوئے حاضر ہوا کہ خاتون نے نذر بھیجی ہے۔ اور کہا ہی کہ "آپکی کنیز آپ کو سلام کہتی ہی اور آپ کے حق گوئی کی نہایت شکور ہے" امام صاحب نے روپئے پھیر دیے اور خادم سے فرمایا جا کر خاتون سے کہنا کہ "مین نے جو کچھ کہا کسی غرض سے نہین کہا۔ بلکہ میرا فرض منصبی تھا"

تجارت اور دیانت

امام صاحب کی تجارت نہایت وسیع تھی لاکھونکا لین دین تھا۔ اکثر شہرونمین گماشتے مقرر تھے۔ بڑے بڑے سوداگرون سے معاملہ رہتا تھا۔ ایسے بڑے کارخانہ کے ساتھ دیانت اور احتیاط کا اسقدر خیال رکھتے تھے کہ ناجائز طور پر ایک حبہ بھی اُنکے خزانہ مین نہین داخل ہوسکتا تھا۔ اس احتیاط مین کبھی کبھی نقصان اُٹھانا پڑتا تھا مگر ان کو کچھ پروا نہین ہوتی تھی۔ ایک دفعہ حفص بن عبد الرحمان کے پاس خز کے تھان بھیجے اور کہلا بھیجا کہ فلان فلان تھان مین عیب ہے۔ خریدار کو جتا دینا۔ حفص کو اس ہدایت کا خیال نہ رہا۔ تھان بیچ ڈالے

اور خریداروں کو عیب سے اطلاع نہ دی - امام صاحب کو معلوم ہوا تو نہایت افسوس کیا تھانوں کی قیمت جو تیس ہزار درہم تھی سب خیرات کر دی -

ایک دن ایک عورت خز کا تھان لیکر آئی کہ فروخت کرا دیجیے - امام صاحب نے دام پوچھے اُسنے سو روپیے بتائے - فرمایا کم ہین - اُسنے کہا تو دو سو روپیے - فرمایا یہ تھان پانچسو سے کم قیمت کا نہین - اُسنے متعجب ہو کر کہا آپ شاید ہنسی کرتے ہین - امام صاحب نے پانچسو روپیے اپنے پاس سے دیدیے اور تھان رکھہ لیا - اِس احتیاط اور دیانت نے اُنکے کارخانہ کو بجاے نقصان پہنچانے کے اور بھی چمکا دیا تھا

تجارت اور اکتساب دولت سے اُنکا مقصود زیادہ تر عام کو فائدہ پہنچانا تھا - جتنے احباب اور ملنے والے تھے سب کے روزینے مقرر کر رکھے تھے - شیوخ اور محدثین کے لیے تجارت کا ایک حصّہ مخصوص کر دیا تھا کہ اُس سے جو نفع ہوتا تھا سال کے سال اُن لوگونکو پہنچا دیا جاتا تھا[1] - عام معمول تھا کہ گھر والونکے لیے کوئی چیز خریدتے تو اُسیقدر محدثین اور علمار کے پاس بھجواتے - اتفاقیہ کوئی شخص ملنے آتا تو اُسکا حال پوچھتے اور حاجتمند ہوتا تو حاجت روائی کرتے - شاگردون مین جسکو تنگ حال دیکھتے اُسکی ضروریات خانگی کی کفالت کرتے کہ اطمینان سے علم کی تکمیل کر سکے - بہت سے لوگ جنکو مفلسی کی وجہ سے تحصیل علم کا موقع نہین ملسکتا تھا امام صاحب ہی کی دستگیری کی بدولت بڑے بڑے رتبون پر پہنچے - انہین مین **قاضی ابو یوسف صاحب** بھی ہین جنکا مفصل تذکرہ آگے آتا ہے -

فیاضی -

شاگردون کے ساتھ سلوک

[1] علامہ نودی نے تہذیب الاسمار مین ان واقعات کو بسند بیان کیا ہے - ۱۲

ایک دفعہ کچھ لوگ ملنے آئے۔ انہیں ایک شخص ظاہری صورت سے شکستہ حال معلوم ہوتا تھا۔ لوگ رخصت ہو کر چلے تو امام صاحب نے اس سے فرمایا ذرا ٹھہر جاؤ۔ جانماز کیطرف اشارہ کیا کہ اسکو اُٹھانا اُسنے دیکھا تو ہزار درہم کی ایک تھیلی تھی۔ عرض کی کہ مین دولتمند ہون مجھکو اسکی ضرورت نہین۔ فرمایا کہ تو صورت ایسی بنانی چاہیئے کہ دوسرون کو شبہہ نہو۔

ایک دفعہ کسی بیمار کی عیادت کو جارہے تھے۔ راہ مین ایک شخص ملا۔ جوان کا مقروض تھا۔ اُسنے دور سے انکو دیکھ لیا اور کترا کر دوسری طرف چلا۔ انہون نے پکارا کہ "کہان جاتے ہو"۔ وہ کھڑا ہو گیا قریب پہنچے تو پوچھا کہ "مجھکو دیکھکر تمنے راستہ کیون کاٹا"۔ اُسنے کہا آپ کے دس ہزار درہم مجھ پر آتے ہین جو مجھ سے اب تک ادا نہو سکے۔ اس شرم سے آنکھ برابر نہین ہوتی"۔ امام صاحب اُسکی غیرت سے متعجب ہوئے اور فرمایا۔ جاؤ مین نے سب معاف کر دیا"۔

ایک بار سفر حج مین عبداللہ سہمی کا ساتھ ہوا کسی منزل مین ایک بدوی نے اُن کو پکڑا اور امام صاحب کے سامنے لایا کہ اسپر میرے روپیے آتے ہین اور یہ ادا نہین کرتا۔ امام صاحب نے عبداللہ سے اسکی حقیقت پوچھی۔ اُنہون نے سرے سے انکار کیا۔ امام صاحب نے بدوی سے پوچھا آخر کتنے درہمون پر یہ جھگڑا ہے۔ اُسنے کہا چالیس درہم متعجب ہو کر فرمایا کہ زمانہ سے حمیت اُٹھ گئی اتنے سے معاملہ پر یہ فضیحتے"! پھر کل درہم اپنے پاس سے ادا کر دیے۔ ابراہیم بن عتبہ چار ہزار درہم کے مقروض تھے اور اس ندامت کی

وجہ سے لوگون سے ملنا جلنا چھوڑ دیا تھا۔ اُنکے ایک دوست نے چندہ کرکے اُنکا قرض
ادا کرنا چاہا۔ لوگون نے بقدر حیثیت اعانت کی۔ امام صاحب کے پاس گئے تو فرمایا کہ
کل کسقدر قرضہ ہے۔ انہون نے کہا چار ہزار۔ فرمایا اتنی سی رقم کے لیے لوگونکو کیون
تکلیف دیتے ہو۔ یہ کہکر پورے چار ہزار درہم خود دیدیے۔ تاریخون مین اس قسم کے اور بہت
واقعات اُنکی نسبت منقول ہین۔ ہمنے اختصار کے لحاظ سے قلم انداز کیے۔

حلم وعفو

اس دولتمندی اور عظمت و شان کے ساتھ نہایت متواضع۔ حلیم۔ اور خلیق تھے۔ ایک
دفعہ مسجد خیف مین تشریف رکھتے تھے۔ شاگردون اور ارادتمندونکا حلقہ تھا۔ ایک اجنبی شخص
نے مسئلہ پوچھا۔ امام صاحب نے جواب مناسب دیا۔ اُسنے کہا "مگر حسن بصری نے اسکے
خلاف بتایا ہے۔ امام صاحب نے فرمایا "حسن نے غلطی کی" حاضرین مین سے ایک شخص کہ
حسن کا معتقد تھا طیش مین آگیا اور جھلا کر کہا "او ابن الفاحشہ! تو حسن کو خاطی کہتا ہے"
اس گستاخی اور بیہودہ گوئی نے تمام مجلس کو برہم کر دیا اور لوگون نے چاہا کہ اُسکو پکڑ کر سزا
دین۔ امام صاحب نے روکا۔ ان کے لحاظ سے لوگ مجبور ہو گئے۔ مگر دیر تک مجلس مین سناٹا
رہا۔ لوگون کا جوش کم ہوا تو امام صاحب نے اُس شخص کیطرف خطاب کیا اور فرمایا کہ "ہان حسن
نے غلطی کی۔ عبد اللہ بن مسعود نے اس باب مین جو روایت کی ہے
وہ صحیح ہے"

یزید بن کمیت کا بیان ہے کہ ایک دفعہ مین امام ابوحنیفہ کی خدمت مین حاضر تھا۔
ایک شخص نے اُن سے گستاخانہ گفتگو شروع کی۔ امام صاحب تحمل سے جواب دیتے تھے۔

وہ اور شوخ ہوتا جاتا تھا۔ یہانتک کہ اُسنے امام کو زندیق کہدیا۔ اسپر فرمایا کہ "خدا تمکو بخشے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ میری نسبت تم نے جو لفظ کہا۔ صحیح نہین ہے۔" امام صاحب خود فرمایا کرتے تھے کہ "مین نے کسی پر لعنت نہین کی۔ کسی سے انتقام نہین لیا۔ کسی مسلمان۔ یا ذمی کو نہین ستایا۔ کسی سے فریب اور بدعہدی نہین کی۔"

امام سفیان ثوری۔ اور امام صاحب مین کچھ شکر رنجی تھی۔ ایک شخص نے امام صاحب سے آکر کہا کہ سفیان۔ آپ کو بُرا کہہ رہے تھے۔ امام نے فرمایا کہ "خدا میری اور سفیان دونون کی مغفرت کرے۔ سچ یہ ہے کہ ابراہیم نخعی کے موجود ہوتے بھی اگر سفیان دنیا سے اُٹھ جاتے تو مسلمانون کو سفیان کے مرنے کا ماتم کرنا پڑتا۔"

ایک دن مسجد مین درس دے رہے تھے۔ ایک شخص نے جسکو اُن سے کچھ عداوت تھی۔ عام مجلس مین اُنکی نسبت ناسزا الفاظ کہے۔ انہون نے کچھ التفات نہ کی۔ اور اسیطرح درس مین مشغول رہے۔ شاگردون کو بھی منع کر دیا کہ اُسکی طرف متوجہ نہون۔ درس سے اُٹھے تو وہ شخص ساتھ ہوا اور جو کچھ مُنھ مین آتا تھا بکتا جاتا تھا۔ امام صاحب اپنے گھر کے قریب پہنچے تو کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ "بھائی یہ میرا گھر ہے۔ کچھ باقی رہگیا ہو تو اُٹھا نہ رکھو کہ اب مین اندر جاتا ہون اور تمکو موقع نہ ملے گا۔"

ایک اور دن۔ حلقۂ درس قائم تھا۔ ایک نوعمر نے مسئلہ پوچھا۔ امام صاحب نے جواب دیا۔ اُس نے کہا۔ ابوحنیفہ تم نے جواب مین غلطی کی۔ ابو الخطاب جرجانی بھی حلقہ مین شریک تھے۔ اُن کو نہایت غصّہ آیا اور حاضرین کو ملامت کی کہ تم لوگ بڑے بے حمیت ہو

امام کی شان مین ایک لونڈا جو جی مین آتا ہے کہہ جاتا ہے۔ تمکو ذرا جوش نہین آتا۔ امام صاحب نے ابوالخطاب کیطرف خطاب کیا اور فرمایا کہ "ان لوگون پر کچھ الزام نہین۔ مین اسجگہہ بیٹھا ہون تو اسی لیے بیٹھا ہون کہ لوگ آزادانہ میری رائے کی غلطیان ثابت کرین اور مین تحمل کے ساتھ سنون"۔

ہمدردی اور ہمسائگی کا لحاظ۔

محلہ مین ایک موچی رہتا تھا۔ جو نہایت رنگین طبع اور خوش مزاج تھا۔ اسکا معمول تھا کہ دن بھر مزدوری کرتا۔ شام کو بازار جاکر گوشت اور شراب مول لاتا۔ کچھ رات گئے دوست احباب جمع ہوتے۔ خود سیخ پر کباب لگاتا۔ اور یارون کو کھلاتا۔ ساتھ ہی شراب کا دور چلتا اور مزے مین آکر یہ شعر گاتا۔

اضاعونی وای فتی اضاعوا	لیوم کریهة وسداد ثغر

یعنی "لوگون نے مجھکو ہاتھ سے کھو دیا اور کیسے بڑے شخص کو کھویا جو لڑائی اور سرحد بندی کے دن کام آتا"۔ امام صاحب ذکر و شغل مین رات کو سوتے کم تھے۔ اُسکی نغمہ سنجیان سُنتے اور فرط اخلاق کی وجہ سے کچھ تعرض نکرتے۔ ایک رات کوتوال شہر اُدھر نکلا اور اُس غریب کو گرفتار کرکے قیدخانہ مین بھیجدیا۔ صبح کو امام صاحب نے دوستون سے تذکرہ کیا۔ کہ رات ہمارے ہمسایہ کی آواز نہین آئی۔ لوگون نے رات کا ماجرا بیان کیا۔ اسیوقت سواری طلب کی۔ دربار کے کپڑے پہنے۔ اور دارالامارۃ کا قصد کیا۔ یہ عباسیہ کا عہد حکومت تھا اور **عیسی ابن موسی**۔ کہ خلیفہ منصور کا برادرزادہ اور تمام خاندان مین عقل و تدبیر دلیری اور شجاعت کے لحاظ سے ممتاز تھا کوفہ کا گورنر تھا۔ لوگون نے اطلاع کی کہ

امام ابوحنیفہ آپ کے ملنے کو آتے ہین۔ اُسنے درباریون کو استقبال کے لیے بھیجا۔ اور حکم دیا کہ دارالامارۃ کے صحن تک امام صاحب کو سواری پر لائین۔ سواری قریب آئی تو تعظیم کو اُٹھا۔ اور نہایت ادب سے لاکر بٹھایا۔ پھر عرض کی کہ "آپ نے کیون تکلف فرمائی۔ مجھکو بُلا بھیجتے کہ مین خود حاضر ہوتا"۔ امام صاحب نے فرمایا کہ "ہمارے محلہ مین ایک موچی رہتا ہے۔ کوتوال نے اُسکو گرفتار کرلیا ہے۔ مین چاہتا ہون کہ وہ رہا کردیا جائے۔" عیسیٰ نے اُسیوقت داروغہ جیل کو حکم بھیجا اور وہ رہا کردیا گیا۔ امام صاحب عیسیٰ سے رخصت ہوکر چلے تو موچی بھی ہمرکاب ہوا۔ امام اُسکی طرف مخاطب ہوئے کہ "کیون! ہمنے تم کو ضائع تو نہین کیا"۔ یہ اُس شعر کی طرف اشارہ تھا جسکو وہ ہمیشہ پڑھا کرتا تھا۔ اضاعونی وای فتیً اضاعوا۔ اُس نے عرض کی "نہین۔ آپنے ہمسایگی کا پوراحق ادا کیا"۔[1] اسکے بعد اُسنے عیش پرستی سے توبہ کی۔ اور امام صاحب کے حلقۂ درس مین بیٹھنے لگا۔ رفتہ رفتہ علم فقہ مین مہارت حاصل کی۔ اور فقیہ کے لقب سے ممتاز ہوا۔

والدہ کی خدمت

امام صاحب کے والد نے امام کے سن رشد سے پہلے قضا کی۔ لیکن والدہ مدت تک زندہ رہین اور امام کو اُنکی خدمت گزاری کا کافی موقع ہاتھ آیا۔ وہ مزاج کی شکّی تھین اور جیسا کہ عورتون کا قاعدہ ہے واعظون اور قصّہ گویون کے ساتھ نہایت عقیدت رکھتی تھین۔ کوفہ مین عمرو بن ذر ایک مشہور واعظ تھے۔ اُنکے ساتھ خاص عقیدت تھی۔ کوئی مسئلہ پیش

[1] یہہ واقعہ بہت سی کتابون مین مختلف طریقے سے مذکور ہے مین نے کتاب الاغانی و ابن خلکان وعقود الجمان کی روایت اختیار کی ہے۔ ۱۲

آتا تو امام صاحب کو حکم دیتین کہ عمر بن ذر سے پوچھہ آؤ۔ امام بتعمیلِ ارشاد کے لیے اُنکے پاس جاکر مسئلہ پوچھتے۔ وہ عذر کرتے کہ آپکے سامنے مین کیا زبان کھول سکتا ہون۔ فرماتے کہ "والدہ کا یہی حکم ہے۔" اکثر ایسا ہوتا کہ عمرو کو مسئلہ کا جواب نہ آتا۔ امام صاحب سے درخواست کرتے کہ "آپ مجھکو بتا دین۔ مین اُسی کو آپکے سامنے دُہرا دون۔"

کبھی کبھی اصرار کرتین کہ مین خود چلکر پوچھونگی۔ خچر پر سوار ہوتین۔ امام صاحب پاپیادہ ساتھ ہوتے۔ خود مسئلہ کی صورت بیان کرتین اور اپنے کانون سے جواب سُن لیتین تب تسکین ہوتی۔ ایک دفعہ امام صاحب سے پوچھا کہ یہ صورت پیش آئی ہے مجھکو کیا کرنا چاہیئے۔ امام صاحب نے جواب بتایا۔ بولین کہ "تمہاری سند نہین۔ زرعہ واعظ تصدیق کرین تو مجھکو اعتبار آئے۔" امام صاحب اِن کو لیکر زرعہ کے پاس گئے۔ اور مسئلہ کی صورت بیان کی۔ زرعہ نے کہا آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہین۔ آپ کیون نہین بتا دیتے۔ امام صاحب نے فرمایا مین نے یہ فتویٰ دیا تھا۔ زرعہ نے کہا بالکل صحیح ہے۔

یہ سُنکر اُنکو تسکین ہوئی اور گھر واپس آئین۔ ابن ہبیرہ نے جب امام صاحب کو بُلاکر میر منشی مقرر کرنا چاہا اور انکار کے جُرم پر دُرّے لگوائے۔ اُسوقت امام کی والدہ زندہ تھین۔ اُنکو نہایت صدمہ ہوا۔ امام صاحب فرمایا کرتے تھے کہ "مجھکو اپنی تکلیف کا چندان خیال نہ تھا۔ البتہ یہ رنج ہوتا تھا کہ میری تکلیف کی وجہ سے والدہ کے دل کو صدمہ پہنچتا ہے۔"

امام صاحب اگرچہ نہایت رقیق القلب تھے اور کسیکو تکلیف اور رنج کی حالت مین

رقت طبع

دیکھتے تو بیتاب ہو جاتے۔ ایک دفعہ مسجد میں بیٹھے تھے کسی نے آکر کہا کہ فلاں شخص کوٹھے سے گر پڑا۔ دفعتہً اس زور سے چیخ اُٹھے کہ مسجد میں تہلکہ پڑ گیا۔ حلقۂ درس چھوڑ کر برہنہ پا دوڑے اور اُس شخص کے گھر پر جاکر بہت کچھ غمخواری اور ہمدردی کی۔ جب تک وہ اچھا ہوا روزانہ صبح کو جاتے اور اُسکی تیمارداری کرتے۔ تاہم اپنے اوپر کوئی مصیبت آن پڑتی تو اِس استقلال سے برداشت کرتے کہ لوگوں کو تعجب ہوتا۔ عمال اور اہل دربار کے ہاتھ سے اکثر اُنکو تکلیفیں پہنچیں مگر کبھی اونکے پاے ثبات کو لغزش نہیں ہوئی۔ نہایت مضبوط دل رکھتے تھے۔ اور ضبط و استقلال گویا مایۂ خمیر تھا۔

استقلال

ایک دن جامع مسجد میں درس دے رہے تھے مستفیدوں اور ارادتمندوں کا مجمع تھا۔ اتفاقاً چھت سے ایک سانپ گرا اور امام کی گود میں آیا۔ تمام لوگ گھبرا کر بھاگ گئے مگر وہ اسی اطمینان سے بیٹھے رہے۔ **امام مالک** کو بھی ایکبار ایسا ہی اتفاق پیش آیا۔ اور وہ اُنکی تاریخ زندگی کا مشہور اور دلچسپ واقعہ ہے۔

بات نہایت کم کرتے اور غیر ضروری باتوں میں کبھی دخل نہ دیتے۔ درس میں بھی معمول تھا کہ شاگرد مجلس میں نہایت آزادی سے بحثیں کرتے۔ آپ چُپ بیٹھے سُنا کرتے۔ جب بحث زیادہ بڑھ جاتی اور کسی بات کا تصفیہ نہوتا تو قول فیصل بیان کر دیتے کہ سبکو تشفی ہو جاتی۔

حفظ لسان

غیبت سے پرہیز رکھتے۔ اس نعمت کا شکر ادا کرتے کہ خدا نے میری زبان کو اس آلودگی سے پاک رکھا۔ ایک شخص نے کہا حضرت! لوگ آپ کی شان میں کیا کچھ نہیں کہتے مگر آپ سے میں نے کسی کی برائی نہیں سنی۔ فرمایا "ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ" امام سفیان ثوری

سے کسی نے کہا۔ ابوحنیفہ کو مین نے کسی کی غیبت کرتے نہین سُنا۔ اُنہون نے کہا کہ "ابوحنیفہ ایسے بیوقوف نہین کہ اپنے اعمال صالح کو۔ آپ برباد کرین"

قسم کھانی بُرا جانتے تھے اور اُس سے بہت پرہیز کرتے تھے۔ عہد کرلیا تھا کہ اتفاقاً بھی اِس خطا کا مرتکب ہونگا تو ایک درہم کفارہ دونگا۔ اتفاق سے بھولکر کسی موقع پر قسم کھالی اُسکے بعد عہد کیا کہ اب بجاے درہم کے دینار دونگا۔

ذکر و عبادت

نہایت مرتاض اور زاہد تھے۔ ذکر و عبادت مین اُنکو مزہ آتا تھا اور بڑے ذوق و خلوص سے ادا کرتے تھے۔ اس باب مین اُنکی شہرت ضرب المثل ہو گئی تھی۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ "اُنکی پرہیزگاری اور عبادت کے واقعات تواتر کی حد کو پہنچ گئے ہین" اکثر نماز مین یا قرآن پڑھنے کے وقت رقت طاری ہوتی اور گھنٹون رویا کرتے۔ ابراہیم بصری کا بیان ہے کہ ایک دفعہ نماز فجر مین مین امام ابوحنیفہ کے ساتھ شریک تھا۔ امام نماز نے یہ آیت پڑھی ولا تحسبن اللہ غافلا عما یعمل الظالمون یعنی خدا کو ظالمون کی کردار سے بیخبر نہ سمجھنا!۔ امام ابوحنیفہ پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ سارا بدن کانپنے لگا۔ زائدہ کہتے ہین کہ مجھکو ایک ضروری مسئلہ دریافت کرنا تھا امام ابوحنیفہ کے ساتھ نماز عشا مین شریک ہوا اور منتظر رہا کہ نوافل سے فارغ ہون تو دریافت کرون وہ قرآن پڑھتے پڑھتے اس آیت پر پہنچے وقانا عذاب السموم بار بار اس آیت کو پڑھتے تھے۔ یہان تک کہ صبح ہو گئی اور وہ یہی آیت پڑھتے رہے۔ ایکبار نماز مین یہ آیت پڑھی بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھی وامر" یعنی قیامت گنہگارونکا وعدہ گاہ ہے اور قیامت سخت مصیبت کی چیز اور

ناگوار چیز ہے" اسی آیت مین رات ختم ہو گئی۔ باربار پڑہتے تھے اور روتے جاتے تھے۔

یزید بن کمیت ایک مشہور عابد اور امام صاحب کے ہمعصر تھے۔ اُن کا بیان ہو کہ ہمین ایک دفعہ نماز عشا مین امام ابوحنیفہ کے ساتھ شریک تھا۔ امام نماز نے اذا زلزلت پڑہی لوگ نماز پڑھکر چلے گئے مین ٹھہر رہا۔ امام ابوحنیفہ کو دیکھا کہ بیٹھے ٹھنڈی سانسین بھر رہے ہین۔ یہ دیکھکر مین اُٹھ آیا کہ اُنکے اوقات مین خلل نہو۔ صبح کو مسجد مین گیا تو دیکھا کہ غمزدہ بیٹھے ہین۔ داڑھی ہاتھ مین ہے اور بڑی رقت سے کہہ رہے ہین" اے وہ! جو ذرہ بھر نیکی اور ذرہ بھر بدی دونون کا بدلہ دے گا۔ نعمان اپنے غلام کو آگ سے بچانا"

عبرت پذیری

ایک دن بازار مین چلے جاتے تھے۔ ایک لڑکے کے پاؤن پر پاؤن پڑ گیا۔ وہ چیخ اُٹھا اور کہا کہ تو خدا سے نہین ڈرتا۔ امام کو غش آگیا مسعر بن کدام۔ ساتھ تھے انہون نے سنبھالا۔ ہوش مین آئے تو پوچھا کہ ایک لڑکے کی بات پر اسقدر بیقرار ہو جانا کیا تھا؟ فرمایا "کیا عجب۔ کہ اُسکی آواز غیبی ہدایت ہو"

ایک دفعہ حسب معمول دوکان پر گئے۔ نوکر نے کپڑون کے تھان نکالکر رکھے اور تفاؤل کے طور پر کہا۔ خدا ہمکو جنت دے۔ امام صاحب پر رقت طاری ہوئی اور اسقدر روئے کہ شانے تر ہو گئے نوکر سے کہا دوکان بند کر دو۔ آپ چہرہ پر رومال ڈالکر کسی طرف نکل گئے۔ دوسرے دن دوکان پر گئے تو نوکر سے کہا۔ بھائی! ہم اس قابل کہان ہین کہ جنت کی آرزو کرین۔ یہی بہت ہو کہ عذاب الٰہی مین گرفتار نہون حضرت عمر فاروق رضہ بھی اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "قیامت کے دن اگر مجھ سے نہ مواخذہ ہو نہ انعام ملے۔ تو مین بالکل

راضی ہوں گے"

ایک دفعہ کسیکو مسئلہ بتارہے تھے۔ ایک شخص نے کہا "ابوحنیفہ! خدا سے ڈر کر فتویٰ دیا کرو"۔ امام صاحب پر اسکا اسقدر اثر ہوا کہ چہرہ کی رنگت زرد پڑ گئی۔ اُس شخص کیطرف مخاطب ہوئے۔ اور کہا "بھائی! خدا تُمکو جزائے خیر دے۔ اگر مجھکو یہ یقین نہوتا کہ خدا مجھ سے مواخذہ کریگا کہ تو نے جان کر علم کو کیوں چھپایا۔ تو مین ہرگز فتویٰ نہ دیتا"۔ کوئی مسئلہ مشکل آجاتا اور جواب نہ معلوم ہوتا تو متردد ہوتے کہ غالباً مین کسی گناہ کا مرتکب ہوا۔ یہ اُسی کی شامت ہے۔ پھر وضو کر کے نماز پڑھتے۔ اور استغفار کرتے۔ فضیل بن عیاض کہ مشہور صوفی گذرے ہین اُن سے کسی نے یہ حکایت بیان کی۔ بہت روئے اور کہا "ابوحنیفہ کے گناہ کم تھے اسلیے اُنکو یہ خیال ہوتا تھا۔ جو لوگ گناہون مین غرق ہین اُن پر ہزار آفتین آتی ہین اور مطلق خبر نہین ہوتی کہ یہ غیبی تنبیہ ہے"

تقسیم اوقات

معمول تھا کہ صبح کی نماز کے بعد مسجد مین درس دیتے۔ دور دور سے استفتے آتے ہوتے اُنکے جواب لکھتے پھر تدوین فقہ کی مجلس منعقد ہوتی۔ بڑے بڑے نامور شاگردون کا مجمع ہوتا۔ جو مسائل اتفاق رائے سے طے ہوتے قلمبند کر لیے جاتے۔ نماز ظہر پڑھ کر گھر آتے۔ گرمیون مین ہمیشہ ظہر کے بعد سو رہتے۔ نماز عصر کے بعد کچھ دیر تک درس و تعلیم کا مشغلہ رہتا۔ باقی وقت دوستون سے ملنے ملانے بیمارونکی عیادت۔ ماتم پرسی۔ غریبونکی خبرگیری مین صرف ہوتا۔ مغرب کے بعد پھر درس کا سلسلہ شروع ہوتا اور عشا تک رہتا۔ نماز عشا پڑھکر عبادت مین مشغول ہوتے اور اکثر رات بھر نہ سوتے۔ جاڑون مین مغرب کے بعد

مسجد ہی مین سورہتے اور قریباً دس بجے اُٹھکر نماز عشا پڑہتے۔ پھر تمام رات تہجد اور ورد و وظائف مین گذرتی۔ کبھی کبھی دوکان پر بیٹھتے اور وہین یہ تمام مشاغل انجام پاتے۔

ذہانت اور طبّاعی۔ فتوی اور مناظرات نصایح اور دلپذیر باتین

جو چیز۔ امام صاحب کی۔ قوت۔ ایجاد۔ حدت طبع۔ دقت نظر۔ وسعت معلومات۔ غرض اُنکے تمام کمالات علمی کا آئینہ ہے وہ علم فقہ ہے۔ جسکی ترتیب و تدوین مین انکو وہ پایہ حاصل ہے جو ارسطو کو منطق اور اقلیدس کو ہندسہ مین۔ لیکن اسپر تفصیلی بحث کرنیکے لیے ایک مستقل کتاب درکار ہے۔ اسی ضرورت سے ہمنے اپنی کتاب کا دوسرا حصّہ۔ اس بحث کے لیے خاص کر دیا ہے۔ اس موقع پر صرف وہ واقعات لکھتے ہین جو امام صاحب کی علمی تاریخ کے عام واقعات ہین۔ لیکن غور سے دیکھو تو وہ بھی بجاے خود اصول ہین جن پر سیکڑون مسائل کی بنیاد قائم ہے۔

اس مقام پر یہ کہدینا ضرور ہے کہ **امام ابو حنیفہ** کے مناظرات اور نکتہ آفرینیون کے متعلق بہت بے سروپا افسانے شہرت پکڑ گئے ہین اور طرّہ یہ کہ بعض مشہور مصنفون نے بغیر تحقیق و تنقید کے اُنکو اپنی تالیفات مین نقل کر دیا جس سے عوام کو اپنے غلط خیالات کے لیے ایک دستاویز ہاتھ آگئی۔ یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ جو شخص کسی فن مین کمال کے ساتھ شہرت عام حاصل کرتا ہے۔ اُسکی نسبت اچھی یا بُری سیکڑون روایتین خود بخود پیدا ہو جاتی ہین۔ اور بعض حالتون مین اسقدر عام زبانون پر قبضہ کر لیتی ہین کہ خواص تک

کو اُن پر تو اتر کا دھوکا ہوتا ہے۔ لطف یہ کہ معتقدین۔ جوش اعتقاد میں ایسی باتیں بیان کر جاتے ہیں جنکو وہ مدح سمجھتے ہیں اور دراصل ذم ہوتی ہے۔ اسیطرح مخالف عیب و منقصت کی مثالیں پیش کرتا ہے۔ حالانکہ غور سے دیکھیے تو اُن واقعات سے بجاے اسکے کہ اُس شخص کی برائی ثابت ہو مدح کا پہلو نکلتا ہے۔ امام ابوحنیفہ بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہیں بعض مصنفوں نے اُنکی ذہانت اور طباعی کے ذیل میں بہت سے ایسے قصّے لکھدیے ہیں جنکو خدانخواستہ ہم سچ تسلیم کریں تو عیاذاً باللہ امام صاحب کو حیلہ جو۔ چالاک۔ متقنی سخن ساز۔ ماننا پڑیگا۔ لیکن وہ روایتیں تاریخی اصول سے ثابت نہیں اور اسیوجہ سے اہلِ تحقیق خصوصاً محدثین نے اُنکے لکھنے سے ہمیشہ پرہیز کیا ہے۔ ہم بھی اُنکو قلم انداز کرتے ہیں اور ان ہی روایتوں پر اکتفا کرتے ہیں جو بظن غالب ثابت اور صحیح ہیں۔

اسمیں شبہہ نہیں کہ امام صاحب کو اور ائمہ کی نسبت مناظرہ اور مباحثہ کے موقعے زیادہ پیش آتے۔ انہوں نے علوم شرعیہ کے متعلق بہت سے ایسے نکتے ایجاد کیے تھے جو عام طبیعتوں کی دسترس سے باہر تھے۔ اسلیے ظاہر بینوں کا ایک بڑا گروہ جنمیں بعض مقدس سادہ دل بھی شامل تھے اُنکا مخالف ہوگیا تھا۔ اور ہمیشہ اُن سے بحث و مناظرہ کے لیے طیار رہتا تھا۔ امام صاحب کو بھی مجبوراً اُنکے شبہات رفع کرنے پڑتے تھے۔ اِس اتفاقی سبب نے مناظرہ اور مباحثہ کا ایک وسیع سلسلہ قائم کردیا تھا۔ لیکن امام صاحب کے مناظرات اسی پر محدود نہیں۔ مناظرہ اُسوقت درس کا ایک خاص طریقہ تھا۔ اور امام صاحب نے اکثر اساتذہ سے اسی طریقہ پر تعلیم پائی تھی۔ عیون و الحدائق کے مصنف نے اُنکے تذکرہ میں

لکھا ہے کہ "انہون نے شعبی۔ طاؤس۔ عطا۔ سے مناظرات کیے" یہ لوگ امام صاحب کے اساتذۂ خاص ہین اور وہ ان لوگون کا نہایت ادب کرتے تھے۔ اس مناظرہ سے مقصود وہی درس کا مخصوص طریقہ ہے۔ جو اس عہد مین عموماً مروج تھا[1]۔

رفع یدین کے مسئلہ پر اوزاعی سے مناظرہ

امام **اوزاعی** کہ اقلیم شام کے امام اور فقہ مین مذہب مستقل کے بانی تھے۔ مکہ معظمہ مین امام ابوحنیفہ سے ملے۔ اور کہا کہ عراق والون سے نہایت تعجب ہے کہ رکوع مین۔ اور رکوع سے سر اٹھانیکے وقت۔ رفع یدین نہین کرتے۔ حالانکہ مین نے زہری سے انہون نے سالم بن عبداللہ سے۔ انہون نے عبداللہ بن عمر سے سُنا ہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان موقعون پر رفع یدین کرتے تھے" امام ابوحنیفہ نے اُس کے مقابلہ مین حماد۔ ابراہیم نخعی۔ علقمہ۔ عبداللہ بن مسعود کے سلسلہ سے حدیث روایت کی کہ آنحضرت صلعم۔ ان موقعون پر رفع یدین نہین فرماتے تھے" امام اوزاعی نے کہا سبحان اللہ! " مین تو زہری۔ سالم۔ عبداللہ۔ کے ذریعہ سے حدیث بیان کرتا ہون۔ آپ اسکے مقابلہ مین۔ حماد۔ نخعی۔ علقمہ کا نام لیتے ہین" امام ابوحنیفہ نے کہا" میرے رواۃ آپ کے رواۃ سے زیادہ فقیہ ہین اور عبداللہ بن مسعود کا رتبہ تو معلوم ہی ہے۔ اس لیے اُنکی روایت کو ترجیح ہے" امام رازی نے اس مناظرہ کو مناقب الشافعی مین نقل کیا ہے[2] اور گو واقعہ کی صحت سے

[1] امام صاحب کے بعض مناظرات مورخ خطیب نے تاریخ بغداد مین۔ اور امام رازی نے اس آیت کی تفسیر مین و علم آدم الاسماء کلھا لکھے ہین۔ اور عقود الجمان مین زیادہ استقصا کیا ہی۔ انکے علاوہ اور کتابون مین بھی جستہ جستہ مذکور ہین!!

[2] علامہ ابن الہمام نے اس مناظرہ کو فتح القدیر مین ذکر کیا ہی۔ اور حجۃ اللہ البالغہ کے مختلف مقامات سے اُسکے اشارے پائے جاتے ہین!!

انکار نہین کر سکتے تاہم یہ نکتہ چینی کی ہے کہ حسّی واقعات مین تفقہ کو کیا دخل ہے۔
اِس اصول پر مفصل بحث کتاب کے دوسرے حصہ مین ہوگی۔ یہان امام رازی کے حوالہ سے یہ مقصود ہے کہ اصل واقعہ صحیح ہے جس سے شافعیون کو بھی انکار نہین۔ اس مسئلہ کے متعلق امام محمد نے کتاب الحجج مین ایک لطیف بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہین کہ ہماری روایت عبداللہ بن مسعود تک منتہی ہوتی ہے۔ اور فریق مخالف کی عبداللہ بن عمر تک اس لیے بحث کا تمام تر مدار اسپر آجاتا ہے کہ ان دونون مین کسکی روایت ترجیح کے قابل ہے عبداللہ بن مسعود آنحضرتؐ کے زمانہ مین پوری عمر کو پہنچ چکے تھے اور جیسا کہ حدیثون مین آیا ہے جماعت کی صف اول مین جگہہ پاتے تھے۔ بخلاف اس کے عبداللہ بن عمر کا محض آغاز تھا اور اُنکو دوسری تیسری صف مین کھڑا ہونا پڑتا تھا۔ اس لیے آنحضرتؐ کے حرکات وسکنات سے واقف ہونے کے جو موقعے عبداللہ بن مسعود کو ملسکے۔ عبداللہ بن عمر کو کیونکر حاصل ہوسکتے تھے۔ امام محمد کا یہ طرز استدلال۔ حقیقت مین اصول درایت پر مبنی ہے۔ امام ابوحنیفہ صاحب نے اپنی تقریر مین عبداللہ بن مسعود کی عظمت وشان کا جو ذکر کیا اوس مین اسی کی طرف اشارہ ہے۔

قرأت خلف الامام

ایک دن بہت سے لوگ جمع ہوکر آئے کہ قرأۃ خلف الامام کے مسئلہ مین امام صاحب سے گفتگو کرین۔ امام صاحب نے کہا "اتنے آدمیون سے مین تنہا کیونکر بحث کرسکتا ہون البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ آپ اس مجمع مین سے کسی کو انتخاب کرلین جو سبکی طرف سے اس خدمت کا کفیل ہو۔ اور اُسکی تقریر پورے مجمع کی تقریر سمجھی جائے" لوگون نے منظور کیا۔ امام

صاحب نے کہا "آپ نے یہ تسلیم کیا تو بحث کا خاتمہ بھی ہوگیا آپ نے جسطرح ایک شخص کو سبکی طرف سے بحث کا مختار کر دیا اسی طرح امام نماز بھی تمام مقتدیون کی طرف سے قراءۃ کا کفیل ہے"

یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ امام نے ایک شرعی مسئلہ کو صرف عقلی طور پر طے کر دیا۔ بلکہ حقیقت مین یہ اُس حدیث کی تشریح ہے جسکو خود امام صاحب نے بسند صحیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا ہے کہ من صلی خلف الامام فقراءۃ الامام قراءۃ لہ "یعنی جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قراءۃ بھی اُسکی قراءت ہے"

یہ امام صاحب کے مختصات مین ہے کہ وہ مشکل سے مشکل مسئلہ کو ایسے عام فہم طریقہ سے سمجھا دیتے تھے کہ مخاطب کے ذہن نشین ہو جاتا تھا اور بحث نہایت جلد اور آسانی سے طے ہو جاتی تھی۔ ایک دفعہ **ضحاک خارجی** جو خارجیون کا ایک مشہور سردار تھا اور بنو امیہ کے زمانہ مین کوفہ پر قابض ہوگیا تھا۔ امام صاحب کے پاس آیا اور تلوار دکھا کر کہا کہ "توبہ کرو" انہون نے پوچھا کس بات سے۔ ضحاک نے کہا "تمہارا عقیدہ ہے کہ علی (رضی اللہ عنہ) نے معاویہ کے جھگڑے مین ثالثی مان لی تھی۔ حالانکہ جب وہ حق پر تھے تو ثالث ماننے کے کیا معنی" امام صاحب نے فرمایا کہ "اگر میرا قتل مقصود ہے تو اور بات ہے ورنہ اگر تحقیق حق منظور ہے تو مجھکو تقریر کی اجازت دو" ضحاک نے کہا مین بھی مناظرہ ہی چاہتا ہون۔ امام صاحب نے فرمایا اگر بحث آپس مین نہ طے ہو تو کیا علاج؟ ضحاک نے کہا ہم دونون ایک شخص کو منصف قرار دین۔ چنانچہ ضحاک ہی کے ساتھیون مین سے ایک شخص انتخاب کیا گیا کہ دونون فریق کی صحت و غلطی کا تصفیہ

ایک خارجی سے گفتگو

کرے۔ امام صاحب نے فرمایا "یہی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی کیا تھا۔ پھر اُن پر کیا الزام ہے" ضحاک دم بخود ہوگیا! اور جھپکا اٹھکر چلا آیا۔

اسی ضحاک نے ایکبار کوفہ پہنچکر قتلِ عام کا حکم دیدیا۔ امام صاحب کو خبر ہوئی دوڑے گئے اور پوچھا کہ "آخر ان لوگون نے کیا جرم کیا ہے" اُسنے کہا یہ سب مرتد ہوگئے ہین۔ امام صاحب نے فرمایا "پہلے اِن لوگون کا کچھ اور مذہب تھا جسکو انہون نے چھوڑ دیا۔ یا ہمیشہ سے یہی مذہب رکھتے تھے جو اب رکھتے ہین؟ ضحاک نے کہا۔ کیا کہا پھر کہنا! ۔ امام صاحب نے زیادہ وضاحت سے بیان کیا۔ ضحاک نے کہا "بے شبہہ میری خطا تھی۔ اُسی وقت حکم دیا کہ تلوارین نیام مین کرلیجائین"۔

قتادہ بصری سے مناظرہ

قتادہ بصری۔ جنکا مختصر حال امام صاحب کے اساتذہ کے ذکر مین ہم لکھ آئے ہین۔ کوفہ مین آئے۔ اور اشتہار دیدیا کہ "مسائلِ فقہ مین جسکو جو پوچھنا ہو پوچھے مین ہر مسئلہ کا جواب دونگا" چونکہ وہ مشہور محدث و امام تھے۔ بڑا مجمع ہوا۔ جوق جوق لوگ آتے تھے اور مسئلے دریافت کرتے تھے۔ امام ابوحنیفہ بھی موجود تھے۔ کھڑے ہوکر پوچھا کہ "ایک شخص سفر مین گیا۔ برس دو برس کے بعد اُسکے مرنے کی خبر آئی۔ اُسکی بیوی نے دوسرا نکاح کرلیا اور اُس سے اولاد ہوئی۔ چندروز کے بعد وہ شخص واپس آیا۔ اولاد کی نسبت اُسکو انکار ہے کہ میری صلب سے نہین ہے زوجِ ثانی دعویٰ کرتا ہے کہ میری ہے تو آیا دونون اُس عورت پر زنا کا الزام لگاتے ہین یا صرف وہ شخص جو ولدیت سے انکار کرتا ہے" قتادہ نے کہا "یہ صورت پیش بھی آئی ہے" امام نے کہا نہین۔ لیکن علما کو پہلے سے

طیار رہنا چاہیئے کہ دقت پر تردد نہو۔ قتادہ کو فقہ سے زیادہ تفسیر مین دعویٰ تھا۔ بولے کہ ان مسائل کو رہنے دو۔ تفسیر کے متعلق جو پوچھنا ہو پوچھو۔ امام ابوحنیفہ نے کہا اس آیت کے کیا معنی ہین۔ قال الذی عندہ علم من الکتاب انا اٰتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک یہ وہ قصہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے درباریون سے بلقیس کے تخت لانے کی فرمایش کی اور ایک شخص نے جو غالباً آصف بن برخیا حضرت سلیمان کے وزیر تھے دعوےٰ کیا کہ مین چشم زدن مین لادونگا۔ اہل کتاب کی روایت ہے کہ آصف بن برخیا اسم اعظم جانتے تھے جسکی تاثیر سے ایک دم مین شام سے یمن پہنچکر تخت اُٹھا لائے۔ یہی روایت عام مسلمانون مین پھیل گئی تھی۔ اور اُسیکے مطابق اس آیت کا مطلب لگایا جاتا تھا۔ قتادہ نے بھی یہی معنی بیان کیے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا حضرت سلیمان خود بھی اسم اعظم جانتے تھے یا نہین" قتادہ نے کہا "نہین" امام صاحب نے کہا "کیا آپ اس بات کو جائز رکھتے ہین کہ نبی کے زمانہ مین ایسا شخص موجود ہو جو خود نبی نہو اور نبی سے زیادہ علم رکھتا ہو" قتادہ کچھ جواب نہ دے سکے۔ اور کہا کہ عقائد کے متعلق پوچھو۔ امام صاحب نے کہا "آپ مومن ہین" اکثر محدثین اپنے آپ کو مومن کہتے ہوئے ڈرتے تھے اور اسکو احتیاط مین داخل سمجھتے تھے حسن بصری سے ایک شخص نے یہی سوال کیا تھا جسکے جواب مین اُنھون نے کہا کہ "انشاء اللہ" پوچھنے والے نے کہا کہ "انشاء اللہ کا کیا محل ہے" فرمایا کہ مین اپنے تئین مومن تو کہون مگر ڈرتا ہون کہ خدا یہ نہ کہدے کہ تو جھوٹ کہتا ہے" قتادہ نے بھی امام ابوحنیفہ کے سوال کا یہی جواب دیا۔ لیکن حقیقت مین یہ ایک قسم کی وہم پرستی ہے۔ ایمان۔ اعتقاد کا

نام ہے جو شخص خدا اور رسول پر اعتقاد رکھتا ہے وہ قطعاً مومن ہے اور اسکو یہ کہنا چاہیے کہ مین مومن ہون۔ البتہ اگر اس مین شک ہے تو قطعی کافر ہے۔ اور پھر انشاء اللہ کہنا بھی بیکار ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس عام غلطی کو مٹانا چاہا۔ قتادہ سے پوچھا آپنے یہ قید کیون لگائی۔ انہون نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا۔ کہ مجھکو امید ہے کہ خدا قیامت کے دن میرے گناہون کو معاف کردے۔ امام ابوحنیفہؒ نے کہا خدا نے حضرت ابراہیم سے جب یہ سوال کیا کہ اَوَلَم تُؤمِن تو اُنہون نے جواب مین "بلیٰ" کہا تھا۔ یعنی ہان مین مومن ہون۔ آپنے حضرت ابراہیم کے اس قول کی کیون تقلید نہ کی۔ قتادہ ناراض ہوکر اٹھے۔ اور گھر مین چلے گئے۔[1]

یحییٰ بن سعید سے مناظرہ

یحییٰ بن سعید انصاری۔ کوفہ کے قاضی تھے۔ اور منصور عباسی کے دربار مین بڑا جاہ و اعتبار رکھتے تھے۔ تاہم کوفہ مین اُنکا وہ اثر قائم نہو سکتا تھا جو امام ابوحنیفہ صاحب کا تھا۔ اسپر ان کو تعجب ہوتا تھا۔ اور لوگون سے کہا کرتے تھے کہ کوفہ والے بھی عجیب سادہ دل ہین۔ "تمام شہر ایک شخص کے اشارون پر حرکت کرتا ہے" ابوحنیفہ نے ابویوسف۔ وزفر۔ اور چند ممتاز شاگردون کو بھیجا کہ قاضی یحییٰ سے مناظرہ کرین۔ امام ابویوسف نے تقریر شروع کی۔ مسئلہ یہ تھا کہ ایک غلام اگر دو شخصون مین مشترک ہو اور صرف ایک شخص آزاد کرنا چاہے تو کرسکتا ہے یا نہین؟ قاضی یحییٰ نے کہا: نہین کرسکتا۔ کیونکہ حدیث مین آیا ہی

[1] اس مناظرہ کو خطیب نے تاریخ بغداد مین۔ اور حافظ ابو المحاسن نے عقود الجمان مین کسیقدر اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے۔ ۱۲

لا ضرر ولا ضرار یعنی وہ کام جس سے کسی شخص کو ضرر پہنچے جائز نہیں۔ صورت زیر بحث مین چونکہ دوسرے شریک کا ضرر ہی۔ اسلیے شریک اوّل ایسے فعل کا مجاز نہین ہوسکتا" امام ابو یوسف نے کہا۔ اگر دوسرا شریک آزاد کردے؟ قاضی یحییٰ بولے۔ تب جائز ہے اور غلام آزاد ہوجاے گا" امام ابو یوسف نے کہا "آپنے خود اپنے قول کی مخالفت کی۔ کیونکہ آپ کے نزدیک ایک شریک کے آزاد کرنے سے غلام آزاد نہین ہوتا یعنی اسیطرح غلام کا غلام رہتا ہے صورت مذکور مین جب ایک شریک نے آزاد کیا تو آپکے نزدیک اُسکا یہ فعل بالکل بے اثر ہے یعنی وہ اسیطرح غلام باقی رہا جیسا پہلے تھا۔ اب صرف دوسرے شریک کے آزاد کرنے سے کیونکر آزاد ہوسکتا ہے"

قاضی ابن ابی لیلیٰ کے فیصلہ پر نکتہ چینی

محمد بن عبد الرحمن جو زیادہ تر ابن ابی لیلیٰ کے لقب سے مشہور ہین۔ بڑے مشہور فقیہ اور صاحب الراے تھے۔ ۳۳ برس کوفہ مین منصب قضا پر مامور رہے۔ امام ابو حنیفہ اور اُنمین کسیقدر رنجش تھی جسکی وجہ یہ تھی کہ فیصلون مین وہ غلطی کرتے تھے تو امام صاحب اُسکی اصلاح کرنی چاہتے تھے۔ یہ اُنکو ناگوار ہوتا تھا۔ لیکن امام صاحب اظہار حق پر مجبور تھے۔ قاضی صاحب مسجد مین بیٹھکر انفصال مقدمات کیا کرتے تھے۔ ایک دن کام سے فارغ ہوکر مجلس قضا سے اُٹھے۔ راہ مین ایک عورت کو دیکھا کہ کسی سے جھگڑ رہی ہے کھڑے ہوگئے۔ اثناے گفتگو مین عورت نے اُس شخص کو یا ابن الزانیتین کہدیا یعنی "اے زانی اور زانیہ کے بیٹے" قاضی صاحب نے حکم دیا کہ عورت گرفتار کرلیجاے۔ پھر مجلس قضا مین واپس آئے اور حکم دیا کہ عورت کو کھڑی کرکے دُرّے لگائین۔ اور دو حد مارین۔ امام ابو حنیفہ کو اس واقعہ کی اطلاع

ہوئی۔ فرمایا کہ قاضی صاحب نے اس فیصلہ مین چند غلطیان کین۔ مجلسِ قضا سے اُٹھکر واپس آئے اور دوبارہ اجلاس کیا۔ یہ آئینِ عدالت کے خلاف ہے۔ مسجد مین حد مارنیکا حکم دیا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے۔ عورت کو بٹھا کر حد مارنی چاہیے۔ قاضی صاحب نے اسکے خلاف کیا۔ ایک لفظ سے ایک ہی حد لازم آتی ہے۔ اور دو حدین لازم بھی آئین تو ایک ساتھ دونونکا نفاذ نہین ہوسکتا۔ ایک حد کے بعد مجرم کو چھوڑ دینا چاہیئے کہ زخم بالکل بھر جائین پھر دوسری حد کی تعمیل ہوسکتی ہے۔ جسکو گالی دی گئی اُسنے جب دعویٰ نہین کیا تو قاضی صاحب کو مقدمہ قائم کرنے کا کیا اختیار تھا۔" قاضی ابن ابی لیلیٰ نہایت برہم ہوئے اور گورنر کوفہ سے جا کر شکایت کی۔ کہ **ابوحنیفہ** نے مجھکو تنگ کر رکھا ہے۔ گورنر نے حکم بھیجدیا کہ ابوحنیفہ فتویٰ نہ دینے پائین۔ امام صاحب اگرچہ حق کے خلاف کسی حاکم و امیر کے حکم کی پروا نہین کرتے تھے تاہم چونکہ فتویٰ دینا فرض کفایہ تھا اور کوفہ مین اور بہت سے علما موجود تھے۔ اسلیے حاکمِ وقت کی اطاعت کو مقدم رکھا اور بغیر کسی عذر کے حکم کی تعمیل کی۔ ایک دن گھر مین بیٹھے تھے۔ اُن کی لڑکی نے مسئلہ پوچھا کہ "مین آج روزہ سے ہون۔ دانتون سے خون نکلا اور تھوک کے ساتھ گلے سے اُتر گیا۔ روزہ جاتا رہا یا باقی ہے؟" امام صاحب نے فرمایا کہ "جانِ پدر۔ اپنے بھائی حماد سے پوچھ۔ مین فتویٰ دینے سے منع کر دیا گیا ہون" مورخ **ابن خلکان** نے اس روایت کو نقل کرکے لکھا ہے کہ "اطاعت حکم اور امانت کی۔ اس سے بڑھکر کیا مثال ہوسکتی ہے"[1] چند روز کے بعد گورنر کوفہ کو اتفاق یانت

---

[1] ابن خلکان۔ ترجمہ محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ۔

سے فقہی مسائل میں مشکلات پیش آئین اور امام ابو حنیفہ کی طرف رجوع کرنا پڑا جسکی وجہ سے امام صاحب کو پھر فتوی دینے کی عام اجازت حاصل ہو گئی۔

امام صاحب کے مناظرات مین کہین کہین ہم اُس ادعا اور جوشِ مقابلہ کا اثر پاتے ہین جو بظاہر اُنکی تواضع اور بےنفسی کے خلاف ہے۔ لیکن یہ انسانی جذبات ہین جن سے کوئی شخص بری نہین ہو سکتا۔ ہمنے امام شافعی۔ امام مالک۔ امام بخاری۔ امام مسلم۔ اور بڑے بڑے ایمہ کے مناظرات کتابون مین پڑھے ہین۔ اُن مین اس سے زیادہ ادعا اور حوصلہ مندی کا زور پایا جاتا ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ اگر اس قسم کی باتین بزرگون کے حالات مین مذکور نہ ہوتین تو ہمکو شبہہ ہوتا کہ تذکرہ نویسون نے اُن بزرگونکی اصلی تصویر نہین دکھائی ہے بلکہ اپنی خوش اعتقادیون کا خاکہ کھینچا ہے۔ ایک حکیم نے نہایت سچ کہا ہے کہ "کسی نامور یا مقتدا کے حالات لکھو تو اُسکے وہ خصائل بھی ضرور دکھاؤ جن مین انسانی فطرت کی جھلک نظر آتی ہو۔ اِس سے لوگون کو اچھے کامون مین اُن کی تقلید کی خواہش پیدا ہوگی۔ بخلاف اسکے اگر بالکل فرشتہ بنا کر پیش کرو گے تو لوگ شاید اُنکی پرستش کرنے پر آمادہ ہو جائین۔ لیکن اُنکی ریس کرنیکا خیال ہرگز نہ پیدا ہوگا۔ وہ سمجھین گے کہ یہ شخص انسانی دائرہ سے باہر تھا۔ ہم انسان ہو کر کیونکر اُسکی تقلید کر سکتے ہین"۔

ایک دن حسنِ اتفاق سے۔ امام سفیان ثوری۔ قاضی ابن ابی لیلی۔ شریک۔ امام ابو حنیفہ۔ ایک مجلس مین جمع تھے۔ شائقین علم کو اس سے عمدہ کیا موقع مل سکتا تھا۔ ایک شخص نے آکر مسئلہ پوچھا کہ چند آدمی ایک جگہہ مجتمع تھے۔ دفعۃً ایک سانپ نکلا اور

استفتا۔

ایک شخص کے بدن پر چڑھنے لگا۔ اُسنے گھبرا کر پھینکدیا وہ دوسرے شخص پر جا گرا۔ اُسنے بھی اضطراب مین ایسا ہی کیا۔ یون ہی ایک دوسرے پر پھینکتے رہے یہانتک کہ اخیر شخص کو اُسنے کاٹا اور وہ مر گیا۔ دیت کس پر لازم آئے گی۔" یہ فقہ کا ایک دقیق مسئلہ تھا۔ سب کو تامل ہوا۔ کسی نے کہا سب کو دیت دینی ہوگی۔ بعضون نے کہا صرف پہلا شخص ذمہ دار ہوگا۔ سب کے سب مختلف الراے تھے اور باوجود بحث کے کچھ تصفیہ نہین ہوتا تھا امام ابوحنیفہ چپ تھے اور مسکراتے جاتے تھے۔ آخر سب نے ان کی طرف خطاب کیا کہ آپ بھی تو اپنا خیال ظاہر کیجئے۔ امام صاحب نے فرمایا جب پہلے شخص نے دوسرے پر پھینکا اور وہ محفوظ رہا تو پہلا شخص بری الذمہ ہوچکا۔ اسیطرح دوسرا اور تیسرا بھی بحث اگر ہے تو صرف اخیر شخص کی نسبت ہی۔ اسکی دو حالتین ہین۔ اگر اسکے پھینکنے کے ساتھ ہی سانپ نے اُس شخص کو کاٹا تو اسپر دیت لازم آئے گی۔ اور اگر کچھ توقف ہوا تو یہ شخص بھی بری الذمہ ہوچکا۔ اب اگر سانپ نے اسکو کاٹا تو اُسکی خود غفلت ہے کہ اُسنے اپنی حفاظت مین جلدی اور تیزدستی کیون نہ کی۔" اس راے سے سب نے اتفاق کیا۔ اور امام کی جودت طبع کی تحسین کی۔

راے وتدبیر۔ عقل وفراست۔ ذہانت وطباعی۔ امام صاحب کے وہ اوصاف ہین جنکو موافق ومخالف سب نے تسلیم کیا ہے محمد انصاری کہا کرتے تھے کہ "امام ابوحنیفہ کی ایک ایک حرکت یہان تک کہ بات چیت۔ اُٹھنے بیٹھنے۔ چلنے پھرنے مین دانشمندی کا اثر پایا جاتا تھا۔ علی بن عاصم کا قول تھا کہ اگر آدھی دنیا کی عقل ایک پلہ مین اور ابوحنیفہ

راے وتدبیر و ذہانت وطباعی۔

کی عقل دوسرے پلہ میں رکھی جاتی تو ابو حنیفہ کا پلہ بھاری رہتا۔ خارجہ بن مصعب کہا کرتے تھے کہ میں کم وبیش ایک ہزار عالموں سے ملا ہوں۔ جن میں۔ عاقل صرف تین چار شخص دیکھے۔ ایک انمیں ابو حنیفہ تھے۔

ہمارے تذکروں اور رجال کی کتابوں میں علما کے وہ اوصاف جنکا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ تیزی ذہن۔ قوت حافظہ۔ بے نیازی۔ تواضع۔ قناعت زہد۔ اتقا۔ غرض اس قسم کے اوصاف ہوتے ہیں۔ لیکن عقل ورائے۔ فراست و تدبیر کا ذکر تک نہیں آتا۔ گویا۔ یہ باتیں۔ دنیا داروں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اسی بات کو **علامہ ابن خلدون** نے اس پیرایہ میں لکھا ہے کہ "علما کا گروہ انتظام اور ریاست سے بالکل مناسبت نہیں رکھتا" اور یہ بالکل سچ ہے۔ حالانکہ اگر سچ پوچھیے تو علما میں ان اوصاف کی زیادہ ضرورت ہے۔ اسلام بخلاف اور مذہبوں کے۔ دین کے ساتھ دنیوی انتظامات کا بھی متقنن ہے۔ خلفائے اولین کے حالات پڑھو۔ سیاست اور انتظام ملکی کے لحاظ سے تمام دنیا کے سلاطین اور فرمانرواؤں میں کون شخص انکا ہمسر کہا جاسکتا ہے؟ بے شبہہ اس خصوصیت کے اعتبار سے امام ابو حنیفہ۔ تمام فرقہ علما میں ممتاز ہیں کہ وہ مذہبی امور کے ساتھ دنیوی ضرورتوں کے بھی اندازہ دان تھے۔ یہی بات ہے کہ انکا مذہب سلطنت وحکومت کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اسلام میں سلطنت وحکومت کے جو بڑے بڑے سلسلے قائم ہوئے۔ مذہباً اکثر حنفی ہی تھے۔

امام ابو حنیفہ اگر شاہی تعلقات سے آزاد رہے لیکن قوم اور ملک کے ساتھ انکے

جو تعلقات تھے وہ خود ایک ملکی حیثیت رکھتے تھے جسکے فرائض کو انہون نے اس دانائی اور ہوشمندی کے ساتھ انجام دیا جو ایک مدبر سلطنت کے شایان تھا۔ وہ اپنے ہمعصرونکی طرح اپنے تلامذہ کو یہ نہین سکھاتے تھے کہ زندگی کی ضروریات مین امیرون اور رئیسون کی فیاضیون کا مُنہ تکتے رہین۔ وہ خود کسی کے دست نگر نہین ہوئے۔ اور شاگردونکو بھی اسی کی تعلیم کی۔ ہم نے اُنکے شاگردون کی مفصل فہرست دیکھی ہے۔ اُنمین اکثر ایسے لوگ ہین جو حلقۂ درس سے اُٹھکر۔ ملکی عہدون پر پہنچے اور نہایت قابلیت و دیانت سے اپنی خدمتون کو انجام دیا۔ قاضی ابو یوسف صاحب جو ہرون رشید کے عہد مین صیغہ قضا کے وزیر تھے اور جنکی حسن تدبیر و انتظام نے اس صیغہ کو اس قدر وسیع۔ باقاعدہ مرتب کر دیا کہ اُس سے پہلے کبھی نہین ہوا تھا۔ اور زمانہ مابعد مین بھی اُس سے بڑھکر نہو سکا۔ یہ امام ابوحنیفہ ہی کی صحبت کا فیض تھا۔

یہ ضرور ہے کہ ملکی تعلقات کے ساتھ مذہب اور اخلاق کے فرائض کو سنبھالنا نہایت مشکل ہوتا ہے۔ لیکن امام صاحب اس سے بیخبر نہ تھے۔ وہ شاگردونکو ہمیشہ ایسی ہدایتین کرتے تھے جنکی پابندی سے دُنیا و دین دونون حاصل ہون جو اس آیت کی تفسیر ہے۔ آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة قاضی ابو یوسف کو امام صاحب کی زندگی مین اگرچہ دربار سے کوئی تعلق نہین پیدا ہوا تھا۔ تاہم اُنکی قابلیت اور امام صاحب کی تعلیم نے جو لیاقت اُنمین پیدا کر دی تھی اوسکے جوہر صاف نظر آتے تھے۔ اسی لحاظ سے امام صاحب نے اُنکو کچھ ہدایتین لکھکر دین۔ جو تمام مہمات دینی اور دنیوی کے لیے دستور العمل

تھین۔ یہ تحریر[1] کتابون مین منقول ہے۔ افسوس ہو کہ تطویل کے لحاظ سے ہم اسکو بتمامہا نہین نقل کر سکتے تاہم موقع اور مقام کی رعایت سے اُسکا انتخاب دکھانا ضرور ہو۔

قاضی ابو یوسف کے لیے جو ہدایت نامہ لکھا تھا اُسکے بعض مقامات

اس تحریر مین پہلے سلطانِ وقت کے تعلقات کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہین کہ "بادشاہ کے پاس بہت کم آمد و رفت رکھنا۔ اُس سے ہر وقت اس طرح پُرخطر رہنا جیسا انسان آگ سے احتیاط رکھتا ہے۔ جب تک کوئی خاص ضرورت نہو دربار مین نہ جانا کہ اپنا اعزاز اور وقار قائم رہے۔ اگر اتفاق سے دربار مین ایسے لوگ موجود ہون جنسے تمکو واقفیت ہو تو اور بھی پرہیز کرنا کیونکہ جب اُنکا رتبہ معلوم نہین تو ممکن ہے کہ مخاطبت اور گفتگو مین اُن سے جو برتاؤ کیا جاوے اُن کی شان کے مناسب نہو۔ وہ اگر تم سے زیادہ بلند رتبہ ہین اور تمنے اسکا لحاظ نہین کیا تو بے تمیزی سمجھی جاے گی۔ اگر معمولی آدمی ہین اور تم نے زیادہ تعظیم و تکریم کی تو بادشاہ کی آنکھ مین تمھاری ذلت ہوگی۔ بادشاہ اگر تمکو عہدہ قضا پر مقرر کرنا چاہے تو پہلے دریافت کر لینا کہ وہ تمھارے طریقۂ اجتہاد سے موافق ہے یا نہین۔ ایسا نہو کہ سلطنت کے دباؤ سے تمکو اپنی راے کے خلاف عمل کرنا پڑے۔ جس عہدہ اور خدمت کی تم مین قابلیت نہو اُسکو ہرگز نہ قبول کرنا"

اِن ہدایتون مین اگرچہ بادشاہ کی حرمت و توقیر کی بہت تاکید کی ہے لیکن اظہارِ حق کے موقع پر پوری آزادی سے کام لیا ہے۔ چنانچہ اخیر مین لکھتے ہین کہ "اگر کوئی شخص شریعت مین کسی بدعت کا موجد ہو تو علانیہ اُسکی غلطی کا اظہار کرنا۔ کہ اور لوگون کو اُسکی تقلید کی جرأت نہو

[1] اشباہ والنظایر کے اخیر مین یہ وصیت بتمامہا مذکور ہے اور مین نے اُسی سے التقاط کیا ہے۔ ۱۲

اس بات کی کچھ پروانہ کرنا کہ وہ شخص جاہ وحکومت رکھتا ہے۔ کیونکہ اظہار حق مین خدا تمھارا مددگار ہوگا۔ اور وہ اپنے دین کا آپ محافظ وحامی ہے۔ خود بادشاہ سے اگر کوئی نامناسب حرکت صادر ہو تو صاف کہدینا کہ۔ گو مین عہدہ وخدمت کے لحاظ سے آپ کا مطیع ہون تاہم آپ کو آپکی غلطی پر مطلع کردینا میرا فرض ہے۔ پھر بھی نہ مانے تو تنہائی مین سمجھانا کہ آپ کا یہ فعل قرآن مجید اور احادیث نبویؐ کے خلاف ہے۔ اگر سمجھ گیا تو خیر ورنہ خدا سے دعا کرنا کہ اسکی شر سے تمکو محفوظ رکھے "

زندگی کے معمولی کاروبار کے متعلق بھی نہایت عمدہ ہدایتین کین ہین چنانچہ تحریر فرماتے ہین کہ "تحصیل علم کو سب پر مقدم رکھنا اس سے فراغت ہوچکے تو جائز ذریعون سے دولت حاصل کرنا کیونکہ ایک وقت علم و دولت دونون کی تحصیل نہین ہوسکتی۔ پھر نکاح کرنا لیکن اُسوقت جب یہ یقین ہو کہ اہل وعیال کی تمام ذمہ داریان اٹھا سکوگے۔ ایسی عورت سے شادی نکرنا جو دوسرے شوہر سے اولاد رکھتی ہو۔ عام آدمیون اور خصوصاً دولتمندون سے کم میل جول رکھنا ورنہ انکو گمان ہوگا کہ تم ان سے کچھ توقع رکھتے ہو اور اس خیال سے وہ رشوت دینے پر آمادہ ہونگے۔ بازار مین جانا۔ دوکانون پر بیٹھنا۔ راستہ یا مسجد مین کوئی چیز کھالینے سقایات۔ یا سقاؤن کے ہاتھ سے پانی پی لینا۔ ان باتون سے نہایت احتراز ہے۔ کوئی شخص مسئلہ پوچھے تو صرف سوال کا جواب دو۔ اپنی طرف سے کچھ نہ بڑہاؤ۔ عقائد کے متعلق عوام سے گفتگو نہین کرنی چاہیئے۔ شاگردون کے ساتھ ایسے خلوص اور محبت سے پیش آؤ کہ کوئی غیر دیکھے تو سمجھے کہ تمھاری اولاد ہین۔ عام اور معمولی درجے کے لوگ مناظرہ کرنا چاہین تو

احتراز کرو۔ کسی شہر مین جانا ہو تو وہان کے علما و فضلا سے اسطرح ملو کہ انکو رقابت کا خیال نہو۔ علمی تذکرہ آئے تو جو بات کہو خوب سوچ سمجھ کر کہو اور وہی کہو جسکا کافی ثبوت دے سکتے ہو۔ مناظرہ کے وقت نہایت جرأت و استقلال سے کام لو۔ ورنہ دل مین ذرا بھی خوف ہوگا تو خیالات مجتمع نرہ سکینگے۔ اور زبان مین لغزش ہوگی۔ جو لوگ داب مناظرہ سے واقف نہین یا مکابرہ کرنا چاہتے ہین اُن سے ہرگز گفتگو نہین کرنی چاہیئے مناظرہ کے وقت غُصّہ نکرنا چاہیے۔ ہنسنا کم چاہیئے۔ زیادہ ہنسی سے دل فسردہ ہوتا ہے۔ جو کام کرو اطمینان اور وقار کے ساتھ کرو۔ کوئی شخص جب تک سامنے سے نہ پکُارے کبھی جواب ندو۔ کیونکہ پیچھے سے پکارنا جانورون کے لیے مخصوص ہے۔ رستہ چلو تو داہنے بائین نہ دیکھو۔

حمام مین جاؤ۔ تو عام آدمیون کی بہ نسبت زیادہ اُجرت دو۔ صبح اور دوپہر کے وقت حمام مین نہ جاؤ۔ گفتگو مین سختی نہو اور آواز بلند نہونے پائے کوئی چیز خریدنی ہو تو خود بازار نہ جاؤ بلکہ نوکر کو بھیجکر منگوالو۔ خانگی کاروبار۔ دیانت دار نوکرونکے ہاتھ مین چھوڑ دینا چاہیئے۔ کہ تمکو اپنے مشاغل کے لیے کافی وقت اور فرصت ہاتھ آئے۔ بادشاہ کے قریب سکونت نہ اختیار کرو جو ہر بات سے۔ بے پروائی اور بے نیازی ظاہر ہو۔ اور فقر کی حالت مین بھی وہی استغنا قائم رہے۔ عام آدمیون مین بیٹھکر وعظ نہ کہو۔ کیونکہ ایسے موقع پر واعظ اکثر جھوٹ بولنے پر مجبور ہوتا ہے۔ شاگرد جنمین کسیکو فقہ کے درس کی اجازت دو تو خود بھی اسکی درسگاہ مین شریک ہو کہ اسکے متعلق رائے قائم کر سکو۔ وہ اگر کبھی غلطی کر جائے تو بتا دو ورنہ تمھارے چپ رہنے سے لوگونکو گمان ہوگا کہ اُسنے جو کہا صحیح کہا۔ فقہ کے سوا اور علوم کی مجلس ہو تو خود نجاؤ بلکہ اپنے

معتمد دوستون یا شاگردونکو بھیجدو کہ وہ آکر تم سے پورے حالات بیان کرین"۔

"ہر بات مین تقوی اور امانت کو پیش نظر رکھو۔ خدا کے ساتھ دل سے وہی معاملہ رکھو جو لوگون کے سامنے ظاہر کرتے ہو۔ جسوقت اذان کی آواز آئے فوراً نماز کے لیے طیار ہوجاؤ۔ ہر مہینہ مین دو دو چار دن روزہ کے لیے مقرر کرلو۔ نماز کے بعد ہر روز کسیقدر وظیفہ پڑھا کرو۔ قرآن کی تلاوت قضا نہونے پائے۔ دنیا پر بہت نہ مائل ہو۔ اکثر قبرستان مین نکل جایا کرو۔ لہو ولعب سے پرہیز رکھو۔ ہمسایہ کی کوئی برائی دیکھو تو پردہ پوشی کرو۔ اہل بدعت سے بچتے رہو۔ نماز مین جب تک تمکو لوگ خود امام نہ بنائین امام نہ بنو۔ جو لوگ تم سے ملنے آئین اُن کے سامنے علمی تذکرہ کرو۔ اگر وہ اہل علم ہونگے تو فائدہ اُٹھائینگے ورنہ کم از کم اُن کو تم سے محبت پیدا ہوگی"۔

عبد العزیز بن رواد کو خلیفہ نے دربار مین بلایا۔ وہ امام صاحب کے شاگرد تھے۔ مشورہ کے لیے اُنکے پاس آئے اور کہا کہ "خلیفہ نے طلب کیا ہے۔ مین چاہتا ہون کہ اوسکے سامنے وعظ کہون۔ مگر کیا کہون اور کس طریقے سے کہون۔ اس مین آپ کی ہدایت چاہتا ہون"۔ امام صاحب نے فرمایا۔ یہ کہنا کہ "اے امیر المومنین دنیا کے طلب کرنے کی تین غرضین ہوسکتی ہین۔ عزت۔ ملک۔ مال۔ یہ سب آپکو حاصل ہین۔ اب تقوی اور عمل صالح بھی اختیار کیجیے کہ دنیا و آخرت دونون دولتین حاصل ہون۔

اس موقع پر امام صاحب کے حکیمانہ مقولے بھی سننے اور یاد رکھنے کے قابل ہین۔ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص کو علم نے بھی معاصی اور فواحش سے نہ باز رکھا اُس سے زیادہ

حکیمانہ مقولے

زبان کا رکون ہوگا،، "جو شخص علم دین مین گفتگو کرے اور اُسکو یہ خیال نہو کہ ان باتونکی باز پرس ہوگی وہ مذہب اور خود اپنے نفس کی قدر نہین جانتا"۔ "اگر علماء خدا کے دوست نہین ہین تو عالم مین خدا کا کوئی دوست نہین"، "جو شخص قبل از وقت۔ ریاست کی تمنا کرتا ہے ذلیل ہوتا ہے"۔ "جو شخص علم کو دنیا کے لیے سیکھتا ہو۔ علم اوسکے دل مین جگہہ نہین پکڑتا"، "سب سے بڑی عبادت ایمان اور سب سے بڑا گناہ کفر ہے پس جو شخص افضل ترین عبادت کا پابند اور بدترین معاصی سے محترز ہے۔ اُسکی مغفرت کی بہرحال امید کیجا سکتی ہے"، "جو شخص حدیث سیکھتا ہے اور اُس سے استنباط مسائل نہین کرتا وہ ایک عطار ہی جسکے پاس دوائین ہین لیکن یہ نہین جانتا کہ کون کس مرض کے لیے ہے"، "جو شخص علم کا مذاق نہین رکھتا اُسکے آگے علمی گفتگو کرنی اوسکو اذیت دینی ہے"، "اپنے دوست (نفس) کے لیے گناہ جمع کرنے اور دشمن (ورثا) کے لیے مال فراہم کرنا کیسی غلطی ہے"۔

ایک شخص نے پوچھا فقہ کے حاصل ہونے مین کیا چیز معین ہوسکتی ہے۔ امام صاحب نے فرمایا "دلجمعی"۔ اُسنے عرض کی کہ دلجمعی کیونکر حاصل ہو۔ ارشاد ہوا کہ "تعلقات کم کیے جائین"۔ پوچھا کہ تعلقات کیونکر کم ہون۔ جواب دیا کہ انسان ضروری چیزین لیلے اور غیر ضروری چھوڑدے۔

ایکبار کسی نے سوال کیا کہ حضرت علی اور امیر معاویہ کی لڑائیون کے متعلق آپ کیا کہتے ہین۔ فرمایا کہ "قیامت مین جن باتون کی پرسش ہوگی مجھکو ان کا ڈر لگا رہتا ہے۔ ان واقعات کو خدا مجھسے نہ پوچھے گا۔ اس لیے اُسپر توجہ کرنے کی چندان ضرورت نہین"۔

اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ وہ اس بحث کے متعلق اپنی ذاتی راے نہین رکھتے تھے۔

خود اُن کا قول ہے کہ حضرت علیؓ کی نظیر اگر ہمارے سامنے موجود نہوتی تو ہم نہ بتا سکتے کہ باغیون کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیئے۔ امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ البتہ ان باتون کو اسلام کا ایک ضروری مسئلہ قرار دینا اور اُسپر بحثون کا دفتر طیار کرنا ایک فضول کام ہے۔ اور اسی کی طرف امام صاحب نے اشارہ کیا ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص تحصیل علم کی غرض سے امام صاحب کے پاس حاضر ہوا اور سفارشی خط پیش کیا۔ امام صاحب نے فرمایا "علم مین سعی وسفارش کا کام نہین۔ علما کا خود فرض ہے کہ انکو جو کچھ آتا ہو دوسرون کو بھی بتائین۔ علم کے دربار مین خاص وعام کی کوئی تفریق نہین" ایک دن گورنر کوفہ نے کہا آپ ہم سے کیون الگ رہتے ہین۔ فرمایا "روٹی کا ایک ٹکڑا اور معمولی کپڑا امن وعافیت سے ملے جائے تو اُس عیش سے بہتر ہے جسکے بعد ندامت اٹھانی پڑے۔" اسی مضمون کو ایک شاعر نے نہایت خوبی اور سادگی سے ادا کیا ہے وہ کہتا ہے۔

دو قرص نان اگر از گندم است یا از جو — دوتاے جامہ اگر کہنہ است یا خود نو
بچار گوشۂ دیوار خود بخاطر جمع — کہ کس نگوید ازین جا بخیز و آنجا رو
ہزار بار فزون تر بہ نزد ابن یمین — ز فر مملکت کیقباد و کیخسرو

امام صاحب کے بعض اشعار

امام صاحب کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ لیکن تشبیب وغزل کی حیثیت سے نہین بلکہ وعظ وپند کے طور پر۔ چنانچہ فرماتے ہین۔

ومن المروۃ للفتی ما عاش دار فاخرۃ فاشکر اذا اوتیتھا واعمل لدار الآخرۃ

یعنی انسان جب تک زندہ ہے عزت و آبرو کے لیے اسکو ایک اچھا مکان چاہیئے۔ ایسا مکان نصیب ہو تو شکر کرنا چاہیئے اور عاقبت کے مکان کے لیے کوشش کرنی چاہیئے۔

امام صاحب کی ذہانت اور طباعی عموماً ضرب المثل ہے۔ یہانتک کہ اُنکا اجمالی ذکر بھی کہین آجاتا ہے تو ساتھ ہی یہ صفت بھی ضرور بیان کیجاتی ہے۔ علامۂ ذہبی نے علبر فی اخبار من غبر مین اُنکا ترجمہ نہایت اختصار کے ساتھ لکھا ہے تاہم اس فقرہ کو نچھوڑ سکے

ذہانت و طباعی

کہ۔ کان من اذکیاء بنی آدم یعنی "اولاد آدم مین جو نہایت ذکی گزرے ہین امام ابوحنیفہ انمین شمار کیے جاتے ہین"۔ مشکل سے مشکل مسئلو نمین اُن کا ذہن اس تیزی سے لڑتا تھا کہ لوگ حیران رہجاتے تھے۔ اکثر موقعون پر اُن کے ہمعصر جو معلومات کے لحاظ سے اُنکے ہمسر تھے موجود ہوتے تھے۔ اُنکو اصل مسئلہ بھی معلوم ہوتا تھا لیکن جو واقعہ درپیش ہوتا تھا اُس سے مطابق کر کے فوراً جواب بتا دینا امام صاحب ہی کا کام تھا۔

ایک شخص کسی بات پر اپنی بیوی سے ناراض ہوا اور قسم کھا کر کہا کہ "جب تک تو مجھ سے نہ بولیگی مین تجھ سے کبھی نہ بولونگا"۔ عورت تندمزاج تھی اُسنے بھی قسم کھالی اور وہی الفاظ دوہرائے جو شوہر نے کہے تھے۔ اُسوقت تو غصہ مین کچھ نہ سوجھا مگر پھر خیال آیا تو دونون کو نہایت افسوس ہوا۔ شوہر۔ امام سفیان ثوری کے پاس گیا اور صورت واقعہ بیان کی۔ سفیان نے کہا "قسم کا کفارہ دینا ہوگا۔ اس سے چارہ نہین"۔ وہ مایوس ہو کر اُٹھا اور امام ابوحنیفہ کی خدمت مین حاضر ہوا کہ اللہ آپ کوئی تدبیر بتائیے۔ امام صاحب نے فرمایا جاؤ شوق سے باتین کرو۔ کسی پر کفارہ نہین ہے۔ امام سفیان ثوری کو معلوم ہوا تو نہایت برہم ہوئے اور امام ابوحنیفہ

سے جاکر کہا کہ آپ لوگون کو غلط مسئلے بتادیا کرتے ہین۔ امام صاحب نے اُس شخص کو بلا بھیجا اور کہا کہ تم دوبارہ واقعہ کی صورت بیان کرجاؤ۔ اُس نے اعادہ کیا امام صاحب۔ سفیان کی طرف مخاطب ہوئے۔ اور کہا کہ مین نے پہلے جو کہا تھا اب بھی کہتا ہون۔ سفیان نے کہا کیون؟ فرمایا کہ جب عورت نے شوہر کو مخاطب کرکے وہ الفاظ کہے تو عورت کی طرف سے بولنے کی ابتدا ہوچکی۔ پھر قسم کہان باقی رہی۔ سفیان نے کہا حقیقت مین آپ کو جو بات وقت پر سوجھ جاتی ہے۔ ہم لوگون کا وہان تک خیال بھی نہین پہنچتا۔

کوفہ مین ایک شخص نے بڑی دھوم دھام سے۔ ایک ساتھ اپنے دو بیٹیون کی شادی کی۔ ولیمہ کی دعوت مین شہر کے تمام اعیان واکابر کو مدعو کیا۔ مسعر بن کدام۔ حسن بن صالح۔ سفیان ثوری۔ امام ابوحنیفہ شریک دعوت تھے۔ لوگ بیٹھے کھانا کھارہے تھے کہ دفعۃً صاحب خانہ بدحواس گھر سے نکلا اور کہا غضب ہوگیا! لوگون نے کہا خیر ہے؟ بولا کہ زفاف کی رات عورتون کی غلطی سے شوہر اور بیبیان بدل گئین۔ جو لڑکی جسکے پاس رہی وہ اُسکا شوہر نہ تھا۔ اب کیا کیا جاوے۔ سفیان نے کہا امیر معاویہ کے زمانہ مین بھی ایسا ہی اتفاق ہوا تھا۔ اِس سے نکاح مین کچھ فرق نہین آتا۔ البتہ دونون کو مہر دینا لازم ہوگا۔ مسعر بن کدام امام ابوحنیفہ کی طرف مخاطب ہوئے کہ آپ کی کیا راے ہے۔ امام صاحب نے کہا شوہر خود میرے سامنے آئین تو جواب دون۔ لوگ جاکر بلالائے۔ امام صاحب نے دونون سے الگ الگ پوچھا کہ۔ رات جو عورت تمہارے ساتھ رہی وہی تمہارے نکاح مین رہے تو تمکو پسند

سلہ اِس واقعہ کو امام رازی نے تفسیر کبیر مین نقل کیا ہے۔

ہے دونون نے کہا "ہان"۔ امام صاحب نے کہا تو اپنی بیبیونکو جنسے تمہارا نکاح بندہا تھا طلاق دیدو۔ اور ہر شخص اُس عورت سے نکاح پڑہالے جو اُسکے ساتھ ہم بستر رہچکی۔

سفیان نے جو جواب دیا اگرچہ فقہ کی رو سے وہ بھی صحیح تھا کیونکہ یہ صورت وطی بالشبہہ کی ہے جس سے نکاح نہین ٹوٹتا۔ لیکن امام صاحب نے مصلحت کو پیش نظر رکھا وہ جانتے تھے کہ موجودہ صورت مین نکاح کا قائم رہنا غیرت و حمیت کے خلاف ہوگا۔ کسی مجبوری سے زوجین نے تسلیم بھی کر لیا تو دونون مین وہ خلوص و اتحاد نہ پیدا ہوگا جو تزویج کا مقصود اصلی ہے۔ اسکے ساتھ مہر کی بھی تخفیف ہے کیونکہ خلوتِ صحیحہ سے پہلے طلاق دیجاے تو صرف آدھا مہر لازم آتا ہے۔

لیث بن سعد جو مصر کے مشہور امام تھے اُن کا بیان ہے کہ مین ابو حنیفہ کا ذکر اکثر سُنا کرتا تھا اور اُنکے دیکھنے کا نہایت مشتاق تھا۔ حج کی تقریب سے مکہ معظمہ جانا ہوا۔ اتفاق سے ایک مجلس مین پہنچا۔ دیکھا تو بڑا ہجوم ہے۔ ایک شخص صدر کی جانب بیٹھا ہی اور لوگ اُس سے مسئلے پوچھ رہے ہین۔ ایک شخص نے بڑھکر کہا "یا اباحنیفۃ" (یہ پہلا موقع تھا کہ مین نے انکو پہچانا) امام ابو حنیفہ۔ اُسکی طرف متوجہ ہوئے۔ اُسنے کہا "میرا ایک بدمزاج بیٹا ہے۔ اُسکی شادی کر دیتا ہون تو بیوی کو طلاق دیدیتا ہے۔ لونڈی خرید دیتا ہون تو آزاد کر دیتا ہے۔ فرمایئے کیا تدبیر کرون"۔ امام ابو حنیفہ نے برجستہ کہا کہ "تم اُسکو ساتھ لیکر بازار مین جہان لونڈیان بکتی ہین جاؤ اور جو لونڈی اُسکو پسند آئے خرید کر اُسکا نکاح پڑہا دو۔ اب اگر وہ آزاد کرے گا تو نہین کر سکتا کیونکہ لونڈی اُسکی ملک نہین طلاق

دیگا تو تمہارا کچھ نقصان نہین - تمہاری لونڈی کہین نہین گئی " سعد کہتے ہین کہ مجھکو جواب پر کو کم - لیکن اونکی حاضر جوابی پر بہت تعجب ہوا -

ربیع جو خلیفہ منصور کا عرض بیگی تھا - امام ابوحنیفہ سے عداوت رکھتا تھا - ایک دن امام صاحب حسب الطلب دربار مین گئے - ربیع بھی حاضر تھا منصور سے کہا کہ "حضور! یہ شخص امیر المومنین کے جد بزرگوار (عبداللہ بن عباس) کی مخالفت کرتا ہے - انکا قول ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بات پر قسم کھائے اور دو ایک روز کے بعد انشاءاللہ کہہ لے تو وہ قسم مین داخل سمجھا جائے گا اور قسم کا پورا کرنا کچھ ضرور نہوگا - ابوحنیفہ اسکے خلاف فتویٰ دیتے ہین - اور کہتے ہین کہ انشاءاللہ کا لفظ قسم کے ساتھ ہو تو البتہ جزو قسم سمجھا جائیگا - ورنہ لغو اور بے اثر ہے " امام صاحب نے کہا امیر المومنین! ربیع کا خیال ہے کہ لوگون پر آپکی بیعت کا کچھ اثر نہین - منصور نے کہا - یہ کیونکر؟ امام صاحب نے کہا " انکا گمان ہے کہ جو لوگ دربار مین آپکے ہاتھ پر بیعت خلافت کرتے ہین اور قسم کھاتے ہین - گھر پر جاکر " انشاءاللہ کہہ لیا کرتے ہین جس سے قسم بے اثر ہوجاتی ہے - اور اُن پر شرعاً کچھ مواخذہ نہین رہتا - منصور ہنس پڑا اور ربیع سے کہا کہ تم ابوحنیفہ کو نہ چھیڑو - ان پر تمہارا داؤ نہین چل سکتا" امام صاحب دربار سے نکلے تو ربیع نے کہا - آج تو آپ میری جان ہی لے چکے تھے - فرمایا کہ " یہ تو تمہارا ارادہ تھا مین نے صرف مدافعت کی "

ایک دفعہ بہت سے خارجی - امام صاحب کے گھر پر چڑھ آئے اور کہا کہ کفر سے توبہ کرو - امام نے کہا " ہان مین تمہارے کفر سے توبہ کرتا ہون " خارجیون کا اعتقاد ہے کہ گناہ کرنے

سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ یعنی گناہ اور کفر ایک چیز ہے۔ امام صاحب کا مطلب یہ تھا کہ جس چیز کو تم کفر سمجھتے ہو مین اُس سے توبہ کرتا ہون۔ کسی نے اُن (خارجیون) سے جا لگایا کہ ابو حنیفہ۔ نے تم لوگون کو دھوکہ دیا اُن کا مطلب اور تھا۔ خارجیون۔ نے امام صاحب کو پکڑا کہ تمنے تاویل کیون کی۔ امام نے کہا۔ تمکو یقین ہے یا محض گمان کی بنا پر میری نسبت ایسا خیال کرتے ہو۔ بولے کہ "نہین۔ گمان ہی گمان ہے"۔ امام نے کہا تو تمکو خود توبہ کرنی چاہیئے کیونکہ خدا فرماتا ہے۔ ان بعض الظن اثم۔

ایک دن مسجد مین تشریف رکھتے تھے شاگردون کا مجمع تھا۔ دفعۃً خارجیون کا ایک گروہ مسجد مین گھس آیا لوگ بھاگ چلے۔ امام صاحب نے روکا اور تسلی دی کہ ڈرو نہین۔ اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ ایک خارجی جو سب کا سردار تھا امام صاحب کے پاس آیا اور کہا کہ تم کون لوگ ہو۔ امام صاحب نے فرمایا "مستجیر ہین اور خدا نے فرمایا ہے کہ وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ ثم ابلغہ مامنہ یعنی "مشرکین مین سے کوئی شخص اگر پناہ چاہے تو اُسے پناہ دو تاکہ وہ خدا کا کلام سُنے پھر اُسکو اُسکے امن تک پہنچا دو۔ خارجی اپنے سوا مسلمانون کے تمام فرقون کو مشرک اور کافر سمجھتے ہین۔ اور واجب القتل جانتے ہین۔ اس موقع پر وہ اسی نیت سے آئے تھے کہ امام ابو حنیفہ۔ اپنا عقیدہ بیان کرین تو کفر کا الزام لگا کر اُنکو قتل کر دین۔ لیکن امام صاحب کے الزامی جواب نے اُنکو بالکل مجبور کر دیا چنانچہ اُنکے سردار نے ساتھیون سے کہا کہ "انکو قرآن پڑھکر سُناؤ اور انکو انکے گھر پہنچا آؤ۔

ابو العباس۔ جو منصور کے دربار مین ایک معزز درجہ رکھتا تھا۔ امام صاحب کا دشمن تھا

اور ہمیشہ انکو ضرر پہنچانے کی فکر مین رہتا تھا۔ ایک دن امام صاحب کسی ضرورت سے دربار مین گئے۔ اتفاق سے ابو العباس بھی حاضر تھا۔ لوگون سے کہا آج ابو حنیفہ میرے ہاتھ سے بچ نہین جا سکتے۔ امام صاحب کی طرف مخاطب ہوا اور کہا کہ ابو حنیفہ! امیر المؤمنین کبھی کبھی ہم لوگون کو بلا کر حکم دیتے ہین کہ اس شخص کی گردن ماردو۔ ہمکو مطلق معلوم نہین ہوتا کہ وہ شخص واقعی مجرم ہے یا نہین۔ ایسی حالت مین ہمکو اس حکم کی تعمیل کرنی چاہیئے یا انکار کرنا چاہیئے۔ امام صاحب نے کہا "تمہارے نزدیک خلیفہ کے احکام حق ہوتے ہین یا باطل" منصور کے سامنے کسکی تاب تھی کہ احکام خلافت کی نسبت ناجائز ہونے کا احتمال ظاہر کرسکتا۔ ابو العباس کو مجبوراً کہنا پڑا کہ حق ہوتے ہین۔ امام صاحب نے فرمایا پھر حق کی تعمیل مین پوچھنا کیا؟

ایک شخص نے قسم کھائی کہ آج اگر مین غسل جنابت کرون تو میری بیوی کو تین طلاق ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد کہا کہ آج کی کوئی نماز قضا ہو تو میری زوجہ مطلقہ ہے۔ پھر کہا کہ اگر آج مین اپنی بیوی کے ساتھ صحبت نکرون تو اسکو طلاق ہے" لوگون نے امام صاحب سے یہ مسئلہ پوچھا فرمایا کہ نماز عصر پڑھکر بیوی سے ہم صحبت ہو۔ اور غروب کے بعد غسل کرکے فوراً مغرب کی نماز پڑھ لے۔ اس صورت مین سب شرطین پوری ہوگئین۔ بیوی سے ہم صحبت بھی ہوا۔ نماز بھی قضا نہین کی۔ غسل جنابت کیا تو اسوقت کہ دن گذر چکا تھا۔

ایک دفعہ ایک شخص امام صاحب کے پاس آیا اور کہا کہ "مینے کچھ روپئے ایک جگہہ احتیاط سے رکھدیئے تھے۔ اب یاد نہین آتا کہ کہان رکھے تھے۔ مجھکو سخت ضرورت درپیش ہے۔ کوئی تدبیر بتائیے" امام نے فرمایا۔ بھائی! یہ مسئلہ تو فقہ مین کہین مذکور نہین۔ مجھ سے کیا

پوچھنے آئے ہوئے" اُسنے زیادہ لجاجت کی تو کہا کہ "آج ساری رات نماز پڑہو" اُسنے جاکر نماز پڑہنی شروع کی۔ اتفاق یہ کہ تھوڑی ہی دیر کے بعد اُسکو یاد آگیا کہ روپیے فلان جگہہ رکھے تھے۔ دوڑا ہوا امام صاحب کے پاس آیا۔ اور عرض کی کہ آپ کی تدبیر راست آئی۔ فرمایا کہ "ہان۔ شیطان کب گوارا کرتا کہ تم رات بھر نماز پڑہتے رہو۔ اسلیے اُسنے جلد یاد دلا دیا۔ تاہم تمکو مناسب تھا کہ اسکے شکریہ مین شب بیداری کرتے اور نمازین پڑہتے"۔

ایک دن اور ایک شخص نے آکر کہا کہ "مین نے کچھ اسباب گھر کے کسی کونے مین گاڑ دیا تھا۔ اب یاد نہین آتا کہ کہان گاڑا تھا۔ کیا کرون"۔ امام صاحب نے کہا "تمکو یاد نہین تو مجھکو اور بھی نہ یاد ہونا چاہیے"۔ وہ رونے لگا۔ امام صاحب کو رحم آیا۔ چند شاگرد ساتھ لیے۔ اور اُسکے گھر پر گئے۔ شاگردون سے کہا کہ "اگر یہ تمہارا گھر ہوتا اور تم حفاظت کے لیے کوئی چیز چھپا کر رکھتے تو کہان رکھتے"۔ سب نے اپنے اپنے قیاس سے مختلف موقعے بتائے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ "انہین تین چار جگہون مین سے کہین نہ کہین گاڑا ہوگا"۔ اُنکے کھدوانیکا حکم دیا۔ خدا کی شان۔ تیسری جگہہ کھودی تو اسباب بجنسہ مدفون ملا۔

امام صاحب۔ اگرچہ نہایت ثقہ متین باوقار۔ تھے تاہم ذہانت کی شوخیان کبھی کبھی ظرافت کا رنگ دکھاتی تھین۔ ایک دن اصلاح بنوا رہے تھے۔ حجام سے کہا کہ سفید بالون کو چن لینا"۔ اُسنے عرض کی کہ جو بال چُنے جاتے ہین اور زیادہ نکلتے ہین۔ امام صاحب نے کہا "یہ قاعدہ ہے۔ تو سیاہ بالون کو چن لو کہ اور زیادہ نکلین"!! قاضی شریک نے یہ حکایت سُنی تو کہا کہ "ابوحنیفہ نے حجام کے ساتھ بھی قیاس کو نہ چھوڑا"۔ ظرافت

امام صاحب کے محلہ مین ایک پنہارا رہتا تھا۔ جو نہایت متعصب شیعہ تھا۔ اُسکے پاس دو خچر تھے۔ تعصب سے ایک کا ابوبکر۔ اور دوسرے کا عمر نام رکھا۔ اتفاق سے ایک خچر نے لات ماری کہ اُسکا سر پھٹ گیا اور اسی صدمہ سے مرگیا۔ محلہ مین اسکا چرچا ہوا۔ امام صاحب نے سُنا تو کہا۔ دیکھنا! اُسی خچر نے مارا ہوگا جسکا نام اُسنے عمر رکھا تھا۔ لوگون نے دریافت کیا تو واقعی ایسا ہی ہوا تھا۔

کوفہ مین ایک غالی شیعہ تھا۔ جو حضرت عثمان کی نسبت کہا کرتا تھا کہ یہودی تھے۔ امام صاحب ایک دن اُسکے پاس گئے۔ اور کہا کہ تم اپنی بیٹی کی نسبت ڈھونڈھتے تھے۔ ایک شخص موجود ہے جو شریف بھی ہے۔ دولتمند بھی ہے۔ اسکے ساتھ پرہیزگار۔ قائم اللیل۔ حافظ قرآن ہے۔" شیعہ نے کہا۔ تو اُس سے بڑھکر کون ملیگا۔ آپ ضرور شادی ٹھہرا دیجیے۔ امام صاحب نے کہا "صرف اتنی بات ہے کہ مذہباً یہودی ہے۔" وہ نہایت برہم ہوا اور کہا "سبحان اللہ آپ یہودی۔ سے رشتہ داری کرنیکی راے دیتے ہین۔ امام صاحب نے فرمایا" کیا ہوا۔ خود پیغمبر خدا نے جب یہودی کو (تمہارے اعتقاد کے موافق) داماد بنایا تو تمکو کیا عذر ہے۔" خدا کی قدرت۔ اتنی بات سے اُسکو تنبیہ ہوگئی اور اپنے عقیدہ سے توبہ کی +

تمّت بالخیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حصۂ دوم

امام صاحب کی تصنیفات

امام صاحب کی طرف جو کتابین منسوب ہین اُنکے یہ نام ہین۔ فقہ اکبر۔ العالم والمتعلم۔ مسند

فقہ اکبر فقہ اکبر۔ عقائد کا ایک مختصر سا رسالہ ہے۔ مسائل اور ترتیب قریب قریب وہی ہی جو عقائد نسفی۔ وغیرہ کی ہے۔ یہ رسالہ چھپ گیا ہے۔ اور ہر جگہ مل سکتا ہی۔ لوگون نے اُسپر شرحین بھی لکھی ہین۔ مثلاً محی الدین محمد بن بہار الدین المتوفی ۹۵۳ھ۔ مولی الیاس بن ابراہیم السینوبی۔ مولی احمد بن محمد المغنیساوی۔ حکیم اسحٰق۔ شیخ اکمل الدین۔ ملا علی القاری۔ ملا علی قاری کی شرح متداول ہے۔ بعض اور شرحون کے نسخے بھی جا بجا قلمی پائے جاتے ہین۔ حکیم اسحٰق کی شرح کو ابو البقاء احمدی نے ۹۱۸ھ مین نظم کیا۔

اور اصل کتاب کو ابراہیم بن حسام نے جو شریقی کے نام سے مشہور ہیں۔

العالم والمتعلم۔ سوال وجواب کے طور پر ایک مختصر سا رسالہ ہے۔ لیکن ہماری نظر سے نہین گزرا۔ العالم والمتعلم

مسند کے متعدد نسخے ہین جنکو ابوالمؤید محمد بن محمود الخوارزمی المتوفی ۶۶۵ھ نے یکجا جمع کر دیا ہے۔ دیباچہ مین لکھتے ہین کہ بلاد شام مین بعض جاہلونکو مین نے یہ کہتے سنا کہ امام ابوحنیفہ کو فن حدیث مین چندان دخل نہ تھا اور اسیوجہ سے حدیث مین اُنکی کوئی کتاب نہین ہے۔ اسپر مجھکو حمیتِ مذہبی کا جوش ہوا اور مین نے چاہا کہ اُن تمام مسندون کو یکجا کردون جو علما نے امام ابوحنیفہ کی حدیثون سے مرتب کیے ہین اور جنکی تفصیل حسب ذیل ہے (۱) مسند حافظ ابومحمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی البخاری المعروف بعبداللہ الاوستاد (۲) مسند امام ابوالقاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد (۳) مسند حافظ ابوالحسن محمد بن المظفر بن موسے بن عیسی۔ (۴) مسند حافظ ابونعیم الاصبہانی (۵) مسند شیخ ابوبکر محمد بن عبدالباقی محمد الانصاری (۶) مسند امام ابواحمد عبداللہ بن عدی الجرجانی (۷) مسند امام حافظ عمر بن حسن الاشنانی۔ (۸) مسند ابوبکر احمد بن محمد بن خالد الکلاعی (۹) مسند امام ابویوسف قاضی (۱۰) مسند امام محمد (۱۱) مسند حماد بن امام ابوحنیفہ (۱۲) آثار امام محمد (۱۳) مسند امام ابوالقاسم عبداللہ بن ابی العوام العدیؒ

ابوالمؤید الخوارزمی نے جن مسندون کے نام لیے ہین اُنکے سوا اور بھی مسانید ہین مثلاً مسند حافظ ابوعبداللہ حسین بن محمد بن خسرو البلخی المتوفی ۵۲۳ھ۔ مسند حصکفی جسکی شرح

ملا علی قاری نے لکھی۔ مسند ماوردی۔ مسند ابن البزازی المتوفی ۸۲۷ھ۔ ان مسندون کی شرحین بھی لکھی گئین۔

جو لوگ امام صاحب کے سلسلہ کمالات مین تصنیف وتالیف کا وجود بھی ضروری سمجھتے ہین۔ وہ انہین مفصلہ بالا کتابون کو شہادت مین پیش کرتے ہین۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ ان تصنیفات کو امام صاحب کی طرف منسوب کرنا نہایت مشکل ہے۔ اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ امام صاحب کی زندگی مین ایک مجموعۂ فقہ مرتب ہوگیا تھا جسکے حوالے عقود الجمان وغیرہ مین جا بجا ملتے ہین۔ لیکن قیاس غالب یہ ہے کہ وہ نسخہ معدوم ہوگیا اُس زمانہ کی ہزارون تصنیفات کے نام۔ تراجم کی کتابون مین مذکور ہین۔ لیکن دو تین کے سوا۔ ایک کا بھی دنیا کے کسی کتب خانہ مین پتہ نہین چلتا۔ خود امام صاحب کے ہمعصرون مین سے سفیان ثوری۔ امام اوزاعی۔ حماد بن سلمہ۔ ہشیم۔ معمر۔ جریر بن عبد الحمید۔ عبد اللہ بن المبارک نے حدیث وفقہ مین بڑی بڑی کتابین لکھین۔ لیکن آج انکا نام ہی نام رہگیا ہے اور ایک کا بھی وجود نہین۔ امام رازی نے مناقب الشافعی مین تصریح کی ہے کہ امام ابو حنیفہ۔ کی کوئی تصنیف باقی نہین رہی۔

مسند خوارزمی

مسند خوارزمی۔ کو امام صاحب کا مسند کہنا مجازی اطلاق ہے۔ خوارزمی۔ خود ساتوین صدی مین تھے۔ جن مسندونکو جمع کیا ہے۔ وہ بھی اکثر تیسری چوتھی صدی یا اس سے بھی بعد کی ہین۔ حماد۔ قاضی ابو یوسف۔ البتہ امام صاحب کے ہمعصر ہین اور انکا مسند بے شبہہ۔ امام ابو حنیفہ۔ کا مسند کہا جا سکتا تھا۔ لیکن خوارزمی کے سوا اور کسی نے اُن

مسندون کا نام نہین لیا ہے - حالانکہ حدیث کی کتاب جب تک مشہور اور مستند روایتون سے
نہ ثابت ہو اُسکا اعتبار نہین کیا جاسکتا - ہمارے نزدیک اِس بحث مین شاہ ولی اللہ صاحب کا
فیصلہ کافی ہے - وہ حجۃ البالغہ - مین فرماتے ہین کہ "طبقہ رابعہ کی - وہ کتابین ہین جنکے
مصنفون نے ایک مدت دراز کے بعد اُن روایتون کو جمع کرنا چاہا جو دو پہلے طبقون مین موجود
نہ تھین - اور گمنام مسندون اور مجموعون مین پائی جاتی تھین - اِن لوگون نے اُنکو بلند نام کرنا چاہا
حالانکہ وہ حدیثین اُن لوگون کی زبانون پر تھین جنکا محدثین اعتبار نہین کرتے - مثلاً زیادہ گو
واعظین اور اہل بدعت اور ضعیف الروایۃ - یا وہ صحابہ اور تابعین کے آثار - یا بنی اسرائیل
کے قصے تھے - یا حکما اور واعظین کے مقولے تھے جنکو راویون نے رسول اللہ کے
کلام سے مخلوط کر دیا تھا - یا قرآن اور حدیث کے محتمل مضامین تھے جنکو اُن نیک آدمیون نے
بالمعنی روایت کیا جو فن روایت کی باریکیون سے ناواقف تھے - اِن لوگون نے اُن باتون
کو رسول اللہ کی طرف منسوب کر دیا - یا ایسے مضامین تھے جو قرآن اور حدیث سے مستنبط ہوتے
تھے - اُنکو قصداً احادیث نبوی بنا دیا - یا مختلف حدیثون کے ٹکڑے تھے جنکو ایک عبارت
مین مرتب کر لیے گئے - اِس قسم کی حدیثین کتاب الضعفاء ابن حبان کامل ابن عدی تصنیفات
خطیب - و ابونعیم و جوزقانی - و ابن عساکر - و ابن نجار و دیلمی مین ملسکتی ہین مسند خوارزمی
بھی قریباً اسی طبقہ مین داخل ہے"

شاہ ولی اللہ صاحب نے ذرا سختی کی - بات اصل یہ ہے کہ جن مسندون کی نسبت بیان
کیا جاتا ہے کہ امام صاحب کے شاگردون نے لکھے اُن کا تاریخون سے ثبوت ملتا ہے

نہ وہ خود کہین پائے جاتے ہین۔ جو مسند۔ امام صاحب کے زمانہ سے بہت پیچھے لکھے گئے وہ البتہ موجود ہین لیکن انکی حدیثون کا امام صاحب تک بسند صحیح متصل پہنچنا نہایت مشتبہ ہے اس سے بڑھکر یہ کہ بعض بعض مسانید مین بے اعتباری کی اندرونی شہادتین موجود ہین مسند حصفکی مین کئی روایتین۔ امام صاحب کی طرف منسوب ہین جنکو انہون نے خود صحابہ سے سُنا اور روایت کیا ہے۔ حالانکہ امام صاحب۔ کا صحابہ۔ سے روایت کرنا محدثانہ تحقیقات کی رو سے ہرگز ثابت نہین ہوسکتا۔ خوارزمی نے آثار امام محمد کو بھی امام۔ کی مسانید مین داخل کیا ہے۔ بے شبہ اس کتاب مین اکثر روایتین امام صاحب ہی سے ہین۔ اسلیے ناظرین کو اختیار ہے کہ اسکو امام ابو حنیفہ۔ کا مسند۔ کہین یا آثار امام محمد کے نام سے پکارین۔ لیکن یاد رہے کہ امام محمد نے اس کتاب مین بہت سے آثار اور حدیثین دوسرے شیوخ سے بھی روایت کی ہین۔ اس لحاظ سے اس مجموعہ کا انتساب۔ امام محمد کی طرف زیادہ موزون ہے۔

فقہ اکبر

فقہ اکبر۔ کو اگرچہ فخر الاسلام بزدوی۔ عبد العلی بحر العلوم۔ و شارحین فقہ اکبر نے امام صاحب۔ کی طرف منسوب کیا ہے۔ لیکن ہم مشکل سے اسپر یقین کر سکتے ہین۔ یہ کتاب جس زمانہ کی تصنیف بیان کی جاتی ہے اسوقت تک یہ طرز تحریر پیدا نہین ہوا تھا۔ وہ بطرز ایک متن کے ہے اور اُس اختصار و ترتیب کے ساتھ لکھی گئی ہے جو متاخرین کا خاص انداز ہے ایک جگہ اُس مین جوہر و عرض کا لفظ آیا ہے۔ حالانکہ یہ فلسفیانہ الفاظ اُسوقت تک زبان مین داخل نہین ہوئے تھے۔ بے شبہ منصور عباسی کے زمانہ مین فلسفہ کی کتابین یونانی

زبان سے عربی مین ترجمہ کی گئین تھین - لیکن یہ زمانہ امام صاحب - کی آخر زندگی کا زمانہ ہے کسی طرح قیاس نہین کیا جاسکتا کہ ترجمہ ہوتے ہی یہ الفاظ اسقدر جلد شائع ہوجائین کہ عام تصنیفات مین اُن کا رواج ہوجاے - فلسفہ کے الفاظ نے مذہبی دائرہ مین اسوقت بار پایا ہے جب کثرتِ استعمال کی وجہ سے وہ زبان کا جزو بن گئے اور عام بول چال مین بھی اُن کے استعمال کے بغیر چارہ نرہا - لیکن یہ دور امام صاحب کے زمانہ کے بعد شروع ہوا ہے -

یہ بحث تو درایت کی حیثیت سے تھی - اصول روایت کے لحاظ سے بھی یہ امر ثابت نہین ہوتا - دوسری تیسری بلکہ چوتھی صدی کی تصنیفات مین اس کتاب کا پتہ نہین چلتا قدیم سی قدیم تصنیف جس مین اس رسالہ کا ذکر کیا گیا ہے (جہان تک ہمکو معلوم ہے) فخر الاسلام بزدوی - کی کتاب الاصول - ہے جو پانچوین صدی کی تصنیف ہے - امام ابوحنیفہ کے ہزارون شاگرد تھے - جن مین سے اکثر بجاے خود اُستاد تھے - اور واسطہ در واسطہ اُنکے ہزارون لاکھون شاگرد ہوئے - نہایت خلاف قیاس ہے کہ امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود ہوتی - اور اتنے بڑے گروہ مین اُسکا نام تک نہ لیا جاتا - علم عقائد - اور اُسکے متعلقات پر جو بڑی بڑی کتابین مثلاً صحائف - شرح مقاصد - شرح مواقف - ملل و نحل - وغیرہ تصنیف ہوئین - اُن مین کہین اسکا ذکر تک نہین ہے - اس کتاب کی جسقدر شرحین ہوئین سب آٹھوین صدی مین یا اُسکے بعد ہوئین - اسکے علاوہ ابو مطیع بلخی - جو اس کتاب کے راوی ہین - حدیث و روایت مین چندان مستند نہین ہین - کتب رجال

میں انکی نسبت محدثین نے نہایت سخت ریمارک کیے ہیں۔ اگرچہ میں انکو کلیۃً تسلیم نہیں کرتا تاہم ایک ایسی مشتبہ کتاب۔ جسکا ثبوت صرف ابو مطیع بلخی۔ کی روایت پر منحصر ہو۔ محدثانہ اصول پر قابلِ تسلیم نہیں ہوسکتی۔

میرا خیال ہے کہ ابو مطیع بلخی۔ نے ایک رسالہ میں بطور خود عقائد کے مسائل قلمبند کیے تھے۔ رفتہ رفتہ۔ وہ امام صاحب۔ کی طرف منسوب ہوگیا۔ اس خیال کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ علامہ ذہبی۔ نے عبر فی اخبار من غبر۔ میں ابو مطیع۔ کا جہاں ذکر کیا ہے۔ ان لفظوں سے کیا ہے کہ " صاحب الفقہ الاکبر"۔ جسکے متبادر معنی یہی ہیں کہ خود ابو مطیع۔ اُسکے مصنف ہیں۔ میرا یہ بھی خیال ہے کہ فقہ اکبر۔ کی موجودہ ترتیب وعبارت۔ ابو مطیع۔ کے زمانہ سے بھی بہت بعد کی ہے۔ اور یہ کچھ نئی بات نہیں۔ جامع صغیر۔ جو امام محمد۔ کی تالیف ہے۔ اُسکی موجودہ ترتیب۔ امام ابو طاہر دباس۔ نے کی ہے جو چوتھی صدی میں تھے۔ فرق یہ ہے کہ جامع صغیر۔ کی عبارت وہی اصلی ہے۔ صرف ترتیب بدلدی گئی ہے۔ برخلاف اسکے فقہ اکبر۔ کا انداز عبارت بھی زمانہ مابعد کا معلوم ہوتا ہے۔

ہمنے اس بحث میں اپنی رائے اور قیاسات کو بہت دخل دیا ہے۔ لیکن تمام واقعات بھی لکھ دیے ہیں۔ ناظرین کو ہم اپنی رائے کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتے۔ اصلی واقعات اور ہماری رائیں۔ دونوں اُنکے سامنے ہیں۔ وہ جو چاہیں خود فیصلہ کرلیں۔ بے شبہ ہماری ذاتی رائے یہی ہے کہ آج۔ امام صاحب۔ کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے۔

عقائد و کلام

امام صاحب ابتدائی تحصیل مین علم کلام - کی طرف زیادہ مائل تھے صحابہ کے اخیر زمانہ مین نئے نئے فرقے پیدا ہو چلے تھے - معبد جہنی نے جو صحابہ کا صحبت یافتہ تھا - مسئلہ قدر کو چھیڑا - واصل بن عطاء نے جو علوم عربیہ و علم کلام کا بہت بڑا عالم اور امام حسن بصری - کا شاگرد تھا - اعتزال کی بنیاد قائم کی - جہم بن صفوان - فرقہ جہمیہ کا بانی ہوا - خوارج - کے متعدد فرقے اس سے پہلے پیدا ہو چکے تھے - امام ابو حنیفہ - کے زمانہ مین ان مسائل کے جا بجا چرچے تھے اور ہر جگہ بحث و مناظرہ کا بازار گرم تھا - امام صاحب کو بھی انکی رد و قدح کیطرف التفات ہوا - اسمین کہ انکی بے نظیر ذہانت نے ان مسائل مین نہایت دقیق بحثین پیدا کی ہونگی - لیکن چونکہ یہ شغل تھوڑے زمانہ تک رہا اور بالآخر وہ فقہ کے مہمات مین مصروف ہوئے اسلیے ان مباحث کا آج پتہ نہین چلتا - تاہم چند مسائل جو بتواتر انکی طرف منسوب ہین - انکی - دقت نظر - حدت ذہن - وسعت خیال - کے شاہد عادل ہین - انہین سے ہم بعض مسائل کا ذکر کرتے ہین جو محدثین کے نزدیک بڑے معرکۃ الآرا اسلیے ہین

اعمال جزو ایمان نہین ہین

پہلا مسئلہ - یہ ہے کہ امام صاحب - فرائض اور اعمال کو جزو ایمان نہین سمجھتے - آج تو اسکی نسبت بحث کرنی گویا تحصیل حاصل ہے ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ ایمان اعتقاد کا نام ہے جو دل سے متعلق ہے - فرائض اور اعمال - جوارح کے کام ہین - اسلیے نہ ان دونون سے کوئی حقیقت مرکب ہو سکتی ہے - نہ انمین سے ایک دوسرے کا جزو ہو سکتا ہے - لیکن اس زمانہ مین یہ ایک بڑا بحث طلب مسئلہ تھا - اور اکثر ارباب ظاہر

بلکہ بعض مجتہدین بھی اسکے خلاف تھے۔

صحابہ کے زمانہ تک اسلامی عقائد کی سطح نہایت ہموار اور غیر متحرک رہی۔ اہل عرب کو ان موشگافیون اور باریک بینیون سے سروکار نہ تھا۔ بنو امیہ کے وسط زمانہ مین جب فوجی قوت کو زوال ہوا تو تمدن و معاشرت کی وسعت نے اور قسم کے اشغال پیدا کردیے جبر و قدر تشبیہ و تنزیہ۔ عدل و جور کی بحثین چھڑ گیئن۔ ان بحثون کی ابتدا اُن لوگون نے کی جو عجم کی خاک سے تھے۔ یا اُن پر عجم کا پرتو پڑا تھا۔ چونکہ یہ نامانوس صدائین تھین۔ ان باتون پر مذہبی گروہ مین۔ جو زیادہ تر عرب سے تعلق رکھتا تھا سخت برہمی پیدا ہوگئی اور محدثین و فقہا نہایت سختی سے بدعتیون کے مقابلہ کو اُٹھے۔ اس مقابلہ کی بنا پر ان بزرگون کو خود بھی اُن مسائل مین نفی یا اثبات کا پہلو اختیار کرنا پڑا۔ لیکن جوش مخالفت نے اکثرون کو اعتدال کی حد پر نہ رہنے دیا۔ معتزلہ کا مذہب تھا کہ قرآن مجید خدا کا ایک جدید کلام ہے جو رسول اللہ کی نبوت کے ساتھ وجود مین آیا۔ لوگون نے اسکی یہانتک مخالفت کی کہ بعض محدثین نے "تلفظ بالقرآن" کو بھی قدیم ٹھہرایا امام ذہلی۔ جو امام بخاری کے اساتذہ مین سے تھے۔ اور صحیح بخاری مین اُنکی سند سے اکثر روایتین ہین۔ اسی بات پر امام بخاری سے ایسے ناراض ہوئے کہ حکم دیدیا کہ جو شخص بخاری کے پاس آمد و رفت رکھے وہ ہمارے حلقہ مین نہ آنے پائے[۱] امام بخاری خود قرآن کے قدم کے قائل تھے لیکن قرأت قرآن کو حادث کہتے تھے

[۱] ان واقعات کو حافظ ابن حجر نے فتح الباری مین تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ ۱۲

ذہلی۔ کو اصرار تھا کہ یہ بھی قدیم ہین۔

اور مسائل مین بھی اس قسم کی بے اعتدالیان ہوئین جنکی تفصیل کا یہ موقع نہین۔ امام ابوحنیفہ۔ نے۔ ان تمام بحثونمین وہی پہلو اختیار کیا جو مغز سخن تھا اور جو عقل کے ساتھ نقل کے بھی مطابق تھا۔ انہی مسائل مین ایمان وعمل کا مسئلہ بھی تھا۔ مرجیہ کا مذہب ہے کہ "ایمان اور عمل دو مختلف چیزین ہین۔ اور ایمان اور تصدیق کامل ہو تو عمل کا نہونا کچھ ضرر نہین کرتا۔ ایک شخص اگر دل سے توحید و نبوت کا معترف ہے اور فرائض نہین ادا کرتا۔ تو وہ مواخذہ سے بری ہے"۔ اس راے کا پہلا حصہ گو صحیح تھا۔ مگر محدثین نے کچھ تفریق نہ کی اور کلیتہ اس مذہب کے مخالف ہوگئے۔ چونکہ قرآن کی بعض آیتین بھی بظاہر اسکے مؤید تھین اُنکی راے کو اور بھی قوت و شدت ہوگئی۔ یہ ایک اجتہادی راے تھا اور یہین تک رہتا تو چندان مضائقہ نہ تھا لیکن افسوس یہ ہے کہ ان بزرگون نے یہانتک شدت کی کہ جو شخص اُنکی راے کے ساتھ متفق نہ ہوتا تھا اُسکو فاسق یا کافر سمجھتے تھے۔ قاضی ابویوسف۔ ایکبار شریک کی عدالت مین گواہ ہوکر گئے۔ تو انہون نے کہا "مین اُس شخص کی شہادت نہین قبول کرتا جسکا یہ قول ہو کہ نماز جزو ایمان نہین"۔

امام ابوحنیفہ۔ کو اس سے کچھ بحث نہ تھی کہ یہ مسئلہ فلان شخص یا فلان فرقہ کا ہے۔ وہ اصل حقیقت کو دیکھتے تھے اور مغز سخن کو تلاش کرتے تھے۔ جب یہ بحث اُنکے سامنے پیش کیگئی تو انہون نے علانیہ کہا۔ کہ "ایمان اور عمل دو جدا گانہ چیزین ہین اور دونون کا حکم مختلف ہے"۔ اسپر بہت سے لوگون نے انکو بھی مرجیہ کہا لیکن وہ ایسا مرجیہ ہونا خود پسند کرتے تھے۔ محدثین

ایمان اور عمل جداگانہ چیزین ہین

اور فقہاء مین سے جو لوگ۔ امام صاحب کے ہمزبان تھے انکو بھی یہی خطاب عنایت ہوا۔ محدث ابن قتیبہ۔ نے اپنی مشہور اور مستند کتاب المعارف مین مرجیہ کے عنوان سے بہت سے فقہاء اور محدثین کے نام گنائے ہین جنمین سے چند یہ ہین۔ ابراہیم تیمی۔ عمرو بن مرۃ۔ طلق بن حبیب۔ حماد بن سلیمان۔ عبد العزیز بن ابی دواد۔ خارجہ بن مصعب۔ عمرو بن قیس الاصر۔ ابو معاویہ الضریر۔ یحییٰ بن ذکریا۔ مسعر بن کدام۔ حالانکہ انہین سے اکثر حدیث و روایت کے امام ہین۔ اور صحیح بخاری و مسلم ہین۔ ان لوگون کی سیکڑون روایتین موجود ہین۔ ہمارے زمانہ کے بعض کوتاہ بین جو اسپر غش ہین کہ امام صاحب کو بعض محدثین نے۔ مرجیہ۔ کہا ہے ابن قتیبہ۔ کی فہرست دیکھتے تو شاید انکو ندامت ہوتی۔ محدث ذہبی نے میزان الاعتدال مین۔ مسعر بن کدام کے تذکرہ مین لکھا ہے کہ "ارجاء (مرجیہ ہونا) بہت سے علمائے کبار کا مذہب ہے اور اس مذہب کے قائل پر مواخذہ نکرنا چاہیئے"۔ یہ اسی ارجاء کی طرف اشارہ ہے جو امام ابو حنیفہ کا مذہب تھا۔

جو لوگ مرجیہ کہلائے

یہ مسئلہ اگرچہ بظاہر چندان مہتم بالشان نہ تھا۔ لیکن اسکے نتایج بہت بڑا اثر رکھتے تھے۔ اسی لحاظ سے امام صاحب نے نہایت آزادی سے انکا اظہار کیا۔ عمل کو جزء ایمان قرار دینا۔ اس بات کو مستلزم ہے کہ جو شخص اعمال کا پابند نہو وہ مومن بھی نہو جیسا کہ خارجیون کا مذہب ہے جو مرتکب کبایر کو کافر سمجھتے ہین۔ اگرچہ اکثر محدثین۔ ایسے شخص کو کافر نہین سمجھتے تھے لیکن یہ نہ سمجھنا اس وجہ سے تھا کہ وہ لزوم سے ناواقف تھے۔ حالانکہ لزوم قطعی اور یقینی ہے۔ جس سے انکار نہین ہوسکتا۔

امام رازی۔ نے جو۔ امام شافعی کے بہت بڑے حامی ہین۔ کتاب مناقب الشافعی
مین لکھا ہے کہ" لوگون نے امام شافعی پر یہ اعتراض کیا ہے کہ وہ متناقض باتون کے
قائل ہین کیونکہ ایک طرف تو وہ یہ کہتے ہین کہ" ایمان تصدیق و عمل کے مجموعہ کا نام ہی ساتھ ہی
اس بات کے بھی قائل ہین۔ کہ" ترک عمل سے کوئی شخص کافر نہین ہوتا" حالانکہ مرکب
چیز کا جب ایک جزو نرہا تو مرکب بھی من حیث المرکب نرہا۔ اسی لیے معتزلہ جو اس بات کے
قائل ہین کہ عمل جزو ایمان ہی۔ اس بات کے بھی قائل ہین کہ عمل نہو تو ایمان بھی نہین۔
لیکن امام شافعی۔ کی طرف سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اصل ایمان اقرار اور اعتقاد کا نام ہے۔
باقی اعمال۔ تو وہ ایمان کے ثمرات اور توابع ہین۔ لیکن چونکہ توابع پر بھی کبھی کبھی مجازاً اصل شے کا
اطلاق ہوتا ہے اسلیے مجازاً اعمال پر بھی ایمان۔ کا اطلاق ہوا اور یہ مسلم ہے کہ توابع کے فوت
ہونے سے اصل شے فوت نہین ہوتی"

لیکن یہ جواب توجیہ القول بما لا یرضی بہ قایلہ ہے اور خود امام رازی کو اس کا اعتراف
کرنا پڑا چنانچہ جواب کے بعد فرماتے ہین کہ فیہ ترک لھذا المذھب یعنی اس جواب سے
یہ مذہب باطل ہوا جاتا ہے۔ امام رازی گو شافعی المذہب اور اپنے امام کے نہایت
طرفدار ہین۔ لیکن چونکہ صاحب نظر اور نکتہ شناس ہین اُن کو تسلیم کرنا پڑا کہ۔ یا عمل کو ایمان
کے توابع سے شمار کرنا چاہیے۔ یا مان لینا چاہیے کہ جو شخص پابند عمل نہین۔
مومن بھی نہین۔

اس بحث کے متعلق امام ابو حنیفہ کی ایک تحریر موجود ہے جسکی طرز استدلال و استنباط

نتائج سے۔ امام صاحب کی دقت نظر کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ اور اصل مسئلہ کی حقیقت کھلتی ہے اسلیے اس موقع پر ہم اُسکا حوالہ دینا مناسب سمجھتے ہین۔ یہ تحریر عثمان بتی کے ایک خط کا جواب ہے جو انہون نے امام صاحب کو لکھا تھا۔ عثمان اُس زمانہ کے ایک مشہور محدث تھے۔ عام لوگون مین جب امام ابوحنیفہ کے۔ ان خیالات کے چرچے ہوئے تو انہون نے امام صاحب کو ایک دوستانہ خط لکھا جسکا مضمون یہ تھا کہ ”لوگ آپ کو مرجیہ کہتے ہین اور بیان کرتے ہین کہ آپ مومن کا ضال (گمراہ) ہونا جائز قرار دیتے ہین۔ مجھکو ان باتون کے سننے سے نہایت رنج ہوتا ہے۔ کیا یہ باتین صحیح ہین“ اس خط کے جواب مین امام صاحب نے ایک طولانی خط لکھا ہے جس کے فقرے کہین کہین سے ہم انتخاب کرتے ہین حمد و نعت کے بعد عثمان بتی کے دوستانہ نصیحت اور خیرخواہی کا شکریہ ادا کر کے اصل مضمون اسطرح شروع کیا ہے ”مین آپ کو بتاتا ہون کہ رسول اللہ کے مبعوث ہونے سے پہلے تمام لوگ مشرک تھے۔ رسول اللہ جب مبعوث ہوئے تو لوگونکو اس بات کی طرف دعوت کی کہ خدا کو ایک مانین۔ اور رسول اللہ جو کچھ لائے اُسکو تسلیم کرین۔ پس جو شخص اسلام مین داخل ہوتا تھا اور شرک چھوڑ دیتا تھا اُسکی جان اور مال حرام ہوجاتا تھا۔ پھر خاص اُن لوگون کے لیے جو ایمان لا چکے تھے فرائض کے احکام آئے۔ پس اُس کا پابند ہونا عمل ٹھہرا اور خدا نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے الذین آمنوا وعملوا الصالحات ومن یومن باللہ ویعمل صالحا۔ اس قسم کی اور آیتین ہین جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عمل کے نہونے سے ایمان جاتا نہین رہتا۔ البتہ اگر تصدیق و اعتقاد نہو تو مومن کا

امام صاحب کی تحریر

اطلاق نہین ہوسکتا۔ عمل و تصدیق کا دو جدا گانہ چیز ہونا اس سے بھی ظاہر ہے کہ تصدیق کے لحاظ سے سب مسلمان برابر ہین۔ لیکن اعمال کے لحاظ سے مراتب مین فرق ہوتا ہی کیونکہ دین و مذہب سبکا ایک ہی ہے خدا نے خود کہا ہے شرع لکم من الدین ما وصّٰی بہ نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ یعنی "تمہارے لیے اُسی دین۔ کو مشروع کیا جسکی وصیت نوح کو کی تھی۔ اور جو تجھہ پر وحی بھیجی اور جسکی وصیت۔ ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ کو کی۔ وہ یہ ہے کہ دین کو قائم رکھو اور اُس مین متفرق نہو"

وہ آپ کو جاننا چاہیے کہ تصدیق مین ہدایت۔ اور اعمال مین ہدایت۔ یہ دونون دو چیزین ہین آپ ایک شخص کو جو فرائض سے ناواقف ہو مؤمن کہہ سکتے ہین پس ایسا شخص فرائض کے لحاظ سے جاہل اور تصدیق کے لحاظ سے مؤمن ہے۔ خود خدا نے قرآن مین یہ اطلاقات کیے ہین۔ کیا آپ اُس شخص کو جو خدا اور رسول خدا کے پہچاننے مین گمراہ ہو اُس شخص کی برابر قرار دینگے جو مومن ہو لیکن اعمال سے ناواقف ہو۔ خدا نے جہان فرائض بتائے ہین اُس موقع پر ارشاد فرمایا ہے کہ یبین اللہ لکم ان تضلوا۔ (یعنی خدا نے اسلیے بیان کیا کہ تم گمراہ نہو) دوسری آیت مین ہے ان تضل احدھما فتذکر احدھما الاخریٰ (یعنی ایک بھول جائے تو دوسری یاد دلادے) حضرت موسیٰ کی زبان سے فرمایا فعلتھا اذا وانا من الضالین (یعنی جب مین نے وہ کام کیا تب مین گمراہ تھا) ان آیتون کے علاوہ اور بہت سی آیتین ہین جو اس دعوی کے ثبوت کے لیے دلائل قاطعہ ہین۔ اور حدیثین

تو اور بھی واضح اوصاف ہین - حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ - امیر المومنین کے لقب سے پکارے جاتے تھے تو کیا اسکے یہ معنی تھے کہ وہ صرف اُن لوگون کے امیر تھے جو فرائض اور اعمال کے پابند تھے - حضرت علیؓ - نے شام - والون کو جو اُن سے لڑتے تھے مومن کہا - کیا قتل سے بڑھکر کوئی گناہ ہے - پھر جو لوگ قتل کے مرتکب ہوئے - کیا آپ قاتلین اور مقتولین - دونون کو برسرِ حق قرار دیتے ہین - اگر آپ صرف ایک کو (یعنی حضرت علیؓ اور طرفداران علیؓ) برسرِ حق تسلیم کرینگے تو دوسرے فریق کو کیا کہین گے - اِسکو خوب سمجھ لیجیے اور غور کیجیے "

"تیسرا یہ قول ہے کہ اہلِ قبلہ سب مومن ہین اور فرائض کے ترک سے کافر نہین ہو سکتے - جو شخص ایمان کے ساتھ تمام فرائض بجا لاتا ہے وہ مومن اور جنتی ہے - جو ایمان اور اعمال دونون کا تارک ہے وہ کافر اور دوزخی ہے - جو شخص ایمان رکھتا ہے اور فرائض اُس سے ترک ہو جاتے ہین - وہ مسلمان ضرور ہے - لیکن گنہگار مسلمان ہے - خدا کو اختیار ہے اُسپر عذاب کرے یا معاف کردے "

امام صاحب - نے جس خوبی سے اِس دعوی کو ثابت کیا ہے - انصاف یہ ہے کہ اُس سے بڑھ کر نہین ہو سکتا - فرائض اور ایمان - کے باہمی امتیاز کی اِس سے عمدہ تر کیا دلیل ہوگی - کہ آغاز اسلام مین ایمان - کی دعوت ہوتی تھی اور فرائض کا وجود نہ تھا - امام صاحب نے - قرآن کی جو آیتین - استدلال مین پیش کی ہین - اُن سے بداہتہً ثابت ہوتا ہے کہ دونون دو چیزین ہین - کیونکہ ان تمام آیتون مین عمل کو ایمان پر معطوف کیا ہے

اور ظاھر ہے کہ مجزد کل۔ پر معطوف نہین ہوسکتا۔

ان دلائل قاطعہ کے مقابلہ مین دوسری طرف۔ بعض آیتین اور حدیثین ہین لیکن ان مین سے کوئی اثبات مدعا کے لیے کافی نہین۔ بڑا استدلال اس حدیث پر ہے کہ "مومن۔ مومن ہوکر زنا اور چوری نہین کرتا" حالانکہ یہ کلام کے زور دینے کا ایک پیرایہ ہے۔ ہم اپنی زبان مین کہتے ہین۔ کہ بھلا آدمی ہوکر تو ایسا کام نہین کرسکتا۔ جس کا صرف یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ کام شانِ شرافت کے خلاف ہے۔ بے شبہہ زنا اور سرقہ بھی ایمان کی شان کے خلاف ہین۔ اور حدیث کا مقصد اسیقدر ہے ورنہ ابوذر کی حدیث مین صراحتہً یہ الفاظ موجود ہین۔ کہ "جو شخص لا الہ الا اللہ کا قائل ہے وہ جنت مین جاے گا۔ گو۔ زانی۔ اور چور ہو"

ایمان کم اور زیادہ نہین ہوتا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ الایمان لا یزید و لا ینقص یعنی ایمان کم و بیش نہین ہوسکتا بے شبہہ یہ امام صاحب کا قول ہے لیکن اسکی تعبیر مین لوگون نے غلطی کی ہے۔ نہ صرف محدثین اور شافعیہ نے بلکہ خود احناف نے بھی۔ ایمان۔ کی کمی و زیادتی دو لحاظ سے ہوسکتی ہے۔ ایک اس اعتبار سے کہ وہ مقولہ کیف سے ہے جس مین "شدت و ضعف" ممکن ہے۔ یا دوسرے لفظون مین یون کہا جاے کہ ایمان یقین کا نام ہے۔ اور یقین کے مراتب متفاوت ہوتے ہین حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب خدا سے کہا کہ اے خدا تو مردون کو کیونکر جلاتا ہے۔ تو ارشاد ہوا کہ اولم تومن یعنی کیا اب تک تجھکو یقین نہین آیا۔ عرض کی۔ کہ یقین ضرور ہے۔ لیکن لیطمئن قلبی یعنی اور زیادہ اطمینان چاہتا ہون"

خدا نے متعدد آیتون مین صاف تصریح کر دی ہے کہ ایمان مین ترقی ہوتی ہے زادتھم ایمانا۔ اس مسئلہ مین نص صریح ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ کو بلحاظ اس معنی کے نہ انکار ہے نہ یہ امر اُسوقت زیر بحث تھا۔ امام صاحب کے دعوی کا اور منشا ہے اور وہ بالکل صحیح ہے۔ جن لوگون نے عمل کو جزو ایمان قرار دیا۔ اُنکا مذہب ہے کہ ایمان بلحاظ مقدار کے زیادہ وکم ہوتا ہے۔ جو شخص اعمال کا زیادہ پابند ہے۔ وہ زیادہ مومن ہے۔ جو گنہگار ہے وہ کم مومن ہے۔ محدثین۔ صراحۃً اس کے مدعی ہین اور اسپر دلیلین لاتے ہین۔ علامہ قسطلانی۔ صحیح بخاری کی شرح مین لکھتے ہین فاعلم ان الایمان یزید بالطاعات و ینقص بالمعصیۃ۔ یعنی وہ ایمان ثواب کے کام کرنے سے زیادہ ہوتا ہے۔ اور گناہ کرنے سے گھٹ جاتا ہے۔ اور محدثین نے بھی جابجا اسکی تصریح کی ہے۔ امام ابوحنیفہ۔ اس اعتبار سے۔ ایمان کی زیادت ونقصان کے منکر تھے۔ اُنکے نزدیک جب اعمال جز ایمان نہین۔ تو اعمال کی کمی بیشی سے۔ ایمان مین کمی بیشی نہین ہو سکتی۔ اور یہ بالکل صحیح ہے۔ حدیث مین آیا ہے کہ "ابوبکر کو تم لوگون پر جو ترجیح ہے وہ کثرت صوم وصلوۃ کی وجہ سے نہین۔ بلکہ اُس چیز کی وجہ سے ہے جو اُسکے دل مین ہے"۔ غرض امام صاحب کا یہ دعوی نہین ہے کہ ایمان بلحاظ کیفیت یعنی شدت وضعف کے زیادہ وکم نہین ہو سکتا بلکہ اُنکا یہ دعوی ہے کہ ایمان۔ مقدار کے اعتبار سے کم وبیش نہین ہوتا۔ یہ دعوی اس بات کی فرع ہے کہ اعمال جزو ایمان نہین۔ اور اس کو ہم ابھی ثابت کر چکے ہین۔

امام صاحب۔ اس بات کے بھی قائل تھے کہ نفسِ ایمان مین کچھ تفاوت نہین ہے۔ یعنی معتقدات کے لحاظ سے سب مسلمان برابر ہین۔ ایمان کے لیے جن مسائل پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے وہ سب کے لیے یکسان ہین۔ صحابہ اور عام مسلمان۔ اس لحاظ سے برابر ہین۔ کہ دونون ایک ہی چیز یعنی توحید و نبوت کا اعتقاد رکھتے ہین۔ فرق ہے تو اعتقاد کی شدت و ضعف مین ہے۔ اسی مطلب کو امام صاحب نے۔ عثمان بتی کے جواب مین ان الفاظ سے بیان کیا ہے کہ دین اھل السماء والارض واحد یعنی آسمان اور زمین والونکا ایک ہی دین ہے۔ پھر اس دعوی پر آیت قرآنی سے استدلال کیا ہی شرع لکم من الدین ما وصینا بہ نوحاً۔ یعنی ہمنے تمہارے لیے وہی دین شروع کیا جسکی وصیت نوح کو کی تھی۔ مخالفین نے بڑے زور شور سے امام صاحب پر یہ الزام لگایا ہی کہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ "میرا ایمان اور ابوبکر صدیقؓ کا ایمان برابر ہی" اگرچہ امام صاحب کی طرف اس قول کی اسناد ثابت نہین لیکن اگر ثابت ہو تو کیا نقصان ہی۔ جس اعتبار سے وہ مساوات کے مدعی ہین اُس سے کس کو انکار ہوسکتا ہی تعجب اور سخت تعجب ہے کہ ایسا صاف مسئلہ معترضونکی سمجھہ مین نہ آیا۔ خطیب بغدادی نے صفحے کے صفحے سیاہ کردیے اور یہ نہ سمجھے کہ امام صاحب کا دعوی کیا ہے۔ اُنکو یہ الفاظ نہایت گران گزرتے ہین۔ کہ "ہمارا اور صحابہ کا ایمان برابر ہے" وہ یہ نہین سمجھتے کہ بہت سی چیزونمین ہم اور صحابہ برابر ہین۔ تاہم۔ ہم مین اور صحابہ مین زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اگرچہ اس قسم کے تمام مسائل مین۔ امام صاحب اپنی خاص رائین رکھتے تھے لیکن وہ

نفسِ ایمان مین سب برابر ہین

مخالف رایون پر کفر و فسق کا الزام نہین لگاتے تھے۔ یہ فیاض دلی امام صاحب کا خاصہ ہے
اور قرن اول کے بعد اسلام مین اسکی بہت کم نظیرین ملتی ہین۔ اسلام کو کسی چیز نے اُن مشاجرات
سے زیادہ نقصان نہین پہنچایا جو اختلاف آرا کی بنا پر قائم ہوگئی۔ ان اختلافات کی بنیاد
اگرچہ خود صحابہ کے زمانہ مین شروع ہو چکی تھی۔ عبد اللہ بن عباس اور بہت سے صحابہ کا اعتقاد
تھا کہ رسولؐ اللہ نے معراج مین خدا کو آنکھوں سے دیکھا۔ حضرت عائشہ نہایت اصرار سے
اسکے مخالف تھین۔ امیر معاویہ۔ کو معراج جسمانی سے انکار تھا۔ حضرت عائشہ سماع موتی کی
قائل نہ تھین۔ لیکن اُس زمانہ تک ان اختلافات پر ہدایت و گمراہی کا مدار نہ تھا۔ جو لوگ
مختلف رائین رکھتے تھے اُن مین کبھی کسی نے کسی کی تکفیر یا تفسیق نہین کی۔ حضرت
عبد اللہ بن عمر۔ سے ایک شخص نے پوچھا کہ "کچھ لوگ پیدا ہوئے ہین جو قرآن کی غلط تاویل
کرتے ہین۔ اور ہمکو کافر قرار دیتے ہین۔ وہ خود کافر ہین یا نہین" حضرت عبد اللہ نے فرمایا کہ
اُسوقت تک کوئی شخص کافر نہین ہوسکتا جب تک خدا کو دو نہ کہے[۱]" صحابہ کے بعد یہ اختلافات
زور پکڑتے گئے اور رفتہ رفتہ مستقل فرقے قائم ہوگئے۔ اعتقادی اور فقہی مسائل۔ اکثر ایسے
ہین جنمین نص قاطع موجود نہین۔ اور ہین تو متعارض ہین۔ اسلیے استنباط اور رفع تعارض
کی ضرورت نے اجتہاد کو بہت وسعت دی۔ اور سیکڑون رائین قائم ہوگیئن۔ بے شبہ انمین
بہت سی رائین صحیح نہین لیکن یہ ضرور نہین کہ وہ سب کفر ہون۔

افسوس ہے کہ سرگرم طبیعتین۔ جو مذہبی جوش اور تقدس کے نشہ مین سرشار تھین۔ اختلاف

---

[۱] آثار امام محمد۔ صفحہ ۶۵۔

راے کے صدمہ کی تاب نہ لاسکین۔ اور نہایت بے صبری سے مخالفت پر آمادہ ہوگئین۔ بات بات پر کفر کے فتوے ہونے لگے۔ جو لوگ جسقدر زیادہ مذہبی حرارت رکھتے تھے اُسیقدر کفر کے اطلاق مین کم احتیاط کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہانتک نوبت پہنچی کہ ہر فریق نے دوسرے کی ضلالت و گمراہی ثابت کرنے کے لیے موضوع روایتون سے اعانت لی۔ اور اس قسم کی حدیثین ایجاد ہونے لگین۔ کہ میری امت مین ۷۳ فرقے پیدا ہونگے جنمین صرف ایک جنتی ہوگا باقی سب دوزخی۔ اس فرضی تعداد کو پورا کرنا بھی ضرور تھا۔ اس لیے کھینچ تان کر ۷۳ فرقے قرار دیے۔ اور سب کے الگ الگ نام رکھے۔ اسپر بھی تسکین نہوئی تو ہر ہر فرقے کے لیے جُدا جُدا روایتین گڑھین مثلاً القدریۃ مجوس ھذہ الامۃ وغیرہ وغیرہ

امام صاحب اہل قبلہ کی تکفیر نہین کرتے تھے

ان تعصبات اور جھگڑون نے جماعت اسلامی کے تمام اجزا پراگندہ کردیے۔ اور مذہب اخلاق۔ حکومت۔ تمدن۔ معاشرت سب کا نقشہ بگڑ گیا۔ اس عالمگیر آشوب مین صرف ایک امام ابوحنیفہ۔ تھے جنکی صدا سب سے الگ تھی۔ اور جو پکار کر کہتے تھے لا نکفر احداً من اھل القبلۃ یعنی "اہل قبلہ مین سے ہم کسیکو کافر نہین سمجھتے" اُسوقت تو اس صدا پر چندان توجہ نہین ہوئی۔ لیکن زمانہ جسقدر ترقی کرتا گیا اس جملہ کی قدر بڑھتی گئی یہانتک کہ وہ علم کلام کا ایک بیش بہا اصول بنگیا۔ اگرچہ افسوس ہی کہ اُسپر عمل کم کیا گیا اور تکفیر کے غلغلے اب بھی پست نہوئے۔

امام صاحب کی یہ راے نہایت غور و تحقیق و تجربہ کے بعد قائم ہوئی تھی۔ بڑے بڑے مشہور۔ بانیان مذہب اُنہین کے زمانہ مین پیدا ہوئے تھے۔ اور امام صاحب کو ان سے

ملنے کا موقع حاصل ہوا تھا۔ خارجیون کا صدر مقام بصرہ تھا۔ جو امام صاحب کے شہر سے نہایت قریب تھا۔ واصل بن عطار و عمرو بن عبید جو مذہب اعتزال کے بانی اور مروج تھے بصرہ ہی کے رہنے والے اور امام صاحب کے ہمعصر تھے۔ جہم بن صفوان جسکے نام سے فرقہ جہمیہ مشہور ہے اسی زمانہ مین تھا۔ امام صاحب انہین سے اکثر وں سے ملے اور اُن کے خیالات سے مطلع ہوئے تھے۔ ان فرقون کی نسبت جو اقوال مشہور تھے کچھ تو سرے سے غلط اور افترا تھے۔ بعض کی تعبیر غلط طور پر کیگئی تھی۔ بعض درحقیقت لغو و باطل تھے لیکن کفر کی حد تک نہ پہنچتے تھے۔ اسلیے امام ابوحنیفہ۔ نے یہ عام حکم دیا کہ "اہل قبلہ سب مومن ہین"

اہل قبلہ سب مومن ہین۔

وہ دیکھ رہے تھے کہ جن مسائل پر قیامتین برپا ہین۔ جو کفر و اسلام کی معیار قرار دی گئی ہین۔ وہ صرف لفظی بحثین اور فرضی اصطلاحین ہین۔ سب سے بڑا مسئلہ قدم قرآن۔ کا تھا جسکو لوگون نے قریبًا کلمہ توحید کی برابر قرار دیا تھا۔ بڑے بڑے علماء کا قول ہے کہ "اسلام کو دو شخصون نے نہایت نازک وقتون مین محفوظ رکھا۔ حضرت ابوبکر صدیق۔ جنہون نے رسول اللہ کی وفات کے بعد۔ مرتدین عرب کا استیصال کیا۔ اور امام احمد حنبل۔ جو مامون الرشید کے زمانہ مین حدوث قرآن کے منکر رہے۔ بلکہ ایک اعتبار سے امام حنبل کو ترجیح ہے کیونکہ صحابہ حضرت ابوبکر کے معاون اور انصار تھے۔ لیکن امام حنبل۔ کا کوئی مددگار نہ تھا"

رجال کی کتابون مین جب کسی شخص کو ثقہ اور مستند ثابت کیا جاتا ہے تو سب سے بڑی دلیل یہ پیش کیجاتی ہے کہ وہ حدوث قرآن کو کفر سمجھتا تھا" حالانکہ یہ صرف ایک لفظی بحث ہے۔ جو لوگ قرآن کو حادث کہتے تھے اُنکی غرض۔ اُن الفاظ اور اصوات سے تھی جس کا ظہور

رسول اللہ کی زبان سے ہوا۔ یا جس پر عام طور سے قرآن کا اطلاق کیا جاتا ہے جو قدیم مانتے تھے وہ کلام سے کلام نفسی کو مراد لیتے تھے جو خدا کی صفات میں سے ہے۔ امام ابوحنیفہ سے اس بارہ میں مختلف اقوال ہیں اور وہ اسی تفصیل کی بنا پر ہیں۔ ایک شخص نے اُن سے پوچھا کہ قرآن حادث ہے یا قدیم۔ فرمایا کہ "حادث۔ کیونکہ قرآن خدا نہیں اور جو خدا نہیں وہ حادث ہے"[۱]

غرض اس قسم کے مسائل نفیاً یا اثباتاً نصّی نہیں ہیں اور اسوجہ سے وہ کفر و اسلام کے معیار نہیں ہوسکتے۔ امام ابوحنیفہ کی نکتہ شناسی کی بڑی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کے دائرہ کو جو من قال لا اله الا الله دخل الجنة کی وسعت رکھتا تھا اصلی وسعت پر قائم رکھا۔ افسوس ہے کہ انکی اس رائے پر بہت کم لحاظ کیا گیا ورنہ امام غزالی۔ محی الدین عربی۔ حضرت غوث الاعظم۔ ابن تیمیہ۔ ابوطالب مکی۔ کو ہم فقہا کی زبان سے کافر نہ سُنتے۔

حدیث۔ اور اصول حدیث

یہ خیال اگرچہ غلط اور بالکل غلط ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ علم حدیث میں کم مایہ تھے۔ تاہم اس سے انکار نہیں ہوسکتا۔ کہ عام طور پر وہ محدث کے لقب سے مشہور نہیں۔ بزرگان سلف میں سیکڑوں ایسے گزرے ہیں جو اجتہاد و روایت دونوں کے جامع تھے۔ لیکن شہرت اسی صنف کے ساتھ ہوئی جو اُنکا کمال غالب تھا۔ امام ابوحنیفہ کی تو حدیث میں کوئی تصنیف

[۱] کتاب الاوائل ابوہلال عسکری۔

نہین۔ تعجب ہے کہ امام مالک و امام شافعی بھی اس لقب کے ساتھ مشہور نہوئے۔ نہ اُنکی تصنیفوں کو وہ قبول عام حاصل ہوا جو صحاح ستہ کو ہوا۔ امام احمد بن حنبل۔ ان لوگون کی نسبت علم حدیث مین زیادہ نام آور ہین۔ اُنکی **مسند** کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ صحیح حدیثون کا اتنا بڑا مجموعہ اور کوئی نہین مل سکتا۔ لیکن جسقدر حدیث و روایت مین اُنکا زیادہ اعتبار ہے۔ اُسیقدر استنباط اور اجتہاد مین اُنکی نام آوری کم ہے۔ علامہ طبری نے جو خود بھی محدث اور مجتہد تھے مجتہدین مین اُنکا شمار نہین کیا[1]۔ قاضی ابن عبد البر نے کتاب الانتہار فی الثلثہ الفقہار۔ مین جو مجتہدین کے حالات مین ہے۔ امام ابو حنیفہ و امام مالک و امام شافعی پر اکتفا کی۔ امام رازی۔ مناقب الشافعی مین لکھتے ہین کہ "امام شافعی کے بعد کوئی مجتہد مطلق پیدا نہین ہوا" اگرچہ امام احمد حنبل۔ کی نسبت گروہ کثیر علما کی یہی رائے تھی کہ وہ اجتہاد کامل کا منصب رکھتے تھے۔ تاہم اُنکے اجتہاد پر اتفاق عام نہوا۔

مجتہد و محدث کی حیثیتین الگ الگ ہین

حقیقت یہ ہے کہ مجتہد و محدث۔ کی حیثیتین الگ الگ ہین **محدث**۔ مواعظ قصص۔ فضائل۔ سیر۔ ہر ایک قسم کی روایتون کا استقصا کرتا ہے۔ بخلاف اِسکے مجتہد کو زیادہ تر صرف اُن احادیث سے غرض ہوتی ہے جن سے کوئی حکم شرعی مستنبط ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ محدثین۔ کی نسبت مجتہدین ہمیشہ قلیل الروایۃ ہوے۔ موطا مین جو امام مالک کی تمام روایتون کا مجموعہ ہے۔ زیادہ سے زیادہ ہزار حدیثین ہین جنمین صحابہ

[1] طبقات المفسرین حافظ جلال الدین سیوطی۔ ترجمہ علامہ طبری۔

اور تابعین کے اقوال بھی شامل ہین۔ امام شافعی۔ نے امام احمد حنبل کے سامنے اکثر اعتراف کیا ہے کہ تم لوگ بہ نسبت ہمارے احادیث سے زیادہ واقف ہو۔ قاضی یحییٰ بن اکثم جو ترمذی کے شیخ ہین حسرت سے کہا کرتے تھے کہ اگر "امام شافعی۔ نے علم حدیث کیطرف پوری توجہ کی ہوتی تو ہم لوگون کو سب سے بے نیاز کردیا ہوتا" حافظ ابن حجر۔ نے توالی التاسیس مین جو امام شافعی۔ کے حالات مین ایک مختصر اور مفید رسالہ ہے جہان امام شافعی۔ کے شیوخ حدیث سے بحث کی ہے۔ خاتمہ پر لکھا ہے کہ "ولم یکثر من الشیوخ کعادۃ اھل الحدیث لاقبالہ علی الاشتغال بالفقہ" یعنی وہ بہت شیوخ سے نہین ملے۔ جیسا کہ اہل حدیث کی عادت ہے۔ کیونکہ انکو فقہ کا شغل رہتا تھا۔ حافظ ابن حجر۔ نے امام شافعی۔ کی نسبت قلت شیوخ کا جو سبب بیان کیا۔ امام ابوحنیفہ کی قلت روایت کا بھی وہی سبب ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ بعض لوگون نے اس دائرہ کو زیادہ وسیع کیا۔ اور عموماً اُنکی قلت روایت کے قائل ہوتے۔ یہ خیال کچھ نیا نہین ہے۔ اگلے زمانہ مین بھی بعض بعض لوگون کی یہ راے تھی اور وہی غلط فہمی آج تک چلی آتی ہے۔

اس سے انکار نہین ہوسکتا۔ کہ امام ابوحنیفہ۔ کے وہ واقعات جو منظر عام پر نمایان ہین اُن سے ایک ظاہر بین شخص ایسی ہی راے قایم کرسکتا ہے۔ حدیث مین اُنکی کوئی تصنیف موجود نہین۔ صحاح۔ مین بجز ایک دو روایت کے اُنکا نام تک نہین پایا جاتا۔

سلہ توالی التاسیس لحافظ ابن حجر۔ صفحہ ۵۶۔

سب سے زیادہ یہ کہ انکی شہرت اہل الراے کے لقب سے ہے جس سے متبادر ہوتا ہے کہ حدیث سے انکو کم تعلق تھا۔

اس قدر ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مغازی قصص۔ سیر۔ وغیرہ میں انکی نظر چندان وسیع نہ تھی۔ امام مالک۔ و امام شافعی۔ کا بھی یہی حال تھا۔ لیکن احکام و عقائد۔ کے متعلق امام ابوحنیفہ کو جو واقفیت اور تحقیق حاصل تھی اس سے انکار کرنا۔ صرف کم نظری اور ظاہر بینی کا نتیجہ ہے۔

خلفاے اربعہ کی قلت روایت

انکی تصنیف یا روایتوں کا مدوّن نہونا۔ قلت نظر کی دلیل نہیں ہو سکتا حضرت ابوبکر صدیق سے زیادہ کسی صحابی کو رسول اللہ کے ساتھ جلوت و خلوت میں رہنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا رسول اللہ کے اقوال و افعال سے جسقدر وہ واقف تھے اور کون ہو سکتا تھا۔ لیکن حدیث کی تمام کتابوں میں انکی روایت سے جسقدر صحیح حدیثیں ہیں اُن کی تعداد سترہ سے زیادہ نہیں[1]۔ کون شخص کہہ سکتا ہے کہ انکو صرف اسیقدر حدیثیں معلوم تھیں۔ حضرت ابوبکر کے بعد۔ عمر فاروق کا درجہ ہے۔ اُن سے بھی صرف پچاس حدیثیں مروی ہیں جنمیں سے بعض کا کافی ثبوت نہیں۔ حضرت عثمان۔ اور جناب امیر کا بھی یہی حال ہے۔ بخلاف انکے حضرت ابوہریرہ سے ۵۳۴۶۔ انس۔ سے ۲۲۸۶۔ عبداللہ بن عباس۔ سے ۲۶۶۰۔ جابر۔ سے ۲۵۴۰۔ عبداللہ بن عمر۔ سے جو رسول اللہ کے زمانہ میں نوجوان تھے

[1] مناقب الشافعی للامام الرازی۔ خلفاے اربعہ کی نسبت یہ تعداد میں نے امام شافعی کے قول کے موافق لکھی ہے۔ اور محدثین کے نزدیک اس سے زیادہ حدیثیں اُن لوگون سے مروی ہیں۔ تاہم اسقدر تعداد نہیں پہنچتی جسپر کثرت روایت کا اطلاق کیا جاسکے۔ ۱۲

۳۰-۲۴ حدیثیں مروی ہیں۔ اگر روایتوں کا موجود ہونا ہی معیار رہے۔ تو خلفائے اربعہ کی نسبت تسلیم کرنا پڑیگا کہ یا اُن کا حافظہ ضعیف اور نہایت ضعیف تھا۔ یا دانستہ اُنکو رسول اللہ کے اقوال وافعال کی طرف التفات اور توجہ نہ تھی۔ وحاشاہم عن ذلک۔

یہ سچ ہے کہ صحاح ستہ کے مصنفین نے امام صاحب سے روایت نہیں کی (دو روایتیں مستثنیٰ ہیں) لیکن اس الزام میں اور ائمہ بھی اُن کے شریک ہیں۔ امام شافعی کو بڑے بڑے محدثین۔ مثلاً امام احمد حنبل۔ اسحاق بن راہویہ۔ ابوثور حمیدی ابوزرعہ ابوحاتم۔ نے حدیث وروایت کا مخزن تسلیم کیا ہے۔ اُنکی سند سے صحیحین میں ایک بھی روایت موجود نہیں۔ بلکہ بخاری ومسلم نے کسی اور تصنیف میں بھی امام شافعی سے کوئی روایت نہیں کی۔ امام رازی۔ نے بخاری ومسلم کی اس بے اعتنائی کی بہت سی تاویلیں کی ہیں۔ مگر کوئی معقول بات نہیں بتا سکے۔ صحیحین۔ پر موقوف نہیں ترمذی۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ۔ نسائی۔ میں بھی بہت کم ایسی حدیثیں ہیں جنکے سلسلہ میں امام شافعی کا نام آیا ہو حقیقت یہ ہے کہ بعض محدثین نے۔ اعتماد در استناد کا جو معیار قائم کر دیا تھا اُسمیں اہل نظر۔ بلکہ اکثر لوگوں کے۔ لیے کم گنجائش تھی۔ علامہ قسطلانی نے شرح بخاری میں لکھا ہے۔ کہ امام بخاری فرمایا کرتے تھے۔ کہ "میں نے کسی ایسے شخص سے حدیث نہیں لکھی جسکا یہ قول نہ تھا کہ الایمان قول وعمل"[1] اگر یہ صحیح ہو تو امام ابوحنیفہ کی اُن کے دربار میں پہنچنے کی کیونکر امید ہو سکتی تھی۔

بخاری ومسلم نے امام شافعی کے واسطہ سے کوئی حدیث روایت نہیں کی

جو شخص ایمان کے حقیقت میں عمل کو داخل نہیں سمجھتا تھا امام بخاری اس سے روایت نہیں کرتے تھے۔

[1] حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے مقدمہ میں امام بخاری کا یہ قول نقل کیا ہے۔ ۱۲

امام بخاری نے۔ تاریخ کبیر۔ مین امام شافعی۔ کا ذکر کیا ہے۔ لیکن جس بے پروائی سے کیا ہے اُسکے لحاظ سے امام رازی۔ نے یہی غنیمت سمجھا کہ تضعیف نہین کی۔ چنانچہ امام شافعی۔ کے فضائل مین فرماتے ہین۔ واما الامام محمد بن اسمٰعیل البخاری فقد ذکر الشافعی فی تاریخہ الکبیر فقال فی باب محمد بن ادریس بن عبد اللہ محمد الشافعی القرشی مات سنۃ اربع ومائتین ثم انہ ماذکرہ فی باب الضعفاء مع علمہ بانہ کان قد روی شیئاً کثیراً من الحدیث ولو کان من الضعفاء فی ھذہ الباب لذکرہ یعنی "امام بخاری نے شافعی کا ذکر تاریخ کبیر۔ مین کیا ہے چنانچہ فلان باب مین لکھا ہے کہ محمد بن ادریس بن عبد اللہ محمد الشافعی القرشی نے سنہ ۲۰۴ھ مین وفات پائی۔ لیکن اُنکو ضعفا کے باب مین ذکر نہین کیا۔ حالانکہ امام بخاری جانتے تھے کہ شافعی نے بہت سی حدیثین روایت کی ہین۔ اور اگر وہ اس باب مین ضعیف ہوتے تو امام بخاری ضرور اُنکو ضعیف لکھتے"

امام اوزاعی۔ جو محدث اور مجتہد مستقل تھے اور بلاد شام مین اُنکا وہی اعزاز و اعتبار تھا جو عرب و عراق مین۔ امام مالک۔ و شافعی۔ کا۔ اُنکی نسبت کسی نے امام احمد حنبل۔ سے راے پوچھی۔ فرمایا کہ "حدیثہٗ ضعیفٌ ورائہٗ ضعیفٌ"[1]

لطف یہ ہے کہ مجتہدین۔ جس چیز پر فخر کر سکتے ہین وہ دقت نظر۔ قوت استنباط۔ استخراج مسائل۔ تفریع احکام ہے۔ لیکن محدثین کے ایک گروہ کے نزدیک یہی

[1] مناقب الشافعی امام الرازی۔ باب رابع۔ ۱۲

باتین عیب و نقص مین داخل ہین۔ علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری۔ قاضی ابو یوسف کے ذکر مین لکھتے ہین کہ "اہل حدیث مین سے ایک گروہ نے انکی روایت سے اس بنا پر احتراز کیا ہے کہ ان پر رائے غالب تھی اور فروع احکام کی تفریع کرتے تھے۔ ان باتون کے ساتھ بادشاہ کی صحبت مین رہتے تھے اور منصب قضا پر مامور تھے" [1] اگر فروع اور احکام کا استنباط بھی جرم ہے تو بے شبہ امام ابوحنیفہ۔ قاضی ابو یوسف سے زیادہ مجرم ہین۔

البتہ یہ بات غور کے قابل ہے کہ امام ابوحنیفہ۔ اور انکے اتباع کو کیون اہل الرائے کہا جاتا تھا۔ اس باب مین اکثر لوگون نے غلطی کی ہے جسکی وجہ یہ ہے کہ انہون نے شہرت عام کے مقابلہ مین تحقیق کی پروا نہ کی۔

اہل الرائے کی تحقیق۔ ربیعۃ الرائے۔

اس بحث کے تصفیہ کے لیے سب سے پہلے یہ پتہ لگانا چاہیئے کہ یہ لقب کب ایجاد ہوا اور کن لوگون پر اطلاق کیا گیا۔ جہانتک ہمکو معلوم ہے اس لقب کے ساتھ اوّل جسکو یہ امتیاز حاصل ہے وہ ربیعۃ الرائے ہین جو امام مالک کے استاد اور شیخ الحدیث تھے۔ رائے کا لفظ انکے نام کا جزو بنگیا ہے اور تاریخ و اسماء الرجال مین ہمیشہ انکا نام ربیعۃ الرائے لکھا جاتا ہے۔ یہ مشہور محدث اور فقیہ تھے۔ اور بہت سے صحابہ سے ملے تھے۔ علامہ ذہبی۔ نے میزان الاعتدال مین انکا ذکر ان لفظون سے کیا ہے "تمام اصحاب کتب۔ (یعنی صحاح ستہ) نے ان سے احتجاج کیا ہے۔ عبد العزیز ماجشون کا قول ہے کہ واللہ مین نے ربیعہ سے زیادہ کسی کو حافظ الحدیث نہین دیکھا"

---

[1] تاریخ ابن خلکان۔ ترجمہ قاضی ابو یوسف۔ ۱۲

اسی زمانہ مین اور اُنکے بعد اور لوگ بھی اس لقب سے پکارے گئے۔ محدث بن قتیبہ نے کتاب المعارف مین اہل الرائے کی سُرخی سے ایک باب باندھا ہے۔ اور عنوان کے نیچے یہ نام لکھے ہین۔ ابن ابی لیلی۔ ابوحنیفہ۔ ربیعۃ الرائے۔ زفر۔ اوزاعی۔ سفیان ثوری۔ مالک بن انس۔ ابو یوسف قاضی۔ محمد بن حسن ۔ ابن قتیبہ نے ۲۷۶ھ مین وفات پائی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کم از کم تیسری صدی تک مذکورہ بالا لوگ اہل الرائے کے لقب سے مشہور تھے۔ اگرچہ یہ سب لوگ درحقیقت (زفر کے سوا) محدث ہین لیکن امام مالک۔ سفیان ثوری۔ امام اوزاعی۔ کی شہرت تو محتاج بیان نہین۔

جولوگ اہل الرائے کے لقب سے مشہور تھے۔

اصل یہ ہے کہ جو لوگ علم حدیث کی درس و تدریس مین مشغول تھے اُنمین دو فرقے قائم ہو گئے تھے۔ ایک وہ جنکا کام صرف حدیثون اور روایتون کا جمع کرنا تھا۔ وہ حدیث سے صرف من حیث الروایۃ بحث کرتے تھے۔ یہانتک کہ اُنکو ناسخ و منسوخ سے بھی کچھ سروکار نہ تھا۔ دوسرا فرقہ حدیثون کو۔ استنباط احکام۔ اور استخراج مسائل۔ کے لحاظ سے دیکھتا تھا۔ اور اگر کوئی نص صریح نہین ملتی تھی تو قیاس سے کام لیتا تھا اگرچہ یہ دونون حیثیتین دونون فریق مین کسی قدر مشترک تھین۔ لیکن وصف غالب کے لحاظ سے ایک دوسرے سے ممتاز تھا۔ پہلا فرقہ۔ اہل الروایۃ۔ اور اہل الحدیث۔ اور دوسرا فرقہ مجتہد اور اہل الرائے کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ امام مالک۔ سفیان ثوری اوزاعی اسلیے اہل الرائے کہلائے کہ وہ محدث ہونے کے ساتھ مجتہد مستقل اور بانی مذہب تھے۔ لیکن چونکہ ان لوگون مین۔ بھی معلومات حدیث اور قوت اجتہاد کے لحاظ سے اختلاف

محدثین مین دو گروہ تھے۔

مزاتب تھا۔ اسلیے اضافی طور پر کبھی کبھی اس فرقہ مین سے ایک کو اہل الراے اور دوسرے کو اہلِ حدیث کہتے تھے۔ مثلاً امام مالک کی بہ نسبت امام ابوحنیفہ پر مجتہد اور اہل الراے کا لقب زیادہ موزون تھا۔ امام احمد بن حنبل سے ایک بار نصر بن یحییٰ۔ نے پوچھا کہ آپ لوگونکو ابوحنیفہ پر کیا اعتراض ہے؟ اُنہون نے جواب دیا کہ "راے"۔ نصر نے کہا کہ کیا امام مالک راے۔ پر نہین عمل کرتے۔ امام احمد بن حنبل۔ بولے کہ ہان۔ لیکن ابوحنیفہ۔ راے کو زیادہ دخل دیتے ہین۔ نصر۔ نے کہا تو حصّہ رسدی کے موافق دونون پر الزام آنا چاہیئے نہ صرف ایک پر۔ امام احمد حنبل۔ کچھ جواب نہ دیسکے اور چپ ہو گئے۔[1]

امام ابوحنیفہ سے پہلے فقہ۔ کوئی مستقل اور مرتب فن نہ تھا۔ امام صاحب نے جب اُسکی تدوین کیطرف توجہ کی تو ہزارون مسئلے ایسے پیش آئے جنمین کوئی حدیث صحیح۔ بلکہ صحابہ کا قول بھی موجود نہ تھا۔ اس لیے اُنکو قیاس سے کام لینا پڑا۔ قیاس پر۔ گو پہلے بھی عمل تھا خود صحابہ قیاس کرتے تھے اور اُسکے مطابق فتوے دیتے تھے (اس کا مفصل بیان آئے گا۔) لیکن اُسوقت تک تمدن کو چندان وسعت حاصل نہ تھی۔ اسلیے نہ کثرت سے واقعات پیش آتے تھے نہ چندان قیاس۔ کی ضرورت پڑتی تھی۔ امام صاحب نے فقہ کو مستقل فن بنانا چاہا تو قیاس کی کثرت استعمال کے ساتھ اُسکے اصول و قواعد بھی مرتب کرنے پڑے۔ اس بات نے اُنکو راے اور قیاس۔ کے انتساب سے زیادہ شہرت دی۔ چنانچہ تاریخون مین جہان اُنکا نام لکھا جاتا ہے امام اہل الراے۔ لکھا جاتا ہے۔

امام صاحب کے اہل الراے کے لقب سے مشہور ہونے کی وجہ۔

---

[1] عقود الجمان۔ خاتمہ۔ فصل اوّل۔ ۱۲

ایک اور وجہ

اس شہرت کی ایک اور وجہ ہوئی۔ عام محدثین۔ حدیث و روایت مین **درایت** سے بالکل کام نہین لیتے تھے۔ امام ابوحنیفہ۔ نے اُسکی ابتدا کی۔ اور اُسکے اصول و قواعد منضبط کیے اُنہون نے بہت سی حدیثین اس بنا پر قبول نہ کین کہ اصولِ درایت کے موافق ثابت نہ تھین اس لیے اس لقب کو زیادہ شہرت ہوئی۔ کیونکہ درایت۔ اور راے مترادف سے الفاظ ہین اور کم از کم یہ کہ عام لوگ ان دونون مین فرق نہین کر سکتے تھے۔

امام ابوحنیفہ کا محدث اور حافظ الحدیث ہونا۔

ان عارضی بحثون کے بعد ہم اصل مسئلہ پر متوجہ ہوتے ہین یعنی یہ کہ امام ابوحنیفہ۔ کو فنِ حدیث مین کیا رتبہ حاصل تھا۔ اس بحث کے فیصلہ کے لیے اُنکی علمی زندگی کے اُن واقعات پر نظر ڈالنی چاہیے جو نہایت صحیح اور مستند روایتون سے ثابت ہین۔ اس کتاب کے پہلے حصّہ مین ہم امام ابوحنیفہ کی تحصیل حدیث کے حالات۔ اُن کتابون کی سند سے لکھ آئے ہین جنپر فن رجال کا دار و مدار ہے۔ اب غور کرو کہ جس شخص نے بلیس برس کی عمر سے جو فہم کی درستی اور پختگی کا زمانہ ہے۔ علمِ حدیث پر توجہ کی ہو۔ اور ایک مدت تک اس شغل مین مصروف رہا ہو۔ جسنے کوفہ۔ کے مشہور شیوخ حدیث سے حدیثین سیکھی ہون۔ جو حرمِ محترم۔ کی درسگاہون مین برسون تحصیل حدیث کرتا رہا ہو جسکو مدینہ منورہ۔ کے شیوخ نے سندِ فضیلت دی ہو جسکے اساتذہ حدیث۔ عطا بن ابی رباح۔ نافع بن عمر۔ عمر بن دینار۔ محارب بن دثار۔ اعمش کوفی۔ امام باقرؒ۔ علقمہ بن مرثد۔ مکحول شامی۔ امام اوزاعی۔ محمد بن مسلم الزہری۔ ابو اسحٰق السبیعی۔ سلیمان بن یسار۔ عبد الرحمن بن ہرمز الاعرج۔ منصور المعتمر۔ ہشام بن عروہ۔ وغیرہ ہون۔ جو فنِ روایت کے ارکان ہین۔ اور جنکی روایتون سے بخاری و مسلم مالامال ہین۔ وہ حدیث

میں کس رتبہ کا شخص ہوگا ؟

اسکے ساتھ امام صاحب کے شاگردوں پر لحاظ کرو[1] یحییٰ بن سعید القطان جو فن جرح و تعدیل کے امام ہیں۔ عبدالرزاق بن ہمام جنکی جامع کبیر سے امام بخاری نے فائدہ اٹھایا ہے۔ یزید بن ہارون جو امام احمد حنبل کے استاد تھے۔ وکیع بن جراح جنکی نسبت امام احمد حنبل کہا کرتے تھے کہ حفظ۔ اسناد۔ روایت میں میں نے انکا ہمسر کسیکو نہیں دیکھا عبداللہ بن المبارک۔ جو فن حدیث میں **امیر المومنین** تسلیم کیے گئے ہیں یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ۔ جنکو علی بن المدینی۔ (استاد بخاری) منتہاے علم کہا کرتے تھے۔ یہ لوگ برائے نام امام صاحب کے شاگرد نہ تھے بلکہ برسوں انکے دامن فیض میں تعلیم پائی تھی۔ اور اس انتساب پر انکو فخر و ناز تھا۔ عبداللہ بن المبارک کہا کرتے تھے کہ اگر خدا نے ابوحنیفہ و سفیان ثوری سے میری مدد نہ کی ہوتی تو میں ایک معمولی آدمی ہوتا[2]۔ وکیع۔ اور یحییٰ بن ابی زائدہ۔ امام صاحب کی صحبت میں اتنی مدت تک رہے تھے کہ صاحب ابی حنیفہ کہلاتے تھے۔ کیا اس رتبہ کے لوگ جو خود حدیث و روایت کے پیشوا و مقتدا تھے۔ کسی معمولی شخص کے سامنے سر جھکا سکتے تھے۔؟

اجتہاد کی شرائط اور امام ابوحنیفہ کا مجتہد مطلق ہونا۔

ان باتوں کے علاوہ امام ابوحنیفہ۔ کا مجتہد مطلق ہونا ایک ایسا مسلم مسئلہ ہے جس سے بارہ سو برس کی مدت میں شاید ایک آدھ ہی شخص نے انکار کیا ہو۔ اجتہاد کی تعریف۔ علمائے حدیث مثلاً بغوی۔ رافعی۔ علامہ نووی۔ وغیرہ نے ان لفظوں میں کی ہے " مجتہد وہ شخص ہے

[1] ان لوگونکا تذکرہ اس کتاب کے خاتمہ میں کسیقدر تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے [2] تہذیب التہذیب۔ ترجمہ امام ابوحنیفہ

جو قرآن - حدیث - مذاہب سلف - لغت - قیاس - ان پانچ چیزون مین کافی دستگاہ رکھتا ہو یعنی مسائل شرعیہ کے متعلق جسقدر قرآن مین آیتین ہین - جو حدیثین رسول اللہ سے ثابت ہین جسقدر علم لغت درکار ہے - سلف کے جو اقوال ہین - قیاس کے جو طرق ہین - قریب کل کے جانتا ہو - اگر انمین سے کسی مین کمی ہے تو وہ مجتہد نہین ہے اور اوس کو تقلید کرنی چاہیے [1]"

اسی بنا پر علامہ ابن خلدون - نے مفصل علوم الحدیث - مین مجتہدین کا ذکر کرکے لکھا ہے کہ "بعض ناانصاف مخالفین کا قول ہے کہ ان مجتہدون مین سے بعض فن حدیث مین کم مایہ تھے - اسلیے انکی روایتین کم ہین - لیکن یہ خیال غلط ہے - ائمہ کبار کی نسبت یہ گمان نہین کیا جاسکتا - کیونکہ شریعت - قرآن وحدیث - سے ماخوذ ہے - پس جو شخص حدیث مین کم مایہ ہے اُسکو تلاش اور کوشش کرنی چاہیے تاکہ دین کو اصول صحیحہ سے اخذ کرسکے" اسکے بعد علامہ موصوف لکھتے ہین کہ "فن حدیث مین امام ابوحنیفہ کا کبار مجتہدین مین ہونا اس سے ثابت ہے کہ انکا مذہب محدثین مین معتبر خیال کیا جاتا ہے اور رداً وقبولاً اس سے بحث کیجاتی ہے [2]" علامہ موصوف نے اسکا سبب بھی بتایا ہی - کہ امام ابوحنیفہ - کی روایتین کم کیون ہین ہم خود اسکو مفصل لکھین گے -

[1] عقد الجید شاہ ولی اللہ صاحب - بحث حقیقت اجتہاد - [2] تعجب ہوکہ اس تصریح کے ہوتے ہوئے بعض کوتاہ بینون نے امام صاحب کی ناواقفیت حدیث پر - ابن خلدون کے ایک ضمنی قول سے استدلال کیا ہی جسکو خود ابن خلدون نے ایسے لفظون سے بیان کیاہے جو ضعف اور عدم وثوق پر دلالت کرتا ہے - ۱۲

محدثین میں بھی اکثرون نے اسکا اعتراف کیا ہے۔ علامہ ذہبی نے جو زمانہ ما بعد کے تمام محدثین کے پیشوا اور امام ہین۔ حفاظ حدیث۔ کے حالات مین ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ دیباچہ مین لکھتے ہین کہ "یہ اُن لوگون کا تذکرہ ہے جو علم نبوی کے حامل ہین اور جنکے اجتہاد پر۔ توثیق اور تضعیف۔ تصحیح و تزییف۔ مین رجوع کیا جاتا ہے" علامہ موصوف نے تمام کتاب مین اس اصول کو ملحوظ رکھا ہے۔ اور کسی ایسے شخص کا حال نہین لکھا جو علم حدیث کا بڑا ماہر نہو۔ چنانچہ خارجہ بن زید بن ثابت۔ کا ضمناً ایک موقع پر ذکر آگیا ہے تو لکھتے ہین۔ کہ "مین نے انکو حفاظ حدیث مین اسلیے ذکر نہین کیا کہ وہ قلیل الحدیث تھے" امام ابوحنیفہ۔ کے محدث ہونے کا اس سے زیادہ کیا ثبوت درکار ہے کہ علامہ ذہبی۔ نے اس کتاب مین انکا ترجمہ لکھا ہے۔ اور انکو حفاظ حدیث سے شمار کیا ہے۔

حافظ ابوالمحاسن دمشقی شافعی نے عقود الجمان مین ایک خاص باب باندھا ہے جسکے یہ الفاظ ہین الباب الثالث والعشرون۔ فی بیان کثرۃ حدیثہ وکونہ من اعیان الحفاظ المحدثین۔ یعنی تیئسوان باب اس بیان مین کہ وہ (امام ابوحنیفہ) کثیر الحدیث اور اعیان الحفاظ سے تھے" قاضی ابویوسف صاحب جنکو یحییٰ بن معین۔ صاحب الحدیث کہتے تھے اور علامہ ذہبی۔ نے انکو حفاظ حدیث مین محسوب کیا ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ "ہم لوگ امام ابوحنیفہ سے مسائل مین بحث کرتے ہوتے تھے جب انکی راے قائم ہوجاتی تھی تو مین حلقہ درس سے اٹھکر کوفہ کے محدثین کے پاس جاتا تھا۔ اور اُن سے اُس مسئلہ کے متعلق حدیثین دریافت کرکے امام صاحب کی خدمت مین حاضر ہوتا تھا

محدث ذہبی نے امام ابوحنیفہ کو حفاظ حدیث مین محسوب کیا ہے۔

امام صاحب اُن حدیثون مین سے بعض کو قبول کرتے تھے۔ بعض کو فرماتے تھے کہ صحیح نہین - مین پوچھتا کہ آپ کو کیونکر معلوم ہوا۔ فرماتے کہ کوفہ مین جو علم ہے مین اسکا عالم ہون[۱]"

یہ تمام باتین اسبابت کی شاہد ہین کہ علم حدیث مین **امام ابوحنیفہ** کا کیا پایہ تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان باتون نے امام ابوحنیفہ کو امام ابوحنیفہ نہین بنایا۔ اگر وہ حافظ الحدیث تھے تو اور لوگ بھی تھے۔ اگر اُنکے شیوخِ حدیث کئی سو تھے تو بعض ائمہ سلف کے شیوخ کئی کئی ہزار تھے۔ اگر انہون نے کوفہ وحرمین کی درسگاہون مین تعلیم پائی تھی تو اورون نے بھی یہ شرف حاصل کیا تھا۔ امام ابوحنیفہ۔ کو جس بات نے تمام ہمعصرون مین امتیاز دیا وہ اور چیز ہے۔ جو ان سب باتون سے بالاتر ہے۔ یعنی احادیث کی تنقید اور بلحاظ ثبوتِ احکام۔ اُنکے مراتب کی تفریق۔ امام ابوحنیفہ کے بعد۔ علم حدیث کو بہت ترقی ہوئی۔ غیر مرتب اور پریشان حدیثین یکجا کی گئین۔ صحاح کا التزام کیا گیا۔ اصولِ حدیث کا مستقل فن قائم ہوگیا۔ جسکے متعلق سیکڑون بیش بہا کتابین تصنیف ہوئین۔ زمانہ اسقدر ترقی کر گیا ہے۔ باریک بینی اور دقت آفرینی کی کوئی حد نہین رہی۔ تجربہ اور دقتِ نظر نے سیکڑون نئے نکتے ایجاد کیے۔ لیکن تنقید احادیث اصولِ درایت۔ امتیازِ مراتب۔ مین امام ابوحنیفہ کی تحقیق کی جو حد ہے آج بھی ترقی کا قدم اُس سے آگے نہین بڑھتا۔

اِس اجمال کی تفصیل اُسوقت سمجھ مین آسکتی ہے کہ فنِ حدیث کی آغاز اور طرز ترقی -

---

[۱] عقود الجمان - ۱۲

کا اجمالی نقشہ کھینچا جاے۔ جس سے ظاہر ہو کہ روایتون کا سلسلہ کیونکر پیدا ہوا۔ اور کس کس دور مین اُسکی کیا کیا حالتین بدلین۔ اسی سے اس بات کا اندازہ ہو سکیگا کہ احادیث کی تنقید مین اجتہاد و راے کا کس قدر کام ہے اور امام ابو حنیفہ کو اس لحاظ سے اپنے تمام ہم فنون مین کیا خاص امتیاز حاصل ہے۔

سلسلہ حدیث کی مختصر تاریخ

اسناد و روایت کا سلسلہ اگرچہ رسول اللہ کے عہد مبارک ہی مین شروع ہو چکا تھا لیکن اُسوقت تک جسقدر تھا نہایت سادہ اور قدرتی صورت مین تھا۔ آغاز نبوت سے تیرہ برس کا زمانہ تو ایسا پُر آشوب زمانہ تھا کہ صحابہ کو اپنی جان کی پڑی تھی۔ اسناد و روایت کا کہان موقع تھا۔ اسی ضرورت سے احکام و فرائض بھی کم تھے۔ یعنی نماز کے سوا اور کچھہ فرض نہوا تھا۔ کیونکہ اس زحمت مین اور فرائض کی تکلیف۔ تکلیف مالایطاق سے کم نہ تھی۔ نمازین بھی مختصر تھین۔ یعنی ظہر۔ عصر۔ عشا سب مین صرف دو رکعتین فرض تھین۔ جمعہ و عیدین سرے سے مامور بہ نہ تھے۔ سنہ ۲ ہجری مین یعنی نبوت سے پندرہوین برس روزے فرض ہوے۔ زکوٰۃ کی نسبت اختلاف ہے۔ علامہ ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ سنہ ۹ھ مین فرض ہوئی۔ حج کا حکم بھی اسی سنہ مین ہوا۔ غرض آغاز نبوت سے ایک مدت تک۔ نماز کے سوا اور احکام صادر ہوے تھے نہ اُنکے متعلق حدیثین اور روایتین پیدا ہوئی تھین۔ صحابہ۔ مسائل و احکام کے متعلق زیادہ پرسش و جو نہین کرتے تھے۔ خود قرآن مین حکم آچکا تھا۔ لا تسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسوءکم۔ عبداللہ بن عباس فرمایا کرتے تھے کہ مین نے رسول اللہ کے اصحاب سے کسی قوم کو بہتر نہین دیکھا۔ تمام زمانہ نبوت مین صرف ۱۳ مسئلے رسول اللہ

سے پوچھے جو سب قرآن مین مذکور ہین[1]" اور صحابہ سے بھی اسی قسم کے اقوال منقول ہین۔

جو احکام اور واقعات پیش آتے تھے انہین بھی روایت کا سلسلہ کم جاری ہوا تھا۔ صحابہ خود رسول اللہ سے پوچھ لیا کرتے تھے۔ اور واسطہ در روایت کی کم ضرورت پڑتی تھی۔ حدیثون کی قلمبند کرنے کی اجازت نہ تھی۔ صحیح مسلم مین روایت ہے کہ لا تکتبوا عنی شیئا الا القرآن ومن کتب عنی شیئا غیر القرآن فلیمحہ۔ رسول اللہ کے بعد حضرت ابوبکر۔ کی خلافت شروع ہوئی۔ اور ابتدا ہی مین عرب کی بغاوت عام کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس سے فارغ ہو کر روم و ایران کی مہمین شروع ہوگئین۔ اور انکی مختصر خلافت مین حدیثون کی چندان اشاعت نہ ہو سکی۔ حضرت عمر۔ نے سات برس خلافت کی اور ملک مین نہایت امن و امان رہا۔ لیکن وہ دانستہ حدیثون کی کثرت کو روکتے رہے۔ علامہ ذہبی۔ نے طبقات الحفاظ مین لکھا ہے

حضرت عمر کثرت روایت کو روکتے تھے

کہ حضرت عمر۔ اس خوف سے کہ حدیث بیان کرنیوالے رسول اللہ کی طرف غلط روایت منسوب نکر دے۔ صحابہ کو ہمیشہ حکم دیتے تھے کہ حدیثین کم بیان کیا کرین[2]"۔ ایک بار انصار کے ایک گروہ کو کوفہ بھیجا۔ چلتے وقت اُن سے فرمایا کہ "تم لوگ کوفہ جارہے ہو۔ وہان ایک قوم سے ملوگے جو بڑی رقت سے قرآن تلاوت کرتے ہین۔ وہ تمہاری آمد سُنکر مشتاق ہونگے کہ رسول اللہ کے اصحاب آئے ہین۔ رسول اللہ کے اصحاب آئے ہین۔ لیکن جب وہ تمہارے پاس آئین اور حدیثین سُننی چاہین تو زیادہ حدیثین نہ بیان

[1] مسند دارمی۔ ۱۲ [2] طبقات الحفاظ ترجمہ حضرت عمر۔ ۱۲

کرنا۔" اسیطرح عراق۔ کو صحابہ جانے لگے تو حضرت عمرؓ نے خود انکی مشایعت کی۔ اور اُن سے پوچھا کہ "جانتے ہو! مین کیون تمہارے ساتھ آرہا ہون" لوگون نے کہا تکرمۃ علینا۔ یعنی ہماری عزت افزائی کے لیے" فرمایا کہ" ہان لیکن ایک اور مقصد ہے۔ وہ یہ کہ جہان جارہے ہو وہان لوگ اکثر قرآن کی تلاوت کیا کرتے ہین۔ انکو حدیثو نمین نہ پھنسا لینا اور رسول اللہ سے کم روایت کرنا۔" چنانچہ جب یہ لوگ **قرظہ** پہنچے۔ تو لوگ یہ سُنکر کہ صحابہ تشریف لائے ہین زیارت کو آئے۔ اور حدیثون کی خواہش ظاہر کی۔ ان لوگون نے اس بنا پر انکار کیا کہ "حضرت عمرؓ نے منع کیا ہے"[۱] حضرت ابو ہریرہ۔ سے ابو سلمہ۔ نے پوچھا کہ آپ حضرت عمرؓ کے زمانہ مین بھی اسطرح حدیثین روایت کیا کرتے تھے۔ بولے کہ "نہین ورنہ عمرؓ درّے سے مارتے[۲]"

حضرت عثمانؓ۔ و حضرت علیؓ۔ کی مجموعی خلافت بیس اکیس برس رہی۔ اسمین احادیث کی زیادہ اشاعت ہوئی۔ صحابہ دور دور پہنچ گئے تھے۔ ضرورتین بڑہتی جاتی تھین۔ نئی نئی مسئلے پیش آتے تھے۔ ان اسباب نے حدیث و روایت کے سلسلہ کو بہت کچھ وسعت دی حضرت عثمانؓ کے اخیر زمانہ مین بغاوت ہوئی۔ جسکا خاتمہ خلیفہ وقت کی شہادت پر ہوا۔ اور یہ پہلا موقع تھا کہ جماعت اسلام مین فرقہ بندیان قائم ہوئین۔ حضرت علیؓ۔ کی خلافت شروع ہی سے پُر آشوب رہی۔ ان اختلافات اور فتن کے ساتھ وضع احادیث کی ابتدا ہوئی اور اگرچہ کثرت اور انتشار زیادہ تر زمانہ مابعد مین ہوا۔ لیکن خود صحابہ کے عہد مین

---

[۱] مسند دارمی ص ۵۴ طبقات الحفاظ۔ ترجمہ حضرت عمر فاروقؓ۔ [۲] طبقات الحفاظ۔ ترجمہ عمر فاروقؓ۔

حدیثوں کا وضع کیا جانا۔

اہل بدعت نے سیکڑون ہزارون حدیثین۔ ایجاد کر لی تھین۔ مقدمہ صحیح مسلم مین ہر کہ ایکبار بشیر عدوی۔ حضرت عبد اللہ بن عباس کے پاس آیا اور حدیث بیان کرنی شروع کی۔ اُنہون نے کچھ خیال نہ کیا بشیر نے کہا ابن عباس! مین رسول اللہؐ سے روایت کر رہا ہون اور تم متوجہ نہین ہوتے" فرمایا کہ "ایک زمانہ مین ہمارا یہ حال تھا کہ کسیکو قال رسول اللہ کہتے سُنتے تھے تو فوراً ہماری نگاہین اُٹھ جاتی تھین اور کان لگا کر سُنتے تھے۔ لیکن جب سے لوگون نے نیک و بد مین تمیز نہین رکھی ہم صرف اُن حدیثون کو سُنتے ہین جنکو ہم خود بھی جانتے ہین"

زبانی روایت سے گزر کر تحریرون مین بھی جعل شروع ہو گیا تھا۔ مسلم نے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ عبد اللہ بن عباس۔ حضرت علیؓ۔ کے ایک فیصلہ کی نقل لے رہے تھے۔ بیچ بیچ مین الفاظ چھوڑتے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ "واللہ علیؓ۔ نے ہرگز یہ فیصلہ نہین کیا ہو گا" اسیطرح ایک اور دفعہ عبد اللہ بن عباس۔ نے حضرت علیؓ۔ کی ایک تحریر دیکھی تو تھوڑے سے الفاظ کے سوا باقی سب عبارت مٹا دی۔

وضع حدیث اور روایت مین بے احتیاطی کے اسباب

لوگون کو وضع حدیث کی زیادہ جرأت اس وجہ سے ہوتی تھی کہ اُسوقت تک اسناد و روایت کا طریقہ جاری نہین ہوا تھا۔ جو شخص چاہتا تھا قال رسول اللہ کہدیتا تھا اور اثبات سند کے مواخذہ سے بری رہتا تھا۔ ترمذی۔ نے کتاب العلل مین امام بن سیرین سے روایت کی ہے کہ "پہلے زمانہ مین لوگ اسناد نہین پوچھا کرتے تھے۔ جب فتنہ پیدا ہوا تو اسناد کی پوچھ گچھ ہوئی۔ تاکہ اہل سنت کی حدیثین لیجائین اور اہل بدعت کی ترک

کیجاتی ہین "۔ لیکن **حدیث** کی لے اعتبار ہی اہل بدعت پر موقوف نہ تھی۔ اس لیے یہ احتیاط چندان مفید نہوئی۔ اور غلطیون کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

بنو امیہ۔ کا دور شروع ہوا اور بڑے زور شور سے حدیث نے ترویج پائی صحابہ کی تعداد جسقدر کم ہوتی جاتی تھی۔ اُسیقدر۔ اُنکی قدر اور اُنکی طرف التفات بڑھتا جاتا تھا۔ تمدن مین بہت کچھ ترقی ہوگئی تھی۔ نئی نئی قومین مسلمان ہوتی جاتی تھین۔ ان نومسلمونکو ادھر تو اسلام کا نیا نیا جوش تھا۔ اُدھر قوم فاتح کے مجمع مین عزت و اثر پیدا کرنیکی اس سے بڑھکر کوئی تدبیر نہ تھی۔ ان باتون نے انکو معلومات مذہبی کا اسقدر شائق بنا دیا تھا کہ خود عرب۔ اُنکی ہمسری کا دعوی نہین کرسکتے تھے۔ غرض تمام ممالک اسلامیہ مین گھر گھر حدیث و روایت کے چرچے پھیل گئے اور سیکڑون ہزارون درسگاہین قائم ہوگئین۔

لیکن جسقدر اشاعت کو وسعت حاصل ہوتی جاتی تھی۔ اعتماد اور صحت کا معیار کم ہوتا جاتا تھا۔ ارباب روایت کا دائرہ اسقدر وسیع تھا کہ اُسمین مختلف خیال۔ مختلف عادات۔ مختلف عقائد۔ مختلف قوم کے لوگ شامل تھے۔ اہل بدعت جابجا پھیل گئے تھے۔ اور اپنے مسائل کی ترویج مین مصروف تھے۔ سب سے زیادہ یہ کہ پوری ایک صدی گذر جانے پر بھی کتابت کا طریقہ مروج نہین ہوا تھا۔ ان اسباب سے روایتون مین اسقدر بے احتیاطیان ہوئین کہ موضوعات اور اغالیط۔ کا ایک دفتر بے پایان طیار ہوگیا۔ یہانتک کہ امام بخاری نے اپنے زمانہ مین صحیح حدیثون کو جدا کرنا چاہا تو کئی لاکھ مین سے انتخاب کرکے جامع صحیح لکھی جسمین کل ۷۳۹۷ حدیثین ہین۔ اُسمین بھی اگر مکررات نکال ڈالی جائین تو صرف ۲۷۶۱ حدیثین باقی

زنادقہ نے چودہ ہزار حدیثیں وضع کیں۔

ایک شخص نے چار ہزار حدیثیں وضع کیں۔

رہتی ہیں۔

سیکڑوں ہزاروں بلکہ لاکھوں حدیثیں دانستہ لوگوں نے وضع کرلیں۔ حماد بن زید کا بیان ہے کہ چودہ ہزار حدیثیں صرف ایک فرقہ زنادقہ[1] نے وضع کرلیں۔ عبدالکریم وضاع نے خود تسلیم کیا تھا کہ چار ہزار حدیثیں اُسکی موضوعات سے ہیں[2]۔ بہت سے ثقات اور پارسا تھے جو نیک نیتی سے فضائل اور ترغیب میں حدیثیں وضع کرتے تھے حافظ زین الدین عراقی لکھتے ہیں کہ "ان حدیثوں نے بہت ضرر پہنچایا کیونکہ ان واضعین کی ثقہ اور تورع وزہد کیوجہ سے یہ حدیثیں اکثر مقبول ہوگئیں اور رواج پاگئیں۔

وضع کے بعد۔ تسابلات۔ غلط فہمیاں۔ بے احتیاطیوں کا درجہ تھا۔ جسکی وجہ سے ہزاروں اقوال رسول اللہ کی طرف بے قصد منسوب ہوگئے۔ بعض محدثین۔ کا قاعدہ تھا کہ حدیث کے ساتھ۔ حدیث کی تفسیر بھی بیان کرتے جاتے تھے اور اکثر حروف تفسیر حذف کردیتے تھے۔ جس سے سامعین کو دھوکا ہوتا تھا اور وہ اُن کے تفسیری جملوں کو بھی حدیث مرفوع سمجھ لیتے تھے۔ تعجب یہ ہے کہ اس قسم کے مسامحات بڑے بڑے ایمہ فن سے صادر ہوئے۔ امام زہری۔ جو امام مالک کے اُستاد۔ اور حدیث کے ایک بڑے رکن تھے انکی نسبت علامہ سخاوی لکھتے ہیں وکذا کان الزہری یفسر الحدیث کثیرا وربما اسقط اداۃ التفسیر۔ یعنی "اسیطرح۔ زہری۔ اکثر حدیث کی تفسیر کرتے تھے اور وہ حروف جن سے اُس عبارت کا تفسیر ہونا ظاہر ہو۔ چھوڑ دیا کرتے تھے۔" وکیع۔ کا بھی یہی حال تھا۔ وہ اکثر

---

[1] فتح المغیث صفحہ ۱۰۸ – [2] فتح المغیث صفحہ ۱۰۸ –

حدیث کے بیچ بیچ مین "یعنی" کہکر مطلب بیان کرتے جاتے۔ اور اکثر "یعنی" کا لفظ چھوڑ دیتے تھے جس سے سامعین کو اشتباہ ہوتا تھا۔ کتب رجال و اصول حدیث مین اس قسم کی اور بہت سی مثالین ملتی ہین۔

بڑی آفت تدلیس کی تھی جسکا ارتکاب بڑے بڑے ائمہ فن کرتے تھے۔ اس تدلیس نے اسناد کے اتصال کو بالکل مشتبہ کر دیا تھا۔ انکے سوا اور بہت سی احتیاطیان تھین جنکی تفصیل حدیث کی کتابون مین ملسکتی ہے۔

غرض **امام ابو حنیفہ** کے زمانہ مین احادیث کا جو دفتر طیار ہوچکا تھا ہزارون۔ موضوعات اغالیط۔ ضعفات۔ مدرجات۔ سے بھرا ہوا تھا۔ اُسوقت امام بخاری۔ مسلم۔ نہ تھے۔ جو صحیح حدیثون کے انتخاب کی کوشش کرتے۔ امام ابو حنیفہ گو مہمات فقہ کی وجہ سے اسطرف متوجہ نہو سکے۔ تاہم انہون نے روایتون کی تنقید کی بنیاد ڈالی۔ اور اُسکے اصول و ضوابط قرار دیے اُنکے اصول تنقید نہایت سخت خیال کیے گئے ہین۔ یہانتک کہ محدثین نے اُنکو متشدد فی الروایۃ کا لقب دیا ہے۔ تمام اور محدثین کی بہ نسبت امام صاحب کی قلیل الروایۃ ہونیکی ایک یہ بھی وجہ ہے بلکہ تمام اور وجوہ کی بہ نسبت یہ زیادہ قوی سبب ہے۔ علامہ ابن خلدون لکھتے ہین۔ والامام ابو حنیفة انما قلت روایته لما شدد فی شروط الروایة والتحمل۔ "یعنی ابو حنیفہ کی روایتین اسلیے کم ہین کہ انہون نے روایت اور تحمل کی شرط مین سختی کی"۔

حدیث کے متعلق پہلا اجمالی خیال جو امام صاحب کے دل مین پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ بہت کم حدیثین ہین جو صحیح ہین۔ یا یہ کہ بہت کم حدیثین ہین جنکی صحت کا کافی ثبوت موجود ہے

امام صاحب کا خیال تھا کہ بہت کم حدیثین صحیح ہین۔

یہ طعنہ۔ اگرچہ جدت کی وجہ سے کسیقدر نامانوس صدا تھی اور اسی وجہ سے بعض بعض ارباب
حدیث نے نہایت سخت مخالفت کی۔ لیکن امام صاحب اس خیال پر مجبور بلکہ معذور تھے
انہوں نے یہ رائے مقلدانہ نہیں قائم کی تھی۔ وہ اپنے زمانہ کے اکثر مشہور شیوخ سے
ملے تھے۔ اور انکے سرمایہ حدیث سے متمتع ہوئے تھے۔ حرمین کی بڑی بڑی درسگاہون
مین برسون تعلیم پائی تھی۔ کوفہ۔ بصرہ۔ حرمین۔ مین ارباب روایت کا جو گروہ موجود تھا برسون کے
تجربہ سے انکے ذاتی اوصاف۔ اخلاق وعادات۔ پر اطلاع حاصل کی تھی۔ غرض اس
مسئلہ کے متعلق اثباتاً یا نفیاً مجتہدانہ رائے قائم کرنے کے لیے جو شرطین درکار ہیں
سب اُنمین موجود تھین۔

اس خیال کا ایک بڑا سبب اس خیال کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ یہ مسئلہ کسی نہ کسی پیرایہ مین اُنکے خاندان تعلیم
مین وراثتاً چلا آتا تھا۔ حدیث وفقہ مین اُنکے خاندان تعلیم کے مورث اول عبداللہ بن مسعودؓ
ہین اور مذہب حنفی کی بنیاد زیادہ تر انہین کی روایات واستنباطات پر ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ
اگرچہ بہت بڑے محدث تھے۔ لیکن اور محدثین صحابہ کی نسبت قلیل الروایۃ تھے جسکی وجہ
یہ تھی کہ وہ متشدد اور محتاط تھے۔ علامہ ذہبی۔ اُنکے تذکرہ مین لکھتے ہین کہ کان ممن یتحری فی
الاداء ویشدد فی الروایۃ ۔۔ وکان یقل من الروایۃ للحدیث۔ یعنی عبداللہ
بن مسعود اداء مین تحری اور روایت مین تشدد کرتے تھے۔ اور حدیث کی روایت کم کرتے تھے"
ابراہیم نخعی۔ جو عبداللہ بن مسعود۔ کے بہ یک واسطہ شاگرد اور امام ابوحنیفہ کے بہ یک واسطہ
اُستاد تھے۔ اُنکا بھی یہی مذہب تھا۔ اور اسی وجہ سے وہ صیرفی الحدیث کہلاتے تھے۔

امام ابوحنیفہ نے گو اور بہت سے درسگاہوں مین تعلیم پائی تھی لیکن اُن کی معلومات اور خیالات کا اصلی مرکز یہی خاندان تھا۔ یہی خاندانی اثر تھا جس نے اُنکے دل مین یہ خیال پیدا کیا۔ اور اُسکو اُنکے ذاتی تجربہ اور دقت نظر نے اور بھی قوت دی۔

امام مالک و امام ابوحنیفہ کی شرط روایت قریب قریب متحد ہین۔

امام صاحب کے اس خیال نے اگرچہ قبول عام کی سند حاصل نہین کی تاہم وہ بالکل بے اثر نہین رہا۔ امام مالک و امام شافعی۔ جو اجتہاد مین امام ابوحنیفہ سے متاخرین اُن کے اصولِ اجتہاد مین اس خیال کا صاف پرتو پایا جاتا ہے۔ امام مالک نے روایت کے متعلق جو قید اور شرطین لگائی ہین وہ امام ابوحنیفہ کے شرائط کے قریب قریب ہین اور یہی وجہ ہے کہ متشددین فی الروایۃ مین۔ امام ابوحنیفہ و امام مالک کا نام ساتھ ساتھ لیا جاتا ہے۔ ابن الصلاح مقدمہ مین لکھتے ہین۔ ومن مذاھب التشدید مذھب من قال لاحجۃ الا فیمار واہ الراوی من حفظہ وتذکرہ وذٰلک مروی عن مالک وابی حنیفۃ یعنی "متشددین کا یہ مذہب ہے کہ صرف وہ حدیث قابل حجت ہے جسکو راوی نے اپنی حفظ سے یاد رکھا ہو اور یہ قول مالک وابوحنیفہ سے منقول ہے" محدثین نے لکھا ہے کہ امام مالک نے اول جب مؤطا لکھی تو اُسمین دس ہزار حدیثین تھین۔ پھر امام مالک زیادہ تحقیق کرتے گئے تو یہ تعداد کم ہوتی گئی۔ یہان تک کہ چھ سات سو رہگئی۔ امام شافعی نے صاف لفظون مین امام ابوحنیفہ کے خیالات ظاہر کیے ہین۔ امام بیہقی نے روایت کی ہے کہ ایک دن ہرم قرشی نے امام شافعی سے کہا کہ آپ وہ حدیثین لکھوائیے جو رسول اللہ سے ثابت ہین۔

امام شافعی کا قول تھا کہ صحیح حدیثین بہت کم ہین

اُنھون نے جواب دیا کہ ارباب معرفت کے نزدیک صحیح حدیثین کم ہین۔ کیونکہ ابوبکر صدیق رض

نے جو حدیثیں رسول اللہ سے روایت کین اُنکی تعداد سترہ سے زیادہ نہین ہے۔ عمر بن الخطاب رض۔ باوجود اسکے کہ رسول اللہ کے بعد مدت تک زندہ رہے اُنکی روایت سے پچاس حدیثین بھی ثابت نہین حضرت عثمان رض کا بھی یہی حال ہے۔ حضرت علی رض۔ اگرچہ لوگونکو حدیث سیکھنے کی ترغیب دلاتے تھے لیکن اُن سے بھی کم حدیثین مروی ہین کیونکہ وہ مطمئن نہین رہے۔ اُن سے جو حدیثین مروی ہین اکثر حضرت عمر۔ اور حضرت عثمان۔ کے عہد خلافت کی ہین۔ ان لوگون کے سوا اور صحابہ سے بہت سی حدیثین مروی ہین لیکن اہل معرفت کے نزدیک وہ تمام روایتین صحیح سند سے ثابت نہین[1]"

ان باتون سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ امام ابوحنیفہ۔ معتزلیون کی طرح احادیث کے منکر تھے یا صرف دس بیس حدیثون کو تسلیم کرتے تھے۔ اُنکے شاگردون نے خود اُن سے سیکڑون حدیثین روایت کین ہین۔ موطا امام محمد۔ کتاب الآثار۔ کتاب الحجج۔ جو عام طور پر متداول ہین۔ اِن ہین بھی امام صاحب سے بیسیون حدیثین مروی ہین۔ البتہ اور محدثین کی نسبت اُنکی احادیث مسلمہ کی تعداد کم ہے۔ اور اسکی وجہ وہی شروط روایت کی سختی ہے۔ امام صاحب نے روایت کے متعلق جو شرطین اختیار کین کچھ تو وہی ہین جو اور محدثین کے نزدیک مسلم ہین۔ کچھ ایسی ہین جنمین وہ منفرد ہین یا صرف امام مالک اور بعض اور مجتہدین اُنکے ہمزبان ہین۔

امام صاحب نے روایت کے لیے کیا شرطین مقرر کین؟

اِن مین سے ایک یہ مسئلہ ہے کہ "صرف وہ حدیث حجت ہے جسکو راوی نے اپنے

---

[1] مناقب الشافعی از امام رازی۔ فصل ثامن شرح مذہب شافعی۔ ۱۲

کانون سنا ہوا اور روایت کے وقت تک یاد رکھا ہو"۔ یہ قاعدہ بظاہر نہایت صاف ہے جس سے کسیکو انکار نہین ہو سکتا لیکن اوسکی تفریعین نہایت وسیع اثر رکھتی ہین اور عام محدثین کو اُن سے اتفاق نہین ہے۔ محدثین کے نزدیک ان پابندیون سے روایت کا دائرہ تنگ ہو جاتا ہے۔ اور اس سے ہمکو بھی انکار نہین۔ لیکن اسکا فیصلہ ناظرین خود کر سکتے ہین کہ احتیاط مقدم ہے۔ یا روایت کی وسعت۔ ہم بعض تفریعات کو کسیقدر تفصیل کے ساتھ ذکر کرتے ہین جس سے ظاہر ہو گا کہ امام ابو حنیفہ کو کس خیال نے اس قسم کی سختیون پر مجبور کیا تھا۔

اکثر شیوخ کا حلقۂ درس نہایت وسیع ہوتا تھا یہانتک کہ ایک ایک مجلس مین دس دس ہزار سامعین جمع ہوتے تھے۔ اُس وقت متعدد مستملی یعنی نائب جا بجا بٹھائے جاتے تھے کہ شیخ کے الفاظ کو دور والون تک پہنچائین۔ بہت سے ایسے لوگ ہوتے تھے جنکے کانون مین شیخ کا ایک لفظ بھی نہین پہنچتا تھا وہ صرف مستملی کے الفاظ سنکر حدیث روایت کرتے تھے۔ اب بحث یہ پیدا ہوتی ہے کہ جس شخص نے صرف مستملی سے سُنا وہ اصل شیخ کی نسبت حدثنا کہہ سکتا ہے یا نہین۔ اکثر ارباب روایت کا مذہب ہے کہ کہہ سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہ اسکے خلاف ہین۔ ائمہ محدثین مین سے حافظ ابو نعیم فضل بن دکین۔ زائد بن قدامہ امام صاحب کے ہمزبان ہین[1]۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ مقتضائے عقل یہی (امام ابو حنیفہ کا) مذہب ہے لیکن عام مذہب مین آسانی ہے[2]۔

---

[1] فتح المغیث صفحہ ۱۶۷ و ۱۶۸۔ [2] فتح المغیث صفحہ ۱۶۹۔

امام ابوحنیفہ کو اس احتیاط پر جس چیز نے مجبور کیا تھا وہ یہ تھی کہ اُنکے زمانہ تک روایت بالمعنی کا طریقہ نہایت عام تھا اور بہت کم لوگ تھے جو الفاظ حدیث کی پابندی کرتے تھے۔ اسلیے روایات مین تغیر و تبدل کا احتمال ہر واسطہ مین بڑھتا جاتا تھا کم ازکم یہ کہ ہر روایت پہلے واسطہ مین جسقدر قوی ہوتی تھی دوسرے واسطہ مین اُسکا وہ پایہ نہین قائم رہ سکتا تھا نیز شہر مستملی کے مقرر کرنے کا طریقہ قائم رکھنا ضرور تھا کیونکہ اکثر موقعون پر بغیر مستملی کے کام نہین چلسکتا تھا۔ لیکن ناانصافی تھی کہ جس شخص نے بلاواسطہ شیخ سے سنا ہو اور جسنے مستملی سے روایت کی ہو دونون کا ایک درجہ قرار دیا جاوے۔ مستملی کبھی کبھی نہایت غافل اور بے سمجھ ہوتے تھے۔ اسلیے غلطیون کا احتمال اور بھی قوی ہوجاتا تھا۔

اخبرنا و حدثنا کی مفہوم کی وسعت

اسیطرح بلکہ اس سے زیادہ غیر محتاط طریقہ یہ تھا کہ اخبرنا و حدثنا کو بعض بعض محدثین نہایت عام معنون مین استعمال کرتے تھے۔ امام حسن بصری نے متعدد روایتون مین کہا ہے حدثنا ابوہریرۃ۔ حالانکہ ابوہریرہ سے وہ کبھی نہین ملے تھے۔ انہون نے اسکی یہ تاویل کی تھی کہ ابوہریرہ نے جب وہ حدیث بیان کی تھی تو اس شہر مین وہ موجود تھے۔ اسیطرح اور شیوخ صحابہ کی نسبت حدثنا کا لفظ استعمال کرتے تھے اور معنی یہ لیتے تھے کہ اُنکے شہر والون نے اُن شیوخ سے سُنا تھا۔ محدث بزار نے لکھا ہے کہ حسن بصری نے اُن لوگون سے روایت کی ہے جنسے وہ کبھی نہین ملے۔ اور تاویل یہ کرتے تھے کہ اُنکی قوم نے وہ حدیث اُن لوگون سے سُنی تھی"[1] یہ امر علاوہ اسکے کہ ایک قسم کی

[1] فتح المغیث صفحہ ۱۷۱۔

غلط بیانی تھی حدیث کی اسناد کو مشتبہ کر دیتا تھا۔ کیونکہ راوی نے جب خود شیخ سے حدیث نہین سُنی تو بیچ مین کوئی واسطہ ہوگا اور چونکہ راوی نے اُسکا نام نہین بتایا اسلیے اُسکے ثقہ غیر ثقہ ہونے کا حال نہین معلوم ہوسکتا صرف حسنِ ظن پر مدار رہگیا کہ ایسے شخص نے جس سے سُنا ہوگا وہ ضرور قابلِ استناد ہوگا۔ امام ابوحنیفہ نے اس طریقہ کو ناجائز قرار دیا۔ اور اُنکے بعد اور ائمہ حدیث نے بھی اُنکی متابعت کی۔

اجزاء سے روایت

ارباب روایت کا ایک یہ طریقہ تھا کہ جب کسی شیخ سے کچھ حدیثین سُنین اور قلمبند کرلین۔ تو ان اجزاء سے روایت کرنی ہمیشہ جائز سمجھتے تھے۔ اسکو اسقدر وسعت دیگئی کہ گو۔ راوی کو اُن حدیثون کے الفاظ و معانی کچھ یاد نہ رہے ہون تاہم اس بناپر کہ اجزاء اُسکے پاس موجود ہین اُنکی روایت کرسکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ نے اس طریقہ کو قائم رکھا لیکن یہ قید لگائی کہ حدیث کے الفاظ و مطالب محفوظ ہونے چاہئین ورنہ روایت جائز نہین۔

یہ مسئلہ بھی اگرچہ عام طور پر نہین تسلیم کیا گیا تاہم جیسا کہ محدث سخاوی نے تصریح کی ہے امام مالک اور بہت سے ائمہ فن نے اُسکی موافقت کی۔ امام بخاری و مسلم۔ وغیرہ کے زمانہ مین اِس قید کی چندان ضرورت نہین رہی تھی کیونکہ اُسوقت روایت باللفظ کا عام رواج ہوچکا تھا۔ لیکن امام ابوحنیفہ کے عہد تک حدیثین زیادہ تر بالمعنی روایت کی جاتی تھین۔ اسلیے اگر راوی کو الفاظ حدیث۔ موقع حدیث۔ شان نزول۔ وغیرہ یاد نہین ہوتے تھے تو روایت کا بعینہا ادا کرنا قریبًا ناممکن ہوتا تھا۔ اسی ضرورت سے امام ابوحنیفہ نے اس طریقہ کو محدود کردیا اور انصاف یہ ہے کہ ایسا کرنا ضروری تھا۔

روایت بالمعنی

سب سے زیادہ مہتم بالشان اور قابل بحث مسئلہ یہ ہے کہ روایت بالمعنی جائز ہے یا نہین - یا یہ کہ ایسی روایت قطعاً قابل حجت ہے یا نہین - یہ مسئلہ ہمیشہ مختلف فیہ رہا ہے - اور اب بھی ہے - امام شافعیؒ - نے روایت کی ہے کہ "بعض تابعین نے ایک حدیث متعدد صحابہ سے سُنی جسکو سب نے مختلف لفظون مین بیان کیا لیکن مطلب ایک تھا - اُنھون نے کسی صحابی سے یہ حقیقت بیان کی - صحابی نے جواب دیا کہ جب معنی مختلف نہین تو کچھ مضائقہ نہین" اگر امام شافعی - نے تابعی کا نام نہ بتایا جس سے روایت کی قوت اور ضعف کا اندازہ ہوسکتا - تاہم اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ بعض صحابہ روایت بالمعنی جائز سمجھتے تھے اور اُسپر عمل کرتے تھے - بخلاف اسکے بعض صحابہ مثلاً عبد اللہ بن مسعود کو روایت باللفظ پر اصرار تھا - علامہ ذہبی "تذکرۃ الحفاظ" مین اُنکے حالات کے ذیل مین لکھتے ہین کہ "وہ روایت مین

روایت بالمعنی مین صحابہ کی احتیاط -

سختی کرتے تھے اور اپنے شاگردونکو زجر کرتے تھے کہ الفاظ کے ضبط مین بے پروائی نکرین" عبد اللہ بن مسعود جب کبھی بالمعنی روایت کرتے تھے تو ساتھ ہی یہ الفاظ استعمال کرتے تھے "او مثله او نحوه او شبيه به - اما فوق ذلك - واما دون ذالك واما قريب من ذلك" یعنی رسول اللہ نے اسطرح فرمایا تھا یا اسکے مثل یا اسکے مشابہ یا اس سے کچھ زیادہ یا کم یا اسکے قریب فرمایا تھا - ابوالدرداء - کا بھی یہی حال تھا وہ حدیث بیان کرکے کہا کرتے تھے هذا او نحو هذا او شكله[1] - حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو لوگونکو روایت حدیث سے منع کیا کرتے تھے اُنکا بھی غالباً یہی منشا تھا - وہ جانتے تھے کہ الفاظ کم یاد رہ سکتے ہین اور معنی

---

[1] فتح المغیث - ۱۲

کی عام اجازت مین تغیر وتبدل کا احتمال بڑھتا جاتا ہے۔

صحابہ کے دور کے بعد بھی یہ مسئلہ یکسو نہوا۔ تابعین کے دو گروہ تھے اور خود امام ابو حنیفہ کے اُستاد الاستاد روایت بالمعنی کے قائل تھے۔ آگے چلکر تو گویا اسپر اتفاق عام ہوگیا کہ روایت بالمعنی جائز ہے۔ چنانچہ اصول حدیث کی کتابون مین جمہور کا یہی مذہب بیان کیا جاتا ہے مجتہدین مین سے صرف امام مالک اسکے خلاف ہین۔ محدثین کا ایک گروہ جنمین امام مسلم۔ قاسم بن محمد۔ محمد بن سیرین۔ رجاء بن حیواۃ۔ ابو زرعۃ۔ سالم بن ابی الجعد۔ عبد الملک بن عمیر۔ داخل ہین۔ روایت باللفظ پر عمل کرتا تھا۔ لیکن عام محدثین جواز ہی کے قائل ہین اور درحقیقت ایک ایسا فرقہ جسکا عام میلان ہر حالت مین کثرت روایت کی طرف ہو۔ جواز ہی کا قائل ہوسکتا تھا۔

اسمین شبہ نہین کہ اکثر تابعین اور صحابہ نے بالمعنی حدیثین روایت کین۔ اور اگر شروع سے یہ قید لگائی جاے تو روایت کا دائرہ اسقدر تنگ ہوجاتا ہے کہ مسائل و احکام کے لیے کچھ باقی نہین رہتا۔ لیکن اس سے بھی انکار نہین ہوسکتا کہ روایت بالمعنی مین اصل روایت کا اصلی حالت پر قائم رکھنا اسقدر مشکل ہے کہ قریباً ناممکن ہے۔ زبان کے نکتہ شناس جانتے ہین کہ مرادف الفاظ بھی یکسان اثر نہین رکھتے اور معنی کی حیثیتون مین کچھ نہ کچھ فرق ضرور پیدا ہوجاتا ہے۔ حالانکہ مجوزین نے مرادف وغیرہ کی قید بھی نہین رکھی۔ اور ادا ے مطلب کو نہایت عام وسعت دی ہے۔ صحابہ سے زیادہ کوئی شخص رسول اللہ کے الفاظ و مطالب کا اندازہ دان نہین ہوسکتا تھا۔ اوّل تو وہ زباندان اور زبان کے

حاکم تھے۔ اسکے ساتھ شرف صحبت کی وجہ سے رسول اللہؐ کی طرز ادا طریقہ گفتگو، انداز کلام، فحوائے سخن۔ سے خوب واقف ہے۔ تاہم کتب حدیث مین اسکی متعدد نظیرین ملتی ہین کہ خود صحابہ سے اداے مطلب مین کمی یا زیادتی ہوگئی۔

صحابہ سے اداے مطلب مین جو کمی و زیادتی ہوگئی اُسکی مثالین

ابن ماجہ مین روایت ہے کہ ابو موسی اشعری۔ نے آنحضرتؐ سے روایت کی ان المیت یعذب ببکاء الحی اذا قالوا واعضداہ واکاسباہ واناصراہ واجیلاہ۔ یعنی "جب مردہ پر یہ الفاظ کہکر رویا جاتا ہے تو اُسکو عذاب دیا جاتا ہے" کسی نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ ابن عمرؓ یہ حدیث بیان کرتے تھے۔ حضرت عائشہ۔ نے کہا مین یہ نہین کہتی کہ ابن عمرؓ جھوٹ کہتے ہین لیکن اُنکو سہو ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودی عورت مرگئی۔ اُسکے گھر والے اُسپر روتے تھے۔ آنحضرتؐ نے سُنا تو فرمایا کہ "اُسکے گھر والے رو رہے ہین اور اُسپر قبر مین عذاب ہو رہا ہے" ایک اور روایت مین ہے کہ حضرت عائشہؓ نے قرآن کی یہ آیت پڑہی ولا تزر وازرۃ وزر اخری۔ جس سے اس بات پر استدلال کیا کہ ایک شخص کے فعل کا دوسرا شخص ذمہ دار نہین ہوسکتا۔ گھر والے روتے ہین تو انکا قصور ہے مُردے نے کیا گناہ کیا ہے کہ اُسپر عذاب کیا جاوے۔ دیکھو اس حدیث مین رسول اللہؐ نے یہودیہ عورت کا معذب ہونا بطور ایک واقعہ بیان کیا تھا۔ راوی نے رونے کو اُسکا سبب قرار دیا اور حدیث کے یہ الفاظ بیان کیے کہ ان المیت یعذب ببکاء الحی۔ یعنی مردہ کو۔ زندونکے رونیکی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔

اسیطرح غزوہ بدر کے واقعہ مین عام روایت یہ ہے کہ رسول اللہؐ نے قلیب پر کھڑے

ہو کر فرمایا ھل وجدتم ما فعل ربکم حقا۔ لوگون نے عرض کی کہ آپ مردون سے خطاب
فرماتے ہین۔ ارشاد ہوا کہ "جو مین نے کہا ان لوگون نے سن لیا"۔ لیکن یہ واقعہ حضرت عائشہ
کے سامنے بیان کیا گیا تو انہون نے فرمایا رسول اللہ نے یہ نہین فرمایا تھا بلکہ یہ الفاظ کہے
تھے۔ لقد علموا ان ما دعوتھم حق[1]۔ یعنی ان لوگون کو معلوم ہو گیا کہ جس چیز کی مین نے
دعوت کی تھی۔ وہ حق ہے۔ دیکھو ان دونون جملون کے مفہوم مین کسقدر فرق ہے اور اس سے
سماع موتی کے مسئلہ پر کیا مختلف اثر پڑتا ہے۔

غرض جب صحابہ سے اس قسم کے سامحات واقع ہوتے تھے تو دوسرے اور تیسرے
دور کا کیا ذکر ہے۔ لطف یہ ہے کہ جو لوگ روایت بالمعنی کے قائل ہین اُنہون نے چند الفاظ
مثالاً بتاتے ہین کہ "انکو دوسرے لفظون مین اسطرح ادا کر سکتے ہین اور معنی مین مطلق فرق
نہین پیدا ہوگا"۔ حالانکہ غور سے دیکھیے تو ان لفظون کے اثر مین صاف تفاوت نظر آتا ہے۔
محدث سخاوی لکھتے ہین کہ حدیث مین آیا ہے اقتلوا الاسودین الحیۃ والعقرب
اب بجائے اسکے یہ کہہ سکتے ہین کہ امر بقتلھما محدث سخاوی کے نزدیک اس
مثال مین الفاظ کے اختلاف نے معنی مین کچھ فرق نہین پیدا کیا۔ حالانکہ اقتلوا اور امر بالقتل
مین صریح تفاوت ہے۔ اقتلوا۔ اگرچہ امر کا صیغہ ہے لیکن اسمین وہ تحتّم اور تاکید نہین
ہے جو امر مین ہے۔

امام ابوحنیفہ نے ان مشکلات کا اندازہ کر کے نہایت معتدل طریقہ اختیار کیا جو محدثین

[1] تاریخ کبیر علامہ ابو جعفر جریر طبری۔ صفحہ ۱۳۳۲۔

روایت بالمعنی کے متعلق امام ابوحنیفہ کے اصول۔

اُنکے زمانہ سے پہلے بالمعنی روایت ہوچکی تھیں اور محدثین میں شائع تھیں۔ اُنکے قبول سے توچارہ نہ تھا ورنہ روایت کا تمام دفتر بیکار ہوجاتا۔ اس لیے امام صاحب نے اُن حدیثوں کو قبول کیا لیکن یہ قید لگائی کہ "رواتِ حدیث فقیہ ہوں۔ یعنی الفاظ کے اثر اور مطالب کی تعبیر سے واقف ہوں" تغیر مطالب کا احتمال اب بھی باقی رہتا ہے لیکن احادیث کا مدار (جیسا کہ محدثین نے تصریح کردی ہے) ظن غالب پر ہے۔ اسلیے جب تک کوئی مخالف دلیل موجود نہو روایت بالمعنی قابل عمل ہوگی۔ امام صاحب۔ نے اُن احادیث کو بھی قبول کیا جنکے رواۃ ثقہ ہوں اور فقیہ نہوں۔ لیکن اُنکا درجہ پہلے کی بہ نسبت کم قرار دیا اور اُن میں اصول درایت کی زیادہ ضرورت سمجھی۔ امام صاحب کے اِن اصول سے اور ائمہ نے بھی اتفاق کیا۔ الفیۃ الحدیث میں ہے کہ جو شخص مدلول الفاظ کو اچھی طرح نہیں سمجھتا اُسکو روایت باللفظ ضروری ہے۔ البتہ جو شخص مطالب کا اندازہ داں ہے اُسکی نسبت اختلاف ہے کثرت رائے اسطرف ہے کہ وہ الفاظ کا پابند نہیں" لیکن امام ابوحنیفہ۔ نے اس اجازت کو صحابہ اور تابعین تک محدود کردیا اور اور لوگوں کے لیے روایت بالالفاظ کی قید لگائی۔ اور امام طحاوی نے بسند متصل اُن سے روایت کی ہے کہ صرف وہ حدیث روایت کرنی چاہیے جو روایت کرنے کے وقت اُسیطرح یاد ہو جسطرح سننے کے وقت یاد تھی[1]۔ ملا علی قاری۔ اس روایت کو نقل کرکے لکھتے ہیں اسکا حاصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ روایت بالمعنی کو جائز نہیں رکھتے تھے"

---

[1] شرح مسند امام اعظم از ملا علی قاری صفحہ ۳۔

اس پابندی مین اگرچہ امام مالک اور بعض محدثین نے امام ابوحنیفہ سے اتفاق کیا (فتح المغیث مین ہے وقیل لا تجوز له الرواية بالمعنى مطلقا قاله طائفةٌ من المحدثين والفقهاء والاصوليين من الشافعية وغيرهم - قال القرطبي وهو الصحيح من مذهب مالك[1] - لیکن عام ارباب روایت اس سختی کے کیونکر پابند ہو سکتے تھے - چنانچہ ایک بڑے فرقہ نے مخالفت کی اور امام صاحب کو متشدد فی الروایۃ ٹھہرایا - تاہم انصاف یہ ہے کہ جو اصول امام صاحب نے اختیار کیا وہ ضروری اور نہایت ضروری تھا - خود حدیث مین آیا ہے کہ نضر الله امرأ سمع مناشيئاً فبلغه كما سمعه - یعنی رسول اللہ نے فرمایا کہ خدا اُس شخص کو شاداب کرے جسنے ہمسے کچھ سُنا اور اُسکو اسیطرح پہنچایا جیسا کہ ہمسے سنا تھا" اس سے زیادہ اس باب مین کسی دلیل کی کیا ضرورت ہے - صحابہ مین سے جو لوگ روایت باللفظ کو غیر ضروری سمجھتے تھے ممکن ہے کہ یہ حدیث انکو نہ پہنچی ہو چنانچہ بعض صحابہ کی نسبت ثابت ہے کہ انہون نے اس حدیث کو سُنا تھا - مثلاً عبداللہ بن مسعود - جو اس حدیث کے راوی ہین - وہ الفاظ کے پابند تھے - امام ابوحنیفہ کے زمانہ مین یہ حدیث عام ہو چکی تھی - اسلیے اُنکو اسکی تعمیل مین کیا عذر ہو سکتا تھا -

اصول درایت

فن حدیث مین سب سے بڑا کام امام ابوحنیفہ نے یہ کیا کہ درایت کے اصول قائم کیے اور اُنکو احادیث کی تحقیق و تنقید مین برتا - فن حدیث کی ایک شاخ یعنی روایت پر ہمارے علما

---

[1] یعنی کہا گیا ہے کہ روایت بالمعنی مطلقاً جائز نہین محدثین و فقہاء و اصولیین شافعیہ کا ایک گروہ اسی قول کا قائل ہے اور قرطبی نے کہا ہے کہ امام مالک کا صحیح مذہب یہی ہے -

نے جسقدر توجہ کی اُسکی کوئی نظیر دُنیا کی گذشتہ اور موجودہ تاریخ مین نہین ملسکتی لیکن افسوس ہے کہ اصول درایت کے ساتھ چندان اعتنا نہین کیا گیا۔ حافظ ابن حجر کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فن مین بعض تصنیفین لکھی گیئن۔ لیکن وہ اسقدر کم اور غیر متعارف ہین کہ گویا نہین ہین۔ اصول حدیث۔ ایک مستقل فن بن گیا ہے اور بڑی بڑی کتابین جو اس فن مین لکھی گیئن عموماً متداول ہین۔ لیکن اُن سے اصول درایت کے متعلق بہت کم واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ حالانکہ یہی اصول۔ فن حدیث کے نہایت ضروری اجزا ہین۔ یہ عزت صرف امام ابوحنیفہ۔ کو حاصل ہے کہ جب اس فن کا نام ونشان بھی نہ تھا اُسوقت اُنکی نگاہ ان باریک نکتون پر پہنچی بے شبہ صحابہ کی تاریخ مین جستہ جستہ اصول درایت کے آثار نظر آتے ہین اور درحقیقت وہی امام ابوحنیفہ کے لیے دلیل راہ ہے۔ لیکن وہ باتین عام مسائل۔ کے ہجوم مین ایسی گم اور ناپید تھین۔ کہ اُن پر عام لوگون کی نگاہ نہین پڑ سکتی تھی۔

روایات کی صحت وعدم صحت کا مدار ہمیشہ راویون کے اعتبار وعدم اعتبار پر نہین ہوتا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک واقعہ کی روایت جس سند سے بیان کیجاتی ہے اُسکے تمام راوی ثقہ اور قابلِ اعتبار ہوتے ہین لیکن واقعہ صحیح نہین ہوتا۔ حدیث مین بھی اسکی سیکڑون مثالین ملتی ہین۔ اس لیے ضرور ہے کہ صرف رُوات کی بنا پر احادیث کا فیصلہ نہ کیا جاسے بلکہ یہ بھی دیکھا جائے کہ وہ اصول درایت کے مطابق ہین یا نہین۔

درایت سے یہ مطلب ہے کہ جب کوئی واقعہ بیان کیا جائے تو اُسپر غور کیجائے کہ وہ طبیعت انسانی کے اقتضا۔ زمانہ کی خصوصیتین۔ منسوب الیہ کے حالات۔ اور دیگر قرائن عقلی کے ساتھ کیا نسبت رکھتا ہے۔ اگر اس معیار پر پورا نہین اُترتا تو اسکی صحت بھی مشتبہ ہوگی۔ یعنی یہ احتمال ہوگا کہ روایت کے تغیرات نے واقعہ کی صورت بدل دی ہے اس قسم کے قواعد۔ حدیث کی تحقیق وتنقید مین بھی استعمال کیے جاتے ہین اور انہین کا نام اصول درایت ہے۔ علامہ ابن جوزی۔ جو فن حدیث مین بڑا پایہ رکھتے تھے لکھتے ہین[۱] کہ "جس حدیث کو تم دیکھو کہ عقل کے مخالف یا اصول کے مناقض ہے تو سمجھ لو کہ وہ موضوع ہے۔ اسمین راویون کی تحقیق حال کی کچھ ضرورت نہین ہے۔ اسیطرح وہ حدیث بھی موضوع ہے جو حس ومشاہدہ سے باطل ثابت ہو۔ یا قرآن۔ حدیث متواتر۔ اجماع قطعی کے خلاف ہو اور قابل تاویل نہو۔ یا جس مین ایک معمولی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو یا ذراسے کام پر بڑے انعام کا وعدہ ہو۔ اس طرح کی حدیثین واعظون اور صوفیون کی روایتون مین بہت پائی جاتی ہین"

امام ابو حنیفہ نے **درایت** کے جو اصول قائم کیے انمین سے بعض ہم اس مقام پر نقل

[۱] ابن جوزی کے الفاظ۔ جیسا کہ فتح المغیث مین منقول ہے یہ ہین۔ کل حدیث رایتہ یخالفہ العقول او یناقض الاصول فاعلم انہ موضوع فلا یتکلف اعتبارہ ای لا تعتبر رواتہ ولا تنظر فی جرحہم او یکون مما یدفعہ الحس والمشاہدۃ او مباینا لنص الکتاب او السنۃ المتواترۃ او الاجماع القطعی حیث لا یقبل شئی من ذلک التاویل او تتضمن الافراط بالوعید الشدید علی الامر الیسیر او بالوعد العظیم علی الفعل الیسیر وہذا الاخیر کثیر موجود فی حدیث القصاص والطرقیہ۔

کرتے ہیں۔

جو حدیث عقل قطعی کے مخالف ہو صحیح نہیں ہے

(۱) جو حدیث عقل قطعی کے مخالف ہو وہ اعتبار کے قابل نہیں[1]۔ یہ وہی قاعدہ ہے جسکو ابن جوزی نے تمام اصول درایت پر مقدم رکھا ہے۔ ابن جوزی چھٹی صدی میں تھے اسوقت اسلامی علوم اوج کمال تک پہنچ گئے تھے۔ اور فلسفیانہ خیالات کا اثر زیادہ عام ہو گیا تھا۔ لیکن امام ابو حنیفہ کے زمانہ تک مذہب میں عقل کا نام لینا ایک جرم عظیم تھا۔ امام صاحب نے اوّل اوّل جب یہ قاعدہ قرار دیا اور روایات میں برتا تو سخت مخالفت ہوئی۔ اس قسم کی حدیثیں جنمیں ناممکن اور محال واقعات بیان کیے جاتے ہیں امام صاحب کے سامنے پیش کیجاتی تھیں تو وہ ان سے انکار کرتے تھے۔ یہ امر عام لوگوں پر گران گزرتا تھا۔ کیونکہ ان لوگوں کے خیال میں روایات کی تحقیق و تنقید کا مدار صرف رواۃ کی حالت پر تھا۔ اصول درایت سے غرض نہ تھی۔ زمانہ مابعد میں اگرچہ یہ قاعدہ۔ اصول حدیث۔ میں داخل کر لیا گیا۔ لیکن ارباب روایت نے اسکو بہت کم برتا اور اسیکا نتیجہ ہے کہ آج بیسیوں مزخرف اور دور از کار حدیثیں قبول عام کے شرف سے ممتاز ہیں۔

تلک الغرانیق العلیٰ کی حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ "رسول اللہ کی زبان سے (سورہ نجم کی تلاوت کے وقت) بتوں کی تعریف میں یہ الفاظ ادا ہوئے۔ تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجی یعنی یہ بت بہت معزز ہیں اور انکی شفاعت کی امید کیجا سکتی ہے" اور یہ الفاظ شیطان نے آنحضرت کی زبان میں ڈال دیے تھے۔ چنانچہ

[1] اس اصول کو علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

تلاوت کے بعد جبرئیل آئے اور اُنھوں نے یہ شکایت کی کہ مین نے تو یہ الفاظ آپ کو نہین سکھائے تھے آپ نے کہان سے پڑھ دیے۔ اس حدیث کو امام صاحب کے اصول کے موافق۔ بعض محدثین مثلاً قاضی عیاض، ابوبکر بیہقی وغیرہ نے غلط کہا۔ لیکن محدثین کا ایک بڑا گروہ اُسکو اب بھی صحیح تسلیم کرتا ہے۔ متاخرین مین حافظ ابن حجر سے زیادہ نامور کوئی محدث نہین گزرا۔ وہ بڑے زور شور سے اس حدیث کی تائید کرتے ہین۔ اور فرماتے ہین کہ چونکہ اسکے رُواۃ ثقہ ہین اسلیے اُسکی صحت سے انکار نہین کیا جا سکتا !!!۔ اسیطرح رد الشمس کی حدیث کو جسمین بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علیؓ کی نماز عصر قضا ہو گئی تھی اسلیے آنحضرت کی دعا سے آفتاب مغرب ہونے کے بعد پھر طالع ہوا۔ محدث ابن جوزی۔ نے جرأت کر کے موضوع کہا۔ لیکن حافظ ابن حجر و جلال الدین سیوطی وغیرہ نے نہایت شدت سے مخالفت کی۔ امام صاحب کے زمانہ مین اس سے زیادہ مخالفین ہوئین لیکن وہ ان باتون کی چندان پروا نہین کرتے تھے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ لفظ عقل سے امام صاحب کی مراد وہ وسیع معنی نہین ہین جو آج کل کے تعلیم یافتہ لوگون نے قرار دیے ہین جسکی رو سے شریعت کے بہت سے اصلی مسائل برباد ہوتے جاتے ہین۔

(۴) جو واقعات تمام لوگون کو رات دن پیش آیا کرتے ہین اُنکے متعلق اگر رسول اللہ سے کوئی ایسی روایت منقول ہو جو اخبار احاد کے درجہ سے زیادہ نہو تو وہ روایت مشتبہ ہوگی یہ اصول اس بنا پر ہے کہ جو واقعات تمام لوگون کو اکثر پیش آیا کرتے تھے اُنکے متعلق جو کچھ آنحضرت کا ارشاد تھا اُسکی ضرورت تمام لوگون سے تعلق تھی۔ اس لیے صرف ایک آدھ

شخص تک اُس روایت کا محدود رہنا درایت کے خلاف ہے۔

مخالفت قیاس

اکثر مصنفین نے تصریح کی ہے کہ امام ابوحنیفہ اُس روایت کو قبول نہین کرتے تھے جو قیاس کے مخالف ہو۔ اگرچہ یہ قول محض بے اصل نہیں ہے۔ لیکن اُسکی تعبیر مین لوگون نے اکثر غلطی کی ہے اور انہین غلط تعبیرات کا اثر ہے کہ امام ابوحنیفہ کی نسبت ارباب ظاہر مین بہت سی بدگمانیان قائم ہوگئین۔ ان لوگون نے امام صاحب کے مقصد و منشا پر کافی غور نہین کی اور عام راے قائم کرلی کہ وہ قیاس کو حدیث پر مقدم سمجھتے ہین۔ امام صاحب سے اس مسئلہ کے متعلق جو اقوال منقول ہین وہ صریح اس دعوی کے خلاف ہین مسائل فقہ مین متعدد مثالین موجود ہین جن مین امام ابوحنیفہ نے حدیث و اثر کی وجہ سے قیاس کو مطلقاً ترک کردیا ہے۔ امام محمد۔ اس بحث مین کہ قہقہہ نماز ناقض وضو ہے۔ امام ابوحنیفہ کی طرف سے استدلال کرتے ہین اور لکھتے ہین۔ ولولا ما جاء من الآثار کان القیاس علی ما قال اهل المدینة ولکن لا قیاس مع اثر ولا ینبغی الا ان ینقاد للآثار۔ یعنی قیاس وہی ہے جو اہل مدینہ کہتے ہین لیکن حدیث کے ہوتے قیاس کوئی چیز نہین۔ اور صرف حدیث ہی کی پیروی کرنی چاہیئے۔ اس سے زیادہ اس باب مین کیا تصریح ہوسکتی ہے۔

عقود الجمان کے مصنف نے مختلف روایتون سے امام ابوحنیفہ کے خاص اقوال نقل کیے ہین کہ مین حدیث کے مقابلہ مین قیاس کو دخل نہین دیتا۔ امام جعفر صادقؓ سے امام صاحب نے جو گفتگو کی تھی اُسمین بھی اس خیال کا اظہار کیا ہے۔

ان تصریحات کو دیکھکر بعضون نے اس انتساب مین تخصیص کی اور دعوی کیا کہ "جو حدیث

قیاس جلی کے مخالف ہو۔ اسکو امام صاحب قبول نہین کرتے تھے۔ عبدالکریم شہرستانی نے اصحاب الراے کے بیان مین جہان امام ابوحنیفہ۔ اور اُنکے تلامذہ کا ذکر آیا ہے لکھا ہو کہ وربما یقدمون القیاس الجلی علی احاد الاخبار۔ یعنی یہ لوگ اکثر قیاس جلی کو اخبار احاد پر ترجیح دیتے ہین۔ امام رازی نے بھی مناقب الشافعی مین اسکی جابجا تصریح کی ہے اور اِس بنا پر امام ابوحنیفہ کے مقابلہ مین۔ امام شافعی کی ترجیح کے وجوہ قایم کیے ہین۔ مین نے بہت کچھ جد وجہد کی کہ اس مسئلہ کے متعلق امام صاحب کا کوئی صریح قول ملسکے۔ لیکن نہ ملسکا۔ جن لوگون نے امام صاحب کی طرف اس قول کو منسوب کیا ہے غالباً صرف استنباط سے کام لیتے ہین صریح قول نہین پیش کرسکتے۔ بے شبہہ حنفیہ کے اصول فقہ مین یہ مسئلہ مذکور ہے کہ جو حدیث ایسی روات سے مروی ہو جو فقیہ نہون اور بالکل قیاس کے مخالف ہو۔ قابل حجت نہین۔ لیکن یہ حنفیون کا مسلمہ اصول نہین ہے۔ بلکہ صرف عیسی بن ابان۔ اور اُن کے پیروون کی راے ہے۔ ابوالحسن کرخی۔ وغیرہ صریح اسکے مخالف ہین۔ او صاحب مسلم الثبوت نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ تعجب اور سخت تعجب ہے کہ بغیر کسی ثبوت کے امام ابوحنیفہ۔ کی طرف یہ دعوی صرف اس اعتماد پر منسوب کردیا گیا کہ فقہاے حنفیہ مین سے چند علما اُسکے قائل ہین۔ بہت بڑی مثال۔ بیع مصراۃ۔ کی پیش کیجاتی ہے جس سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اس مسئلہ مین صریح حدیث کے ہوتے ہوے قیاس کو مقدم رکھا ہے[1]

---

[1] تعجب ہے کہ بڑے بڑے علما۔ یہانتک کہ امام غزالی۔ امام رازی۔ نے بھی۔ امام ابوحنیفہ کی نسبت یہ الزام لگایا اور یہی بیع مصراۃ کی مثال پیش کی ۱۲

لیکن ان مدعیون کو معلوم نہین کہ اس مثال مین قیاس کی تقدیم بعض علماے حنفیہ کی ذاتی راے ہے۔ امام صاحب سے اسکو کچھ واسطہ نہین۔ امام رازی نے مناقب الشافعی مین اتنی احتیاط کی کہ اس موقع پر امام ابوحنیفہ کا نام نہین لیا۔ بلکہ اصحاب ابی حنیفہ لکھا۔ لیکن ہم اس احتیاط مین بھی انکو معذور نہین رکھتے کیونکہ یہ راے بعض حنفیون کی ہو سکتی۔ امام رازی نے اصحاب کے لفظ سے جو ابہام ظاہر کی وہ صحیح نہین۔

بیع مصراۃ۔ کی حدیث کو امام ابوحنیفہ نے قیاس کی بنا پر رد نہین کیا بلکہ اسکے نسخ کا دعویٰ کیا ہے۔ امام طحاوی۔ نے معانی الآثار مین اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔ وہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد۔ کا مذہب لکھکر کہتے ہین "ذهبوا الى ان ما روى عن رسول الله فى ذلك مما تقدم ذكرنا له فى هذا الباب منسوخ" یعنی یہ لوگ اس بات کے قائل ہوئے ہین کہ اس بارہ مین جو کچھ رسول اللہ سے روایت کیا گیا ہے وہ منسوخ ہے۔

اس موقع پر ہم اس بحث کی تفصیل نہین کر سکتے صرف یہ بتانا چاہتے ہین کہ اس مسئلہ مین امام صاحب نے قیاس کو ترجیح نہین دی بلکہ نسخ کا دعویٰ کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے موقعون پر نہایت دقیقہ بینی سے دیکھنا چاہیئے کہ جو اقوال امام صاحب کی طرف منسوب کیے جاتے ہین وہ ان سے ثابت بھی ہین یا نہین؟۔ متاخرین نے ان باتون مین کم احتیاط کی ہے۔ اسلیے ہمکو نہایت غور و تحقیق سے کام لینا ہے۔ یہی بیع مصراۃ کی حدیث ہمیشہ اصول موضوعہ کے طور پر پیش کی جاتی ہے اور اس سے ثابت کیا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ۔ قیاس کو۔ حدیث پر مقدم رکھتے تھے۔ لیکن ذرا تحقیق سے

کام لو تو معلوم ہوتا ہے کہ اس تمام شور و غل کی کچھ اصل نہیں۔

امام صاحب نے تصریح کی ہے کہ وہ حدیث کے مقابلہ میں قیاس کا اعتبار نہیں کرتے

بخلاف اسکے نہایت قوی ذریعہ سے امام ابوحنیفہ کی تصریحات ثابت ہیں کہ وہ حدیث صحیح کے مقابلہ میں قیاس کا مطلق اعتبار نہیں کرتے تھے۔ امام محمد اس بحث کے ذیل میں کہ جو شخص رمضان میں بھول کر کچھ کھا پی لے تو روزہ نہیں ٹوٹتا اور قضا نہیں لازم آتی۔ حدیث پر استدلال کر کے لکھتے ہیں کہ آثار کے ہوتے ہوئے رائے کچھ چیز نہیں۔ پھر امام ابوحنیفہ کا خاص قول نقل کرتے ہیں کہ لولا ما جاء فی ھذا من الآثار لامرت بالقضاء یعنی "اگر اس بارہ میں آثار موجود نہوتے تو میں قضا کا حکم دیتا"[1]

ہاں یہ ضرور ہے کہ احادیث کے ثبوت کے متعلق امام ابوحنیفہ کی شرطیں نہایت سخت ہیں۔ جب تک وہ شرطیں پائی نہ جائیں وہ حدیث کو قابل استدلال نہیں سمجھتے لیکن ان شرطوں کے ساتھ حدیث ثابت ہو تو اسکے نزدیک پھر قیاس کوئی چیز نہیں۔

قیاس کے ایک اور معنی

جس حد تک ہم تحقیق کر سکے امام ابوحنیفہ نے قیاس فقہی کو حدیث پر ہرگز مقدم نہیں رکھا۔ لیکن ان کے زمانہ تک قیاس کا لفظ نہایت وسیع معنوں میں مستعمل تھا۔ اور بے شبہ ان معنوں کے لحاظ سے امام صاحب نے قیاس کو حدیثوں میں دخل دیا ہے۔ مسائل اور احکام شرعیہ کے متعلق اسلام میں شروع ہی سے دو فرقے قائم ہو گئے تھے۔ ایک کا خیال تھا کہ شرعی احکام کسی مصلحت اور اقتضائے عقل پر مبنی نہیں ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ حسن و قبح اشیاء عقلی نہیں ہے۔ دوسرے فریق کی رائے تھی کہ تمام احکام

---

[1] کتاب الحج امام محمد ۔ ۱۲

مصالح پر مبنی ہین جنمین سے بعض کی مصلحتین صاف نمایان ہین اور خود شارع کے کلام سے اُسکے اشارے پاے جاتے ہین۔ بعض ایسے ہین جنکی مصلحت ہمکو معلوم نہین لیکن فی الواقع وہ مصالح سے خالی نہین۔ اس اختلاف راے نے حدیثونکی روایت پر مختلف اثر پیدا کیے۔ بعض لوگ جب کسی حدیث کو سنتے تھے تو صرف یہ دیکھ لیتے تھے کہ اُسکے راوی ثقہ ہین یا نہین۔ اگر اُنکے خیال کے موافق قابلِ حجت ہین تو پھر اُنکو کوئی بحث نہین ہوتی تھی۔ اور بے تکلف اُس حدیث کو قبول کر لیتے تھے۔ دوسرا فریق جو حسن وقبح اصلی کا قائل تھا یہ بھی دیکھتا تھا کہ جو مسئلہ یا عقیدہ۔ حدیث سے مستنبط ہوتا ہے۔ وہ عقل و مصلحت کے موافق ہے یا نہین۔ اگر نہین ہوتا تھا تو وہ حدیث کی زیادہ تحقیق و تنقید کی طرف مائل ہوتے تھے۔ وہ دیکھتے تھے کہ راوی۔ فہم و درایت کے لحاظ سے کیا پایہ رکھتے ہین۔ روایت باللفظ ہے یا بالمعنی۔ موقع حدیث کیا تھا۔ کون لوگ مخاطب تھے۔ کیا حالت تھی۔ غرض اس قسم کے اسباب اور وجوہ پر غور کرتے تھے۔ ان باتون سے اکثر اصل حقیقت کا پتہ لگ جاتا تھا۔

یہ طرز تحقیق خود صحابہ کے زمانہ مین قائم ہو چکا تھا۔ صحیح بن ماجہ و ترمذی مین ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے رسول اللہ سے حدیث روایت کی کہ توضؤ ا مما غیرت النار یعنی جس چیز کو آگ نے متغیر کر دیا ہو اُس کے استعمال سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اسی بنا پر بعض مجتہدین قائل ہین کہ گوشت کھانے سے وضو لازم آتا ہے۔ ابوہریرہ نے جب یہ حدیث بیان کی تو عبداللہ بن عباس۔ موجود تھے بولے کہ "ا توضا من الحمیم یعنی اس بنا پر تو گرم پانی کے

استعمال سے بھی وضو لازم آتا ہے۔ ابوہریرہ نے کہا۔ اے برادر زادہ! جب رسول اللہ سے کوئی روایت سنو تو اس پر مثالیں نہ کہو۔ لیکن عبداللہ بن عباس اپنی رائے پر قائم رہے۔ حضرت عائشہ نے ابن عمر کی اس حدیث پر ان المیت یعذب ببکاء اھلہ۔ جو اعتراض کیا تھا۔ اسی طرز تحقیق پر مبنی تھا۔ صحابہ کے حالات میں اس قسم کی متعدد مثالیں ملتی ہیں جنکا استقصا اس موقع پر ضروری نہیں۔

امام ابوحنیفہ۔ کا بھی یہی مسلک تھا اور اسی کو لوگوں نے قیاس۔ کے لفظ سے شہرت دی۔ اس مسئلہ پر کہ احکام شریعت مصالح پر مبنی ہیں۔ اس موقع پر ہم تفصیلی گفتگو نہیں کر سکتے شاہ ولی اللہ صاحب کی بے نظیر کتاب حجۃ اللہ البالغہ اس بحث کے لیے کافی و وافی ہے۔ یہاں صرف اسقدر کہنا ضرور ہے کہ علمائے اسلام میں جو لوگ عقل و نقل دونوں کے جامع تھے مثلاً امام غزالی۔ عزالدین عبدالسلام۔ شاہ ولی اللہ وغیرہ ان لوگوں کا یہی مسلک تھا۔ امام ابوحنیفہ۔ احادیث کی تنقید میں اس اصول کو ضروری طور پر ملحوظ رکھتے تھے۔ دو متعارض حدیثیں جو روایت کی حیثیت سے یکسان نسبت رکھتی تھیں انمیں وہ اس حدیث کو ترجیح دیتے تھے جو اصول مذکورہ کے موافق ہو۔

امام صاحب۔ نے بعض موقعوں پر محض اس اصول کی مخالفت کیوجہ سے بعض حدیثوں کے تسلیم میں تامل کیا ہے۔ انکی اصطلاح میں یہ ایک علت خفیہ ہے۔ محدثین نے اقسام حدیث میں ایک قسم **معلل** قرار دی ہے جسکی یہ تعریف کی ہے کہ "حدیث میں بظاہر صحت کی تمام شرطیں پائی جاتی ہیں اور وہ قابل استدلال نہیں ہوتی" اس قسم کی حدیثوں کی تمیز

پر محدثین کو نہایت فخر ہے اور وہ اسکو ایک قسم کا الہام سمجھتے ہین۔ علی بن المدینی جو امام بخاری کے استاد اور بہت بڑے مشہور محدث تھے انکا قول ہے کہ ھی الہام ولو قلت للقیّم بالعلل من این لک ھذا لم تکن لہ حجۃ[۱]۔ یعنی "یہ الہام ہے اور اگر تم ماہر علل سے پوچھو کہ تمنے کیونکر اسکو معلل کہا تو وہ کوئی دلیل نہین پیش کر سکتا"۔ محدث ابو حاتم سے ایک شخص نے چند حدیثین پوچھین انہون نے بعض کو مدرج۔ بعض کو باطل۔ بعض کو منکر۔ بعض کو صحیح بتایا۔ پوچھنے والے نے کہا کہ آپ کو کیونکر معلوم ہوا۔ کیا راوی نے آپ کو ان باتون کی اطلاع دی؟ ابو حاتم نے کہا۔ نہین! بلکہ مجھکو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ سائل نے کہا تو کیا آپ علم غیب کے مدعی ہین۔ ابو حاتم نے جواب دیا کہ تم اور ماہرین فن سے پوچھو۔ اگر وہ میرے ہمزبان ہون تو سمجھنا کہ مین نے بیجا نہین کہا۔ سائل نے ابو زرعہ سے وہ حدیثین جا کر دریافت کین۔ انہون نے ابو حاتم کی موافقت کی۔ تب سائل کو تسکین ہوئی[۲]۔

بعض محدثین کا قول ہے۔ امر یھجم علی قلوبھم لا یمکنھم ردہ وھیئۃ نفسانیۃ لا معدل لھم۔ یعنی "وہ ایک امر ہے جو ائمہ حدیث کے دل پر وارد ہوتا ہے اور وہ اسکو رد نہین کر سکتے اور نفسانی اثر ہے جس سے گریز نہین ہو سکتا"۔ محدثین کا یہ دعوی بالکل صحیح ہے۔ بے شبہہ فن روایت کی مہارت سے ایک ملکہ یا ذوق پیدا ہو جاتا ہے۔ جس سے خود تمیز ہو جاتی ہے کہ یہ قول رسول اللہ کا ہو سکتا ہے یا نہین۔

[۱] فتح المغیث صفحہ ۹۸۔ [۲] فتح المغیث صفحہ ۹۸۔

اسیطرح شریعت کے احکام اور مسائل۔ اور آنکے اسرار و مصالح کے تتبع اور استقرار سے
ایسا ذوق حاصل ہوسکتا ہے۔ جس سے یہ تمیز ہوسکتی ہو کہ رسولؐ اللہ نے یہ حکم دیا ہوگا یا
نہین۔ لیکن ان اسرار اور مصالح کا تتبع محدث کا فرض نہین ہے۔ وہ مجتہد کے ساتھ
مخصوص ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب ان دقیق وجوہ کے لحاظ سے امام ابوحنیفہ نے
بعض حدیثون کو معلل قرار دیا تو ارباب ظاہر نے مخالفت کی۔ اور بعضونکو بدگمانی ہوئی کہ
امام صاحب حدیث کو عقل ورائے کی بناپر رد کرتے ہین۔ لیکن انصاف پسند انصاف
کرسکتا ہو کہ جب روایات اور ظاہر الفاظ کے استقراء سے محدثین کو ایسا مذاق پیدا ہوجاتا
ہے جس سے وہ ایک حدیث کو جسمین بظاہر صحت کی تمام شرطین پائی جاتی ہین۔
رد کرسکتے ہین۔ تو کوئی وجہ نہین کہ جس شخص نے دقت نظر اور نکتہ شناسی کے ساتھ
احکام شریعت کے اسرار اور مصالح کا تتبع کیا ہو وہ البتہ وجدان اور ذوق سے محروم رہے۔
البتہ یہ نہایت نازک اور ذمہ داری کا کام ہے جسکا صرف وہ شخص متکفل ہوسکتا ہو جو بہت ہی
بڑا عالم۔ مجتہد۔ محدث۔ دقیقہ رس۔ موئد بتائید الٰہی ہو۔ لیکن ان شرطونکا جامع امام ابوحنیفہ
سے زیادہ کون ہوسکتا ہے۔

مراتب احادیث کا تفاوت

نہایت مہتم بالشان اور دقیق چیز جو امام ابوحنیفہ نے اس فن مین اضافہ کی وہ احادیث
کے مراتب کا تفاوت اور اُن تفاوتون کے لحاظ سے احکام شرعیہ کی تقسیم ہو۔ احکام
اور مسائل کا پہلا ماخذ قرآن ہے جسمین کسیکو گفتگو نہین ہوسکتی۔ قرآن کے بعد حدیث کا رتبہ
ہے۔ حدیث اور قرآن مین اصل امر کے لحاظ سے تو چندان فرق نہین۔ وہ دی متلو ہو

اور یہ غیر متلو۔ جو کچھ تفاوت اور اختلاف ہے وہ ثبوت کی حثیت سے ہے۔ اگر کوئی حدیث اُسی تواتر اور قطعیت سے ثابت ہو جس طرح قرآن ثابت ہے تو اثبات احکام مین وہ قرآن کے ہم پلہ ہے لیکن حدیثونکے ثبوت کے مراتب متفاوت ہین۔ اور احکام کے ثبوت مین اُنہین تفاوتون کے لحاظ کی ضرورت ہے۔ محدثین نے حدیث کی جو تقسیمین کی ہین یعنی صحیح۔ حسن۔ ضعیف۔ مشہور۔ عزیز۔ غریب۔ وغیرہ اُنکے اختلاف مراتب سے احکام پر چندان اثر نہین پڑتا چنانچہ ان قسمون مین سے محدثین صرف ضعیف کا اعتبار نہین کرتے۔ باقی اقسام کو قریباً یکسان قابل حجت قرار دیتے ہین۔ محدثین کو اس سے زیادہ تدقیق اور امتیاز مراتب کی ضرورت بھی نہ تھی۔ کیونکہ استنباط احکام اور تفریع مسائل اُنکا فرض نہ تھا لیکن امام ابوحنیفہ کو تدوین فقہ کی وجہ سے جسکے وہ بانی اول ہین زیادہ تدقیق اور فرق مراتب کی ضرورت پڑی۔ انہون نے نوعیت ثبوت کے لحاظ سے حدیث کی تین قسمین قرار دین۔

متواتر — (۱) متواتر۔ یعنی وہ حدیث جسکی رواۃ ہر طبقہ روایت مین اس کثرت سے ہون جنکی تواتر علی الکذب کا گمان نہین ہوسکتا۔ یعنی رسول اللہ سے بیشمار لوگون نے روایت کی ہو اسیطرح اُن لوگون سے لیکر اخیر زمانہ تک بیشمار رُواۃ روایت کرتے آتے ہون۔

مشہور — (۲) مشہور یعنی وہ حدیث جسکی رُواۃ پہلی طبقہ روایت مین تو بہت نہون لیکن دوسرے طبقہ سے اخیر تک اُسی کثرت سے ہون جو متواتر کے لیے مشروط ہے۔

احاد — (۳) احاد۔ جو متواتر اور مشہور نہو۔ اس تقسیم کا اثر اُنکی رائے کے موافق احکام شرعیہ پر جو پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ متواتر سے فرضیت اور رکنیت ثابت ہوسکتی ہے مشہور کا درجہ چونکہ

متواتر سے کم ہے۔ اس لیے اُس سے فرضیت کا اثبات تو نہین ہوسکتا۔ لیکن قرآن مین جو حکم مطلق ہو۔ حدیث مشہور سے مقید ہوسکتا ہے۔ اسیطرح اُس سے زیادۃ علی الکتاب ہوسکتی ہے۔ احاد کا ثبوت چونکہ بالکل ظنی ہے اسلیے وہ قرآن کے احکام منصوصہ پر کچھ اثر نہین پیدا کرسکتی۔ یہ مسئلہ اگرچہ نہایت واضح اورصاف ہے لیکن تعجب ہے کہ امام شافعی اور بعض اور محدثین اسکے مخالف ہین۔ امام بیہقی وغیرہ نے بعض مناظرات نقل کیے ہین جو امام شافعی اور امام محمد مین واقع ہوئے اورجنمین یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس مسئلہ مین امام شافعی نے امام محمد کو بند کردیا۔ اگرچہ ہمارے نزدیک یہ مناظرے فرضی مناظرے ہین جنکا ثبوت اصول روایت کے مطابق ہرگز نہین ہوسکتا۔ لیکن اس سے اسقدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کا انتساب۔ امام ابوحنیفہ کی طرف ضرور صحیح ہے۔

توی سے قوی اعتراض اس مسئلہ پر جو کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ خود امام ابوحنیفہ اور انکے تلامذہ اُسکے پابند نہ رہ سکے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ البالغۃ مین لکھا ہے کہ امام شافعی نے امام محمد سے کہا کہ کیا آپ کے نزدیک خبر واحد سے قرآن پر زیادتی نہین ہوسکتی۔ امام محمد نے کہا ہان۔ امام شافعی نے کہا قرآن مجید مین وارثون کے حق مین وصیت کا حکم ہے آپ اس حدیث کی بنا پر لا وصیۃ لوارث وصیت کو ناجائز کیون قرار دیتے ہین؟

غالباً شاہ صاحب نے یہ روایت بیہقی کی کتاب مناقب الشافعی سے لی ہے جسمین اور بھی بہت سے سروپا روایتین مذکور ہین لیکن ہم شاہ صاحب کی خدمت مین عرض کرتے ہین کہ حنفیونکے نزدیک وارثون کے حق مین وراثت کا حکم کسی حدیث سے نہین منسوخ ہوا

بلکہ خود قرآن مجید کی اُس آیت سے جسمین توریث کے احکام ہین۔ یہ صرف حنفیون ہی کی رائے نہین بلکہ تمام مفسرین کا یہی قول ہے (الا الشاذ النادر منہم)

اِن مسائل پر اور بھی بہت سی بحثین پیدا ہوگئی ہین جنکی تفصیل ہم نہین کرسکتے۔ لیکن اخبار احاد کی بحث اور اُس سے عقائد اسلام پر جو اثر پڑتا ہی اُسکو ہم اس موقع پر تفصیل سے لکھتے ہین۔ کیونکہ بعض محدثین کو زیادہ تر اسی مسئلہ مین اُن سے اختلاف ہے۔

اخبار احاد کی نسبت اگرچہ محققین اور اکثر ائمہ حدیث کا یہی مذہب ہے کہ وہ ظنی الثبوت ہین لیکن ایک فرقہ اس کے خلاف بھی ہی۔ جسکے سرگروہ علامہ ابن الصلاح ہین۔ اگرچہ علامہ ابن الصلاح نے بھی اخبار احاد کی تمام اقسام کو قطعی نہین تسلیم کیا ہی۔ انہون نے حدیث صحیح کی سات قسمین کی ہین (۱) جسپر بخاری ومسلم دونون متفق ہون (۲) بخاری منفرد ہون۔ (۳) مسلم منفرد ہون (۴) بخاری ومسلم نے اُسکو روایت نہ کیا ہو لیکن اُنکی شرطون کے موافق ہو۔ (۵) صرف بخاری کی شرط پر ہو (۶) صرف مسلم کی شرط پر ہو (۷) بخاری ومسلم کی شرط کے موافق نہو۔ لیکن اور محدثین نے اُسکو صحیح تسلیم کیا ہو۔ ان سات قسمون مین سے علامہ ابن الصلاح۔ پہلی قسم کو قطعی الصحۃ قرار دیتے ہین اور لکھتے ہین وھذا القسم جمیعہ مقطوع بصحتہ والعلم النظری واقع بہ متفردات بخاری اور مسلم۔ کی نسبت اُنکی رائے ہے کہ اسی قبیل مین داخل ہین۔ بجز اُن چند حدیثون کے جن پر دارقطنی وغیرہ نے جرح کی ہے۔ ابن الصّلاح کا قول۔ اگرچہ ظاہر بینون مین اور بالخصوص آج کل زیادہ رواج پاگیا ہے۔ لیکن کچھ شبہ نہین کہ وہ بالکل غلط اور بے دلیل خیال ہے۔ اور خود

ایمہ حدیث اُسکے مخالف ہین۔ علامہ نووی شرح صحیح مسلم مین ابن الصلاح۔ کا قول تفصیلاً نقل کر کے لکھتے ہین وھذا الذی ذکرہ الشیخ فی ھذہ المواضع خلاف ما قالہ المحققون والاکثرون۔ فانھم قالوا احادیث الصحیحین التی لیست بمتواترۃ انما تفید الظن فانھا احاد والاحاد انما تفید الظن علی ما تقرر ولا فرق بین البخاری ومسلم وغیرھما فی ذالک۔ یعنی شیخ ابن الصلاح۔ نے ان موقعون پر جو کچھ کہا وہ محققین اور اکثرون کی راے کے خلاف ہے کیونکہ محققین اور اکثرونکا قول ہے کہ صحیحین کی حدیثین جو تواتر کے رتبہ کو نہین پہنچی ہین صرف ظن کی مفید ہین۔ کیونکہ وہ اخبار احاد ہین اور اخبار احاد کی نسبت ثابت ہوچکا ہے کہ اُن سے صرف ظن پیدا ہوسکتا ہے اور اس باب مین بخاری ومسلم اور اور لوگ سب برابر ہین" ابن الصلاح کے قول کو اور ایمہ فن نے بھی رد کیا ہے لیکن ہم اس بحث کو نقلی طور سے طے کرنا نہین چاہتے۔ ہمکو خود غور کرنا چاہیے کہ اخبار احاد سے یقین پیدا ہوسکتا ہے یا ظن۔

احاد کی ظنی الثبوت ہونے کی تحقیق

کسی حدیث کو جب ایک محدث گو وہ کسی رتبہ کا ہو۔ صحیح کہتا ہے تو اُسکا یہ دعوی درحقیقت چند ضمنی دعوؤن پر مشتمل ہوتا ہے۔ یعنی یہ کہ یہ روایت[۱] متصل ہے۔ اُسکی رواۃ[۲] ثقہ ہین۔ ضابط[۳] القلب ہین۔ روایت مین شذوذ[۴] نہین ہے۔ کوئی علۃ قادحہ نہین ہے۔ یہ سب امور ظنی اور اجتہادی ہین۔ جن پر یقین کی بنیاد قایم ہوسکتی۔ جسطرح ایک فقیہ کسی مسئلہ کو قرآن یا حدیث سے استنباط کر کے اپنی دانست مین صحیح سمجھتا ہے اور اُسکی صحت یقینی نہین ہوتی۔ کیونکہ استنباط مین جن مقدمات سے اُسنے کام لیا ہے اکثر اُسکے ظنیات ہین۔

اسیطرح حدیث کا حال ہے کسی حدیث کو صحیح کہنا محدث کے ظنیات و اجتہادات پر مبنی ہی- ایک یا چند محدثین نے کسی حدیث کو اگر صحیح کہا ہے - اور دوسرا شخص اُسکی صحت نہین تسلیم کرتا تو وہ صرف اس گناہ کا مجرم ہے کہ اُس محدث یا محدثین کے اصول تحقیق - قواعد استنباط - طریق روایت - غرض اُنکے اجتہادات اور مزعومات کا مخالف ہے -

حدیث کی تحقیق و تنقید کے لئے محدثین نے جو اصول مقرر کئے ہین اور جن پر احادیث کی صحت کا مدار ہے - سب عقلی اور اجتہادی مسائل ہین اور یہی وجہ ہی کہ اُنہین - خود محدثین - باہم اختلاف عظیم رکھتے ہین - ظاہر بینون کا خیال ہی کہ حدیث کا فن نقلی ہے نہ عقلی - لیکن جس شخص نے اصول حدیث پر غور کی ہے وہ اس خیال کی غلطی کو نہایت آسانی سے سمجھ سکتا ہے - اسی نکتہ کی طرف امام ابوحنیفہ - نے اشارہ کیا ہے کہ ھذا الذی نحن فیہ رای لا نجبر علیہ احدا و لا نقول یجب علی احد قبولہ بعضون نے غلطی سے امام صاحب کے اس وسیع قول کو فقہ پر محدود سمجھا لیکن اُنکو معلوم نہین کہ مجتہد کو مسائل سے زیادہ مسائل کے ماخذ سے بحث ہوتی ہے -

اصول حدیث کے ظنی اور اجتہادی ہونیکا یہی اثر ہے کہ محدثین کو احادیث کی صحت و عدم صحت مین باہم اختلاف ہوتا ہے - ایک محدث ایک حدیث کو نہایت صحیح مستند واجب العمل قرار دیتا ہی - دوسرا اُسی کو ضعیف بلکہ **موضوع** کہتا ہے - محدث ابن جوزی - نے بہت سی حدیثون کو موضوعات مین داخل کیا ہی - جنکو دوسرے محدثین صحیح اور حسن کہتے ہین - ابن جوزی نے تو یہ قیامت کی کہ صحیحین کی بعض حدیثون کو موضوع لکھدیا -

علامہ سخاوی لکھتے ہیں۔ بل ربما ادرج فیھا الحسن والصحیح مما ھو فی احدی الصحیحین فضلا عن غیرھما۔ یعنی "ابن جوزی نے حسن اور صحیح تک کو جو بخاری یا مسلم میں موجود ہیں موضوعات میں درج کر دیا ہے۔ دوسری کتابوں کا کیا ذکر ہے"۔ بلے شبہہ ابن جوزی نے اس افراط میں غلطی کی لیکن یہ غلطی ایک اجتہادی غلطی ہے جسکا حاصل اسیقدر ہے کہ انہون نے بخاری یا مسلم کی صحیح اجتہاد کو غلط خیال کیا۔ ان اصولی اختلافات کی وجہ سے احادیث کی صحت و عدم صحت مین جو اختلافات پیدا ہو گئے ہین اُنکا استقصاء کیا جاے تو ایک ضخیم کتاب طیار ہو سکتی ہے۔

حدیث مرفوع کی پہلی ضروری شرط یہ ہے کہ رسول اللہ تک متصل ثابت ہو لیکن اتصال کے ثبوت کے جو طریقے تسلیم کیے ہین انمین اکثر ظنی اور اجتہادی ہین۔ صحابہ کے ان الفاظ کو۔ "یہ امر سنت ہے" "ہمکو یہ حکم دیا گیا تھا" "ہم اس بات سے روکے گئے تھے" "رسول اللہ کے زمانہ مین ہم فلان کام کرتے تھے" یا "ہم اُسکو برا نہین سمجھتے تھے" اکثرون نے مرفوع قرار دیا ہے اور بعضون نے یہانتک جو وسعت دی کہ جن حدیثون مین یہ الفاظ تھے اُنکو ان لفظون سے روایت کر دیا کہ "رسول اللہ نے یہ فرمایا" حالانکہ یہ الفاظ اس معنی مین قطعی الدلالۃ نہین ہین۔ بلکہ صحابہ کے ظن اور اجتہاد پر مبنی ہین جسکی نسبت عموماً تسلیم کیا گیا ہے کہ فھم الصحابی لیس بحجۃ یعنی صحابی کی سمجھ کوئی دلیل نہین۔ اسی بنا پر بعض علما نے اختلاف کیا اور کہا کہ یہ الفاظ اتصال و رفع کے لیے کافی نہین ہین۔ امام شافعی۔ ابن حزم ظاہری۔ ابو بکر رازی۔ اور دیگر محققین نے۔ صحابہ کے اس قول کو کہ "یہ فعل سنت ہے"

حدیث مرفوع نہین قرار دیا۔ کتب سیر واحادیث مین بیسیون مثالین ملتی ہین جنہین صحابی نے یہ الفاظ استعمال کیے اور وہ حدیث نبوی نہ تھی۔ بلکہ خود اُن کا قیاس واجتہاد تھا۔ لیکن اکثر محدثین نے اِن حدیثون کو مرفوع کہا۔ اس خیال نے یہ آفت پیدا کی کہ اسکی بنا پر بعض رُواۃ نے صریح مرفوع الفاظ مین حدیث کی روایت کردی۔ جسکی وجہ سے ایک عام شبہہ پیدا ہوگیا۔

معنعن روایتین

معنعن روایتون مین اتصال کا ثابت ہونا نہایت مشکل ہی۔ حالانکہ اس قسم کی روایتین کثرت سے ہین۔ امام بخاری کا مذہب ہے کہ معنعن حدیثون مین اگر یہ ثابت ہو کہ راوی اور مروی عنہ دونون ہمزمان تھے اور کبھی ملے بھی تھے تو وہ حدیث متصل سمجھی جائیگی۔ امام مسلم حالانکہ امام بخاری کے شاگرد اور زیادہ تر انہین کے طریقے کے پیرو تھے۔ تاہم انہون نے نہایت سختی سے اس شرط کی مخالفت کی اور صرف ہمزمان ہونا کافی سمجھا[1]۔ اِس اختلاف کا یہ نتیجہ ہے کہ امام بخاری کے اصول کے موافق۔ امام مسلم کی وہ تمام معنعن روایتین جنہین لقا نہین ثابت ہی منقطع ہین۔ حالانکہ امام مسلم اُنکو متصل سمجھتے ہین۔ اور اُسپر اُنکو یہانتک اصرار ہی کہ اپنے مخالف کو سخت الفاظ سے یاد کرتے ہین۔ امام مسلم نے تو زیادہ توسیع کی لیکن امام بخاری کی شرط کے موافق بھی معنعن روایت مین۔ اتصال کا ثبوت محض ظنی ہے یہ کچھ ضرور نہین کہ دو شخص ہمزمان اور ہم لقا ہون تو اُنکی روایتین ہمیشہ بالذات ہون۔ جہان حدثنا۔ اور اخبرنا۔ ہوگا۔ وہان ایسا ہونا البتہ ضرور ہے۔ لیکن اگر یہ الفاظ نہین ہین اور

[1] دیکھو مقدمہ صحیح مسلم۔ ۲۰

راوی نے عن کے لفظ سے روایت کی ہو تو اتصال کا خیال قیاس غالب ہوگا لیکن یقینی نہوگا۔ حدیث و سیر مین بیسیون مثالین ملسکتی ہین کہ دو راوی۔ ایک زمانہ مین تھے اور آپسمین ملاقات بھی تھی۔ تاہم ایک نے دوسرے سے بعض روایتین بواسطہ کین۔ روزمرہ کے تجربون مین اسکی سیکڑون شہادتین ملتی ہین۔

رجال کی تنقید

سب سے بڑا ضروری اور اہم مسئلہ رجال کی تنقید ہے۔ اخبار آحاد کا تمامتر مدار۔ رجال پر ہی لیکن رجال کی تنقید و توثیق۔ ایسا ظنی مسئلہ ہے۔ جسکا قطعی فیصلہ نہایت مشکل اور قلیل الوجود ہے۔ ایک شخص کو بہت سے لوگ نہایت ثقہ۔ نہایت متدین۔ نہایت راستباز سمجھتے ہین اُسی شخص کو دوسرے اشخاص ضعیف الروایۃ۔ غیر ثقہ۔ ناقابل اعتبار۔ خیال کرتے ہین۔ لطف یہ ہے کہ دونون فریق اس رتبہ کے ہوتے ہین جنکی عظمت وشان سے انکار نہین کیا جا سکتا۔ امام بخاری و مسلم مین گو ایسا سخت اختلاف نہین ہے۔ تاہم بہت سی رواۃ ہین جنکو ان دونون امامون مین سے ایک قابل حجت سمجھتا ہے اور دوسرا نہین سمجھتا۔ علامہ نووی۔ نے مقدمہ شرح صحیح مسلم مین بعضون کے نام بھی لکھے ہین۔ اور محدث حاکم۔ کی کتاب المدخل سے نقل کیا ہے کہ اُن لوگون کی تعداد جن سے امام مسلم نے مسند صحیح مین احتجاج کیا ہے اور امام بخاری۔ نے جامع صحیح۔ مین اُن سے حجت نہین لی ۶۲۵ ہے۔

میزان الاعتدال۔ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سیکڑون بلکہ ہزارون رُواۃ ہین جنکی جرح و تعدیل مختلف فیہ ہے اور ایسا ہونا ضرور تھا کسی شخص کے اُن تمام اوصاف و

عادات پر مطلع ہونا۔ جنکا اثر رواۃ کی قوت وضعف پر پڑ سکتا ہے۔ مدتون کی ملاقات اور تجربہ پر موقوف ہے۔ جو لوگ جرح وتعدیل۔ کے کام مین مصروف تھے سیکڑون ہزارون راویون سے ایسی عمیق واقفیت کیونکر حاصل کر سکتے تھے۔ اسی لیے مختلف قراین۔ ظاہری آثار۔ عام شہرت۔ سمعی روایتون سے۔ کام لینا پڑتا تھا۔ اور بہت کم قطعی فیصلہ ہو سکتا تھا۔ اگرچہ محدثین۔ نے ان متعارضات کے رفع کرنے کے لیے اصول قرار دیے ہین لیکن وہ اصول خود اجتہادی اور مختلف فیہ ہین۔ اسکے علاوہ متعدد موقعون پر محدثین کو خود اپنے اصول سے انحراف کرنا پڑتا ہے۔ جرح کو عموماً تعدیل پر مقدم مانا گیا ہے۔ لیکن بہت سی رواۃ ہین جنکی نسبت اس قاعدے کی پابندی نہین کیجاتی۔ محمد بن بشار البصری۔ احمد بن صالح مصری۔ عکرمہ مولیٰ بن عباس۔ کی نسبت مفسر جرحین موجود ہین تاہم ان جرحون کا اعتبار نہین کیا جاتا۔

تعجب یہ ہے کہ جارحین ومُعدّلین دونون ائمہ فن ہوتے ہین اور اُنکی رایون مین اسقدر اختلاف ہوتا ہے جس سے تعجب پیدا ہوتا ہے۔ جابر جعفی کوفی۔ ایک مشہور راوی ہے جسکو دعویٰ تھا کہ مجھکو پچاس ہزار حدیثین یاد ہین۔ اُسکی نسبت ائمہ جرح وتعدیل کی یہ رائین ہین۔ سفیان کا قول ہے کہ مین نے جابر۔ سے زیادہ محتاط حدیث مین نہین دیکھا۔ شعبہ کہتے ہین جابر جب اخبرنا وحدثنا کہین تو وہ اوثق الناس ہین۔ امام سفیان ثوری۔ نے شعبہ سے کہا کہ اگر تم جابر جعفی مین گفتگو کروگے۔ تو مین تم مین گفتگو کرونگا۔ وکیع کا قول ہے کہ تم لوگ اور کسی بات مین شک کرو تو کرو۔ لیکن اس بات مین کچھ شک نہ کرو کہ جابر جعفی۔ ثقہ ہین۔ اسکے مقابلہ مین اور ائمہ فن کی رائین ہین جسکے یہ الفاظ ہین کہ وہ متروک ہے۔ کذاب ہے۔ وضاع ہے۔

چنانچہ اخیر فیصلہ جو پہلے محدثون نے کیا وہ یہی ہے کہ جابر کی روایت قابل اعتبار نہین۔ اِس سے یہ غرض نہین کہ جرح وتعدیل کا فن ناقابل اعتبار ہے۔ بلکہ یہ مقصود ہے کہ جن وسائل اور طرق سے رجال کے حالات قلمبند کئے گئے اور کیے جا سکتے تھے اُنکا مرتبہ ظن غالب یا محض ظن سے فائق نہین ہوسکتا۔ اِسلیے اُسپر یقینیات اور قطعیات کی بنیاد نہین قائم ہوسکتی۔

ادائے مطلب

اِن امور کے بعد تادیہ معنی کی بحث باقی رہتی ہے۔ مثلاً ایک حدیث تمام محدثین اور مجتہدین کے اصول کے موافق متصل بھی ہے۔ رُواۃ بھی ثقہ ہین۔ شذوذ بھی نہین ہے۔ لیکن یہ بحث اب بھی باقی ہے کہ راوی نے ادائے مطلب کیونکر کیا؟ موقع اور محل روایت کی تمام خصوصیتین ملحوظ رکھین یا نہین؟ فہم مطلب۔ یا طریقہ ادا۔ مین تو کوئی غلطی نہین کی؟ چونکہ یہ مسلم ہو کہ حدیثین اکثر بالمعنی روایت کی گئی ہین اسلیے اِن احتمالات کو زیادہ قوت ہوجاتی ہے صحابہ کے زمانہ مین کسی روایت کی صحت سے انکار کیا جاتا تھا۔ تو اسی بنا پر کیا جاتا تھا۔ ورنہ یہ ظاہر ہے کہ صحابہ عموماً ثقہ تھے اور اُنکی روایت مین انقطاع کا کوئی احتمال نہ تھا۔ صحیح مسلم باب التیمم مین ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے مسئلہ دریافت کیا کہ مجھکو غسل کی حاجت ہوئی اور پانی نہ ملسکا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نماز نہ پڑھو۔ عمارؓ موجود تھے انہون نے اِس مسئلہ کے متعلق رسول اللہؐ سے ایک روایت بیان کی اور کہا کہ اُس موقع پر آپ بھی موجود تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ اتق اللہ یا عمار۔ یعنی "اے عمار خدا سے ڈرو" یہ ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ۔ عمارؓ کو کاذب الروایۃ نہین سمجھتے تھے۔ لیکن اس احتمال پر کہ شاید

اداسے مطلب مین غلطی ہوتی - یہ الفاظ فرماتے - چنانچہ عمار نے کہا - کہ اگر آپ کی مرضی نہو تو مین یہ حدیث نہ روایت کیا کرون " اخبار احاد کی بحث کو ہمنے قصداً اسلیے طول دیا کہ محدثین زیادہ تر اسی مسئلہ کی وجہ سے امام ابوحنیفہ پر ردو قدح کرتے ہین - حالانکہ امام صاحب کا مذہب نہایت تحقیق اور دقت نظر پر مبنی ہے -

یہ تمام احتمالات اور اجتہادات اخبار احاد کے ساتھ مخصوص ہین - متواتر اور مشہور مین ان بحثون کا مساغ نہین - انہین وجوہ اور اسباب سے اخبار احاد کے متعلق مختلف رائین پیدا ہوگیئن - معتزلہ نے تو سرے سے انکار کیا - اُنکے مقابلہ مین بعض محدثین نے یہ شدت کی کہ خبر واحد کو قطعی قرار دیا - صرف یہ شرط لگائی کہ رواۃ ثقہ ہون - اور انقطاع و شذوذ و علت نہو بعض محدثین اگرچہ اصول کے طور پر اخبار احاد کو ظنی کہتے ہین لیکن جزئیاتِ احکام اور مسائل اعتقادی مین اسکا خیال نہین رکھتے - امام ابوحنیفہ نے اِس بحث مین جو مسلک اختیار کیا وہ نہایت معتدل اور اُنکی دقت نظر کی بہت بڑی دلیل ہے - اُنہون نے نہ معتزلہ کیطرح سرے سے انکار کیا - نہ ظاہریون کی طرح خوش اعتقادی سے اُسکی قطعیت تسلیم کی - امام صاحب کی یہ رائے بڑے بڑے صحابہ کی رائے کے موافق ہے - حضرت عمر - حضرت عائشہ عبد اللہ بن مسعود نے متعدد موقعون پر خبر واحد کی تسلیم مین تردد کیا ہے - جسکی وجہ یہی تھی کہ وہ اخبار احاد کو قطعی نہین سمجھتے تھے - فاطمہ بنت قیس - نے جب حضرت عمر کے سامنے رسول اللہ سے روایت کی کہ لا سکنی ولا نفقۃ تو حضرت عمر نے فرمایا لا نترک کتاب اللہ بقول امرءۃ لا ندری صدقت ام کذبت - یعنی ایک عورت کی روایت کی بنا پر جسکی

خبر واحد قطعی نہین

خبر واحد مین صحابہ نے شک کیا

نسبت معلوم نہین کہ اُسنے غلط کہا یا صحیح۔ ہم کتاب الٰہی کو چھوڑ نہین سکتے۔ فقہی احکام مین اس قاعدہ کی متعدد تفریعین ہین مثلاً یہ کہ اخبار احاد سے کسی حکم کا فرض ہونا نہین ثابت ہو سکتا۔ کیونکہ فرضیت۔ ثبوت قطعی کی محتاج ہے البتہ اُس سے ظن غالب پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے وجوب۔ تسنن۔ استحباب۔ ثابت ہو سکتا ہے۔ اسی بنا پر نماز مین قرأت فاتحہ۔ کو امام شافعی۔ فرض سمجھتے ہین۔ اور امام ابوحنیفہ۔ واجب۔ اس اصول پر بہت سے احکام متفرع ہین۔

اس قاعدہ کا اثر علم کلام کے مسائل پر

فقہ۔ سے زیادہ اس قاعدہ کا اثر علم کلام پر پڑا ہے۔ اور یہی چیز ہے جس نے ایک زمانہ کو امام ابوحنیفہ کا مخالف بنا دیا تھا۔ امام صاحب نے مذکورہ بالا قاعدہ کی بنا پر یہ اصول قرار دیا تھا کہ جو مسائل اور عقاید۔ اسلام مین متفق علیہ ہین اُن کے خلاف اخبار احاد۔ قابل اعتبار نہین۔ مثلاً انبیا کی عصمت۔ اہل حق کا ایک مسلمہ مسئلہ ہے۔ اسکے برخلاف جن روایتون سے انبیا کا مرتکب کبائر ہونا ثابت ہوتا ہے امام ابوحنیفہ کے اصول کے موافق وہ روایتین قابل اعتبار نہین۔ اس اصول کی بنا پر بہت سے اشکالات سے جو ملاحدہ پیش کرتے ہین نجات ملتی ہے لیکن افسوس ہے کہ اکثر ارباب روایت نے اس عمدہ اصول کی قدر نہ کی بلکہ اُلٹی اور مخالفت کی۔ علامہ ابن عبد البر نے جو مشہور محدث ہین کتاب الکنی مین لکھا ہے۔ کان من مذھب الامام ابی حنیفة فی اخبار احاد ان لا یقبل منھا المخالف للاصول المجمع علیھا فانکر علیہ اصحاب الحدیث فافرطوا[1]

[1] اس عبارت کو حافظ ابو المحاسن۔ نے عقود الجمان مین نقل کیا ہے۔ ۱۲

یعنی "اخبار احاد مین امام ابوحنیفہ کا یہ مذہب تھا کہ اصول متفق علیہ کے خلاف ہو تو قابل قبول نہین۔ اسپر اصحاب حدیث نے انکی مخالفت کی اور افراط کو پہنچا دیا"

محدثین اور امام ابوحنیفہ کے اصول مین عملاً یہ فرق ہی کہ جو حدیث اصول متفق علیہ کے خلاف ہوتی تھی محدثین اُسکی صحت کو تسلیم کر کے تاویل سے کام لیتے تھے۔ حالانکہ اکثر جگہ محض بارد تاویل ہوتی تھی بخلاف اسکے امام صاحب اسطرف مائل ہوتے تھے کہ چونکہ وہ حدیث متواتر اور مشہور نہین ہے اسلیے ممکن ہے کہ رُواۃ نے غلطی یا مسامحت کی ہو۔ امام فخرالدین رازی۔ نے تفسیر کبیر مین ایک بحث لکھی ہے جو اس موقع کی ایک عمدہ مثال ہی۔ وہ لکھتے ہین کہ "ایک شخص سے مین نے کہا کہ یہ حدیث جسمین بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم تین بار جھوٹ بولے۔ ماکذب ابراھیم الا ثلث کذبات۔ صحیح نہین۔ کیونکہ اس سے حضرت ابراہیمؑ کا (نعوذ باللہ) کاذب ہونا لازم آتا ہے۔ اُس شخص نے کہا کہ اس حدیث کی رُواۃ ثقہ ہین انکو کاذب کیونکر کہا جاے۔ مین نے جواب دیا کہ حدیث کو صحیح مانین تو حضرت ابراہیمؑ کا کذب لازم آتا ہے۔ اور غلط تسلیم کرین تو راوی کو کاذب ماننا پڑتا ہے۔ لیکن یہ بدیہی بات ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو راوی پر ترجیح ہے" امام رازی کا استدلال۔ امام ابوحنیفہ کے اسی خیال پر مبنی ہے۔ یعنی چونکہ انبیا کا معصوم اور صادق ہونا متفق علیہ ہے۔ اس لئے خبر واحد اُسکے متعارض نہین ہوسکتی۔ افسوس ہے کہ محدث قسطلانی صحیح بخاری کی شرح مین اس استدلال کو نقل کر کے لکھتے ہین کہ "جب رواۃ ثقہ ہین تو حدیث کو بہرحال صحیح ماننا چاہیے"

اسی اصول پر امام صاحب اس بات کے قائل ہین کہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم - ہر سورۃ کے شروع مین جزو قرآن نہین ہے" امام شافعی - اور بعض محدثین اسکے خلاف ہین اور سند مین چند حدیثین پیش کرتے ہین - امام ابو حنیفہ کی طرف سے یہ جواب ہے کہ قرآن تواتر سے ثابت ہے اور جو تواتر سے ثابت ہے وہی قرآن ہے - اخبار احاد سے قرآن نہین ثابت ہو سکتا - اسیطرح امام صاحب کے اصول کے مطابق - وہ روایتین قابل اعتبار نہین جن مین عبداللہ بن مسعود کی طرف معوذتین - کا انکار منسوب کیا گیا ہے - حافظ بن حجر نے ان روایتون کو صحیح تسلیم کیا ہے - اور کہا ہے کہ "روایت سے انکار نہین کرنا چاہیے - بلکہ تاویل سے کام لینا چاہیے" لیکن تاویل کیا ہو سکتی ہے - خدا نخواستہ یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ معوذتین متواتر نہین ہین - یا تواتر کا اشارتہ گھٹانا ہو گا کہ رسول اللہ کے اصحاب کو بھی اس سے واقف ہونا ضرور نہو - امام صاحب کے اس اصول کے مطابق اسلام کا دائرہ اسقدر وسیع رہتا ہے جسقدر کہ اوسکو رہنا چاہیے - بخلاف اسکے اور لوگون کی رائے کے مطابق اسکی وسعت نقطہ سے بھی کم رہجاتی ہے - مثلاً یہ مسلم اور یقینی ہے کہ جو شخص توحید و نبوت کا قائل ہے اور دل سے اسپر اعتقاد رکھتا ہے وہ قرآن مجید کی نص کے مطابق مسلمان ہے - اب اسکے مقابلہ مین وہ حدیثین جو قطعی الثبوت نہین ہین - اور جنمین بہت سے خارجی امور پر کفر کا حکم دیا گیا ہے - کچھ اثر نہین پیدا کر سکتین - اسی بنا پر امام صاحب معتزلہ قدریہ - جہمیہ - وغیرہ کو کافر نہین کہتے تھے اور اس قسم کی حدیثون کا کہ "بہتر فرقون مین سے صرف ایک فرقہ جنتی ہے اور باقی دوزخی" اعتبار نہین کرتے تھے - لیکن بہت سے

ظاہر بینوں نے ان حدیثوں کا یہ رتبہ قائم کیا کہ انکی بنا پر بات بات پر کفر کے فتوی دیے یہانتک کہ جو شخص وضع قطع مین ذرا بھی کسی دوسرے کے مشابہ ہوجاے وہ کافر ہے خود متاخرین حنفیہ نے امام صاحب کے اس عمدہ اصول کو نظر انداز کردیا اور سیکڑون ہزارون مسئلے کفر کے ایجاد کردیے جنکی تفصیل سے فقہ کی کتابین مالامال ہین -

فقہ

اسلامی علوم مثلاً تفسیر - حدیث - فقہ - مغازی - انکی ابتدا اگرچہ اسلام کے ساتھ ساتھ ہوئی لیکن جسوقت تک انکو فن کی حیثیت نہین حاصل ہوئی وہ کسی خاص شخص کی طرف منسوب نہین ہوئے - دوسری صدی کے اوائل مین تدوین و ترتیب شروع ہوئی ہر ادر جن لوگون نے تدوین و ترتیب کی وہ اُن علوم کے بانی کہلائے چنانچہ بانی فقہ کا لقب **امام ابو حنیفہ** کو ملا جو درحقیقت اس لقب کے سزاوار تھے - اگر ارسطو علم منطق کا موجد ہے تو بے شبہہ امام ابوحنیفہ بھی علم فقہ کے موجد ہین - امام صاحب کی علمی زندگی کا بڑا کارنامہ فقہ ہی ہے اسلیے ہم اُسپر تفصیلی بحث کرنی چاہتے ہین لیکن اصل مقصد سے پہلے ضرور ہے کہ مختصر طور پر ہم علم فقہ کی تاریخ لکھین جس سے ظاہر ہو کہ یہ علم کب شروع ہوا اور کیونکر شروع ہوا ؟ اور خاصکر یہ کہ امام ابو حنیفہ نے جب اسکو پایا تو اسکی کیا حالت تھی ؟ -

فقہ کی مختصر تاریخ

فقہ - کی تاریخ پر شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک نہایت عمدہ مضمون لکھا ہے جسکا التقاط ہمارے لیے کافی ہے - وہ لکھتے ہین کہ رسول اللہ کے زمانہ مین احکام کی قسمین نہین پیدا ہوئی تھین - آنحضرت صحابہ کے سامنے وضو فرماتے تھے - اور کچھ نہ بتاتے تھے کہ یہ رکن

ہے۔ یہ واجب ہے۔ یہ مستحب ہے۔ صحابہ آپ کو دیکھکر۔ اسیطرح وضو کرتے تھے۔ نماز۔ کا بھی یہی حال تھا۔ یعنی صحابہ۔ فرض وواجب وغیرہ کی تفصیل وتدقیق نہین کیا کرتے تھے۔ جسطرح رسول اللہؐ۔ کو نماز پڑھتے دیکھا خود بھی پڑھ لی۔ ابن عباس کہتے ہین کہ "مین نے کسی قوم کو رسول اللہ کے اصحاب سے بہتر نہین دیکھا۔ لیکن اُنہون نے رسول اللہ۔ کی تمام زندگی مین تیرہ مسئلون سے زیادہ نہین پوچھے۔ جو سب کے سب قرآن مین موجود ہین" البتہ جو واقعات غیر معمولی طور سے پیش آتے تھے اُنھین۔ لوگ آنحضرت سے استفتا کرتے اور آنحضرت جواب دیتے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ لوگون نے کوئی کام کیا اور آپ نے اُسپر تحسین کی یا اُس سے ناراضمندی ظاہر کی۔ اِس قسم کے فتاوے اکثر عام مجمعون مین ہوتے تھے۔ اور لوگ آنحضرت کے اقوال کو محفوظ رکھتے تھے۔

آنحضرت کی وفات کے بعد۔ فتوحات کو نہایت وسعت ہوئی اور تمدن کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ واقعات اس کثرت سے پیش آئے کہ اجتہاد واستنباط کی ضرورت پڑی اور اجمالی احکام کی تفصیل پر متوجہ ہونا پڑا۔ مثلاً کسی شخص نے غلطی سے نماز مین کوئی عمل ترک کر دیا۔ اب بحث یہ پیش آئی کہ "نماز ہوئی یا نہین"، اِس بحث کے پیدا ہونے کے ساتھ یہ تو ممکن نہ تھا کہ نماز مین جسقدر اعمال تھے سبکو فرض کہدیا جاتا۔ صحابہ کو تفریق کرنی پڑی کہ نماز مین کتنے ارکان فرض وواجب ہین۔ کتنے مسنون اور مستحب۔ اس تفریق کے لیے جو اصول قرار دیے جا سکتے تھے۔ اُن پر تمام صحابہ کی رایونکا متفق ہونا ممکن نہ تھا۔ اسلیے مسائل مین اختلاف آرا ہوا اور اکثر مسئلون مین صحابہ کی مختلف رائین قائم ہوئین بہت سے ایسے واقعات پیش آئے

کہ رسول اللہ کے زمانہ مین اُنکا عین واثر بھی پایا نہین گیا تھا۔صحابہ کو ان صورتون مین۔ استنباط۔تفریع۔حمل النظیر علی النظیر۔قیاس۔سے کام لینا پڑا۔ان اصول کے طریقے یکسان نہ تھے اسلیے ضروری اختلاف پیدا ہوئے۔غرض صحابہ ہی کے زمانہ مین احکام اور مسائل۔کا ایک دفتر بن گیا اور جدا جدا طریقے قائم ہوگئے۔صحابہ مین سے جن لوگون نے استنباط و اجتہاد سے کام لیا۔اور مجتہد یا فقیہ۔کہلائے اُن مین سے چار بزرگ نہایت ممتاز تھے۔عمرؓ۔علیؓ۔عبداللہ بن مسعود۔عبداللہ بن عباس۔حضرت علیؓ وعبداللہ بن مسعود زیادہ تر۔کوفہ۔مین رہے اور وہین اُنکے مسائل واحکام کی زیادہ ترویج ہوئی۔اس تعلق سے کوفہ۔فقہ کا دار العلوم بنگیا۔جسطرح کہ حضرت عمر وعبداللہ بن عباس کے تعلق سے حرمین کو دار العلوم۔کا لقب حاصل ہوا تھا۔

مجتہدین صحابہ

حضرت علیؓ۔بچپن سے رسول اللہ۔کی آغوشِ تربیت۔مین پلے تھے۔اور جسقدر اُنکو آنحضرت صلعم کے اقوال وافعال سے مطلع ہونے کا موقع ملا تھا کسیکو نہین ملا تھا۔ایک شخص نے اُن سے پوچھا کہ آپ اور صحابہ کی نسبت کثیر الروایۃ کیون ہین؟ فرمایا کہ "مین آنحضرت صلعم سے کچھ دریافت کرتا تھا تو بتاتے تھے اور چپ رہتا تھا تو خود ابتدا کرتے تھے" اسکے ساتھ ذہانت۔قوتِ استنباط۔ملکۂ استخراج۔ایسا بڑھا ہوا تھا کہ عموماً صحابہ۔اعتراف کرتے تھے حضرت عمرؓ۔کا عام قول تھا کہ "خدا نکرے کہ کوئی مشکل مسئلہ آن پڑے اور علیؓ۔موجود نہ ہون" عبداللہ بن عباس۔خود مجتہد تھے مگر کہا کرتے تھے کہ "جب ہمکو علیؓ کا فتوی ملجاے تو کسی اور چیز کی ضرورت نہین"

حضرت علی۔

عبداللہ بن مسعود

عبداللہ بن مسعود بھی حدیث وفقہ دونون مین کامل تھے۔ رسول اللہ کے ساتھ جسقدر جلوت وخلوت مین وہ ہمدم وہمراز رہے تھے بہت کم لوگ رہے ہونگے صحیح مسلم مین۔ ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ ہم یمن سے آئے اور کچھ دنون تک (مدینہ مین) رہے ہم نے عبداللہ بن مسعود کو رسول اللہ کے پاس اس کثرت سے آتے جاتے دیکھا کہ ہم انکو رسول اللہ کے اہلبیت سے گمان کرتے رہے" عبداللہ بن مسعود کو دعوی تھا کہ "قرآن مجید مین کوئی آیت ایسی نہین ہے جسکی نسبت مین یہ نہ جانتا ہون کہ کس باب مین اتری ہے" وہ کہا کرتے تھے کہ "اگر کوئی شخص قرآن مجید کا مجھسے زیادہ عالم ہوتا تو مین اسکے پاس سفر کرکے جاتا" صحیح مسلم مین ہے کہ انہون نے ایک مجمع مین دعوی کیا کہ تمام صحابہ جانتے ہین کہ مین قرآن کا سب سے زیادہ عالم ہون۔ شقیق اس جلسہ مین موجود تھے۔ وہ کہتے ہین کہ "اس واقعہ کے بعد مین اکثر صحابہ کے حلقون مین شریک ہوا مگر کسیکو عبداللہ بن مسعود کے دعوی کا منکر نہین پایا۔

عبداللہ بن مسعود باقاعدہ طور پر حدیث وفقہ کی تعلیم دیتے تھے اور انکی درسگاہ مین بہت سے تلامذہ کا مجمع رہتا تھا جنمین سے چند شخص یعنی اسود۔ عبیدہ۔ حارث۔ علقمہ نہایت نامآور ہوئے علقمہ۔ رسول اللہ کی زندگی مین پیدا ہوئے تھے۔ اور حضرت عمرؓ۔ عثمان رضؓ علیؓ۔ عائشہؓ۔ سعدؓ۔ حذیفہ۔ خالد بن الولید۔ خباب۔ اور بہت سے صحابہ سے حدیثین روایت کین۔ خاصکر عبداللہ بن مسعود کی صحبت مین۔ اس التزام سے رہے تھے اور انکے طور وطریقے کے اسقدر قدم بقدم چلتے تھے کہ لوگونکا قول تھا کہ "جسنے علقمہ کو دیکھ لیا اسنے عبداللہ بن مسعود کو دیکھ لیا" خود عبداللہ بن مسعود کا قول تھا کہ جسقدر علقمہ کی معلومات مین

میری معلومات اُس سے زیادہ نہین ہین"۔ اِس سے زیادہ کیا ہوگا کہ صحابہ اُنسے مسائل دریافت کرنے آتے تھے۔ عبداللہ بن مسعود کے شاگردون مین اگر کوئی شخص علقمہ کا ہمسر تھا تو اسود تھے۔

ابراہیم نخعی

علقمہ و اسود کے انتقال کے بعد ابراہیم نخعی مسند نشین ہوئے۔ اور فقہ کو بہت کچھ وسعت دی یہانتک کہ اُنکو فقیہ العراق کا لقب ملا۔ علم حدیث مین اُنکا یہ پایہ تھا کہ صیرفی الحدیث کہلاتے تھے۔ امام شعبی نے جو علامۃ التابعین کے لقب سے ممتاز ہین اُنکی وفات کے وقت کہا کہ "ابراہیم نے کسی کو نہین چھوڑا جو اُن سے زیادہ عالم اور فقیہ ہو"۔ اسپر ایک شخص نے تعجب سے پوچھا کہ کیا حسن بصری۔ اور ابن سیرین بھی؟ شعبی نے کہا حسن بصری۔ اور ابن سیرین پر کیا ختم ہے۔ بصرہ۔ کوفہ۔ شام۔ حجاز مین کوئی شخص اُن سے زیادہ عالم نہین رہا۔

ابراہیم نخعی کے عہد مین مسائل فقہ کا ایک مختصر مجموعہ طیار ہوگیا تھا جسکا ماخذ حدیث نبوی اور حضرت علیؑ۔ اور عبداللہ بن مسعود کے فتاوے تھے۔ یہ مجموعہ گو مرتب طور پر قلمبند نہین کیا گیا۔ لیکن اُنکے شاگردون کو اُسکے مسائل زبانی یاد تھے سب سے زیادہ یہ مجموعہ حماد کے پاس جمع تھا۔ جو ابراہیم کے تلامذہ مین نہایت ممتاز تھے۔ چنانچہ اُنکے مرنے کے بعد فقہ کی مسند خلافت بھی اُنہین کو ملی۔ حماد نے گو فقہ کو چندان ترقی نہین دی لیکن وہ ابراہیم کے مجموعہ فقہ کے بہت بڑے حافظ تھے۔ حماد نے سنہ ۱۲۰ہجری مین قضا کی اور لوگون نے اُنکی جگہہ امام **ابو حنیفہ** کو فقہ کی مسند پر بٹھایا۔

امام صاحب کے زمانہ تک اگرچہ فقہ کے معتد بہ مسائل مدون ہو چکے تھے۔ لیکن اولاً تو یہ تدوین صرف زبانی روایت تھی۔ دوسرے جو کچھ تھا فن کی حیثیت سے نہ تھا۔ نہ استنباط و استدلال کے قواعد قرار پائے تھے نہ احکام کی تفریع کے اصول منضبط تھے۔ نہ حدیثوں میں امتیاز مراتب تھا۔ نہ قیاس اور تشبیہ النظیر علی النظیر کے قاعدے مقرر تھے مختصر یہ کہ فقہ جزئیات مسائل کا نام تھا اور اسکو قانون کے رتبہ تک پہنچانے کے لیے بہت سے زینے باقی تھے۔

امام ابوحنیفہ کو فقہ کی تدوین کا خیال کیونکر پیدا ہوا

تاریخ سے اس بات کا پتہ لگانا مشکل ہے کہ امام ابوحنیفہ کو خاص کس وجہ سے فقہ کی تدوین کا خیال پیدا ہوا۔ قلائد عقود العقیان کے مصنف نے کتاب انموذج القتال سے اسکا ایک قصہ نقل کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ "دو شخص حمام میں نہانے گئے اور حمامی کے پاس کچھ امانت رکھتے گئے۔ ایک ان میں سے نہا کر نکلا اور حمامی سے امانت طلب کی۔ اسنے دیدی۔ یہ لیکر چلتا ہوا۔ دوسرا حمام سے باہر آیا اور امانت مانگی تو اس نے عذر کیا کہ میں نے تمہارے شریک کو حوالہ کر دی۔ اسنے عدالت میں استغاثہ کیا۔ قاضی صاحب نے حمامی کو ملزم ٹھہرایا کہ جب دونوں نے ملکر تیرے پاس امانت رکھی تھی تو تجھکو ضرور تھا کہ دونوں کی موجودگی میں واپس کرتا۔ حمامی گھبرایا ہوا امام ابوحنیفہ کے پاس آیا۔ امام صاحب نے کہا کہ تم جا کر اس شخص سے کہو کہ میں تمہاری امانت ادا کرنے کے لیے طیار ہوں۔ لیکن قاعدہ کے موافق تنہا تمکو نہیں دے سکتا۔ شریک کو لاؤ تو لیجاؤ۔ اس واقعہ کے بعد امام صاحب کو فقہ کی تدوین کا خیال پیدا ہوا۔ اور اسکی ترتیب شروع کی۔

اصلی اسباب

ممکن ہے کہ یہ واقعہ صحیح ہو لیکن اس خیال کے پیدا ہونے کے اصلی اسباب اور تھے۔

یہ امر تاریخون سے ثابت ہے کہ امام صاحب کو تدوین فقہ کا خیال قریباً سنہ ۱۲۰ھ مین پیدا ہوا یعنی جب اُنکے اُستاد حماد نے وفات کی۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ اسلام کا تمدن نہایت وسعت پکڑ گیا تھا۔ عبادات اور معاملات کے متعلق اس کثرت سے واقعات پیدا ہو گئے تھے اور ہوتے جاتے تھے کہ ایک مرتب مجموعہ قانون کے بغیر کسیطرح کام نہین چلسکتا تھا۔ نیز سلطنت کی وسعت اور دوسری قومون کے میل جول سے تعلیم و تعلم نے اسقدر وسعت حاصل کر لی تھی کہ زبانی سند و روایت۔ اُسکا تحمل نہین کر سکتی تھی۔ ایسے وقت پر قدرتی طور پر۔ لوگون کے دل مین خیال آیا ہوگا کہ ان جزئیات کو اصول کے ساتھ ترتیب دیکر ایک فن بنا دیا جاے۔

امام ابو حنیفہ کی طبیعت مجتہدانہ اور غیر معمولی طور پر مقننانہ واقع ہوئی تھی۔ اسکے ساتھ تجارت کی وسعت اور ملکی تعلقات نے۔ اُنکو معاملات کی ضرورتون سے خبردار کر دیا تھا۔ اطراف و بلاد سے۔ ہر روز جو سیکڑون ضروری استفتا آتے تھے اُن سے اُنکو اندازہ ہوتا تھا کہ ملک کو اس فن کی کسقدر حاجت ہے۔ قضاۃ۔ اور حکام۔ فصل قضایا مین جو غلطیان کرتے تھے وہ اپنی آنکھون سے دیکھتے تھے۔ غرض یہ اسباب اور وجوہ تھے جنہون نے اُنکو اس فن کی تدوین و ترتیب پر آمادہ کیا۔ ممکن ہے کہ کسی خاص واقعہ سے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اس آمادگی کو اور تحریک ہوئی۔ جسکے ساتھ عملی کوشش کا ظہور ہوا۔

امام صاحب نے جس طریقہ سے فقہ کی تدوین کا ارادہ کیا وہ نہایت وسیع اور پُر خطر کام تھا۔ اسلیے انہون نے اتنے بڑے کام کو اپنی ذاتی راے اور معلومات پر منحصر کرنا نہین

تلامذہ جو فقہ کے تدوین مین شریک تھے

چاہا۔ اس غرض سے اُنہون نے اپنے شاگردون مین سے چند نامور شخص۔ انتخاب کیے جنمین سے اکثر خاص خاص۔ فنون مین جو تکمیل فقہ کے لیے ضروری تھے اُستادِ زمانہ تسلیم کیے جاتے تھے۔ مثلاً یحییٰ بن ابی زایدہ۔ حفص بن غیاث۔ قاضی ابو یوسف۔ داؤد الطائی۔ حبان۔ مندل۔ حدیث و آثار مین نہایت کمال رکھتے تھے۔ امام زفر۔ قوت استنباط مین مشہور تھے۔ قاسم بن معن۔ اور امام محمد۔ کو ادب اور عربیت مین کمال تھا۔ امام صاحب۔ نے ان لوگون کی شرکت سے ایک مجلس مرتب کی۔ اور باقاعدہ طور سے فقہ کی تدوین شروع ہوئی۔ امام طحاوی۔ نے بسند متصل اسد بن فرات۔ سے روایت کی ہے کہ "ابوحنیفہ۔ کے تلامذہ۔ جنہون نے فقہ کی تدوین کی۔ چالیس تھے۔ جنمین یہ لوگ زیادہ ممتاز تھے۔ ابو یوسف۔ زفر۔ داؤد الطائی۔ اسد بن عمرو۔ یوسف بن خالد التیمی۔ یحییٰ بن ابی زایدہ" امام طحاوی۔ نے یہ بھی روایت کی ہے کہ لکھنے کی خدمت یحییٰ۔ سے متعلق تھی۔ اور وہ تیس برس تک اس خدمت کو انجام دیتے رہے۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ اس کام مین کم و بیش تیس برس کا زمانہ صرف ہوا یعنی سنہ ۱۲۱ ہجری سے سنہ ۱۵۰ ہجری تک جو امام ابوحنیفہ۔ کی وفات کا سال ہے لیکن یہ غلط ہے کہ یحییٰ۔ شروع سے اس کام مین شریک تھے یحییٰ سنہ ۱۲۰ ہجری مین پیدا ہوے تھے اسلیے وہ شروع سے کیونکر شریک ہو سکتے تھے طحاوی نے جن لوگون کے نام گنائے ہین اُنکے سوا۔ عافیہ ازدی۔ ابو علی مروزی۔ علی مسہر۔ قاسم بن معن۔ حبان۔ مندل۔ بھی اس مجلس کے ممبر تھے۔

طریقہ تدوین

تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ کسی خاص باب کا کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا تھا۔ اگر اُسکے جواب مین سب لوگ متفق الراے ہوتے تو اسیوقت قلمبند کر لیا جاتا۔ ورنہ نہایت آزادی سے بحثین شروع

ہوتین۔ کبھی کبھی بہت دیر تک بحث قایم رہتی۔ امام صاحب غور اور تحمل کے ساتھ سب کی تقریرین سُنتے اور بالآخر ایسا جچا تُلا فیصلہ کرتے کہ سبکو تسلیم کرنا پڑتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ امام صاحب کے فیصلہ کے بعد بھی لوگ اپنی اپنی رایون پر قائم رہتے۔ اُسوقت وہ سب مختلف اقوال قلمبند کر لیے جاتے۔ اِس کا التزام تھا کہ جب تک تمام شرکا سے جلسہ جمع نہولین کسی مسٔلہ کو طے نہ کیا جاے۔

جواہر مضیہ۔ کے مصنف۔ نے عافیہ بن یزید۔ کے تذکرہ مین اسحق۔ سے روایت کی ہے کہ **امام ابو حنیفہ**۔ کے اصحاب کسی مسٔلہ مین بحث کرتے ہوتے۔ اور عافیہ موجود نہوتے۔ تو امام صاحب فرماتے۔ کہ عافیہ۔ کو آلینے دو۔ جب وہ آلیتے اور اتفاق کرتے تب وہ مسٔلہ درج تحریر کیا جاتا۔ اسطرح تیس برس کی مدت مین یہ عظیم الشان کام انجام کو پہنچا۔ امام صاحب کی اخیر عمر قید خانہ مین گذری۔ وہان بھی یہ کام۔ برابر جاری رہا۔

اس مجموعہ کی ترتیب جیساکہ۔ حافظ ابو المحاسن۔ نے بیان کی ہے یہ تھی اول باب الطہارۃ باب الصلوٰۃ۔ باب الصوم۔ پھر عبادات۔ کے اور ابواب۔ اسکے بعد معاملات۔ سب سے اخیر مین باب المیراث۔

اس مجموعہ کا رواج

امام صاحب کی زندگی ہی مین اس مجموعہ نے وہ حسن قبول حاصل کیا کہ اسوقت کے حالات کے لحاظ سے مشکل سے قیاس مین آسکتا ہے۔ جسقدر اسکے اجزا طیار ہوتے جاتے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ۔ تمام ملک مین اُسکی اشاعت ہوتی جاتی تھی۔ امام صاحب کا درسگاہ۔ ایک قانونی مدرسہ تھا۔ جسکے طلبا۔ نہایت کثرت سے ملکی عہدون پر مامور ہوئے۔ اور اُنکی آئین حکومت کا

یہی مجموعہ تھا۔ تعجب یہ ہے کہ جن لوگون کو امام صاحب سے ہمسری کا دعوٰی تھا وہ بھی اس کتاب سے بے نیاز نہ تھے۔ امام سفیان ثوری۔ نے بڑے لطائف الحیل سے کتاب الرہن۔ کی نقل حاصل کی اور اُسکو اکثر پیش نظر رکھتے تھے۔ زایدہ کا بیان ہے کہ مین نے ایک دن سفیان کے سرہانے ایک کتاب دیکھی جسکا وہ مطالعہ کر رہے تھے۔ آن سے اجازت مانگ کر مین اُسکو دیکھنے لگا تو۔ ابوحنیفہ۔ کی کتاب الرہن۔ نکلی مین نے تعجب سے پوچھا کہ "آپ ابوحنیفہ۔ کی کتابین دیکھتے ہین"۔ بولے "کاش۔ اُنکی سب کتابین میرے پاس ہوتین" [1]۔

یہ بھی کچھ کم تعجب کی بات نہین کہ باوجودیکہ اُسوقت بڑے بڑے مدعیانِ فن موجود تھے اور اُنمین بعض امام ابوحنیفہ۔ سے مخالفت بھی رکھتے تھے۔ تاہم کسیکو اس کتاب کی ردوقدح کی جرأت نہین ہوئی۔ امام رازی مناقب الشافعی مین لکھتے ہین "ان اصحاب الرای اظہروا مذاہبہم وکانت الدنیا مملوۃ من المحدثین ورواۃ الاخبار فلم یقدر احد منہم الطعن فی اقاویل اصحاب الرای" یعنی اصحاب الرای (ابوحنیفہ اور اُنکے تلامذہ) نے اپنے مسائل جس زمانہ مین ظاہر کیے۔ دُنیا محدثین اور راویانِ اخبار سے بھری ہوئی تھی تاہم کسیکو یہ قدرت نہوئی کہ اُنکے اقوال پر اعتراض کرتا" امام رازی نے تو عام نفی کی ہے لیکن ہمکو زیادہ استقصائے معلوم ہوا کہ اس عموم مین ایک استثنا ہے۔ کیونکہ بیہقی۔ نے تصریح کی ہے کہ امام اوزاعی نے ابوحنیفہ۔ کی۔ کتاب السیر کا رد لکھا تھا جسکا جواب۔ قاضی ابویوسف۔ نے لکھا غالباً یہ مجموعہ بہت بڑا مجموعہ تھا اور ہزاروں مسائل پر مشتمل تھا۔ قلایدعقود العقیان۔ کے مصنف

[1] عقود الجمان باب عاشر ۱۲

نے کتاب الصیانۃ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "امام ابوحنیفہ نے جسقدر مسائل مدون کیے انکی تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار سے کچھ زیادہ ہے"۔ شمس الائمہ کردری نے لکھا ہی کہ یہ مسائل چھ لاکھ تھے"۔ یہ خاص تعداد شاید صحیح نہو لیکن کچھ شبہہ نہین کہ انکی تعداد لاکھون سے کم نہ تھی۔ امام محمد کی جو کتابین آج موجود ہین اُن سے اسکی تصدیق ہو سکتی ہے۔

اگرچہ اسمین کسیطرح شبہہ نہین ہو سکتا کہ امام ابوحنیفہ کی زندگی ہی مین فقہ کے تمام ابواب مرتب ہو گئے تھے۔ رجال و تاریخ کی کتابونمین اسکا ثبوت ملتا ہے جسکا انکار گویا تواتر کا انکار ہی۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ مجموعہ ایک مدت سے ضائع ہو گیا ہی۔ اور دنیا کے کسی کتب خانہ مین اسکا پتہ نہین چلتا۔ امام رازی مناقب الشافعی مین لکھتے ہین کہ "ابوحنیفہ کی کوئی تصنیف باقی نہین رہی"۔ امام رازی نے ۶۰۶ھ مین انتقال کیا۔ اس لحاظ سے کم ازکم چھ سو برس ہوے کہ امام صاحب کی تصنیفات ناپید ہو چکین۔ امام صاحب کی تصنیفات کا ضائع ہو جانا اگرچہ کچھ محل تعجب نہین۔ اُس عہد کی ہزارون کتابونمین سے آج ایک کا وجود نہین۔

امام صاحب کے زمانہ مین جو مجموعہ فقہ مرتب ہوا تھا وہ معدوم ہو گیا

امام اوزاعی۔ ابن جریج۔ ابن عروبہ۔ حماد بن ابی معمر۔ انکی تالیفات عین اُنہی زمانہ مین شائع ہوئین جب امام ابوحنیفہ کا دفتر فقہ مرتب ہو رہا تھا۔ تاہم ان کتابونکا نام بھی کوئی نہین جانتا۔ لیکن امام ابوحنیفہ کی تصنیفات کی گمشدگی کی ایک خاص وجہ ہے۔ امام صاحب کا مجموعہ فقہ اگرچہ بجائے خود مرتب اور خوش اسلوب تھا۔ لیکن قاضی ابویوسف و امام محمد نے انہین مسائل کو اس توضیح و تفصیل سے لکھا۔ اور ہر مسئلہ پر استدلال و براہین کے ایسے حاشیے اضافہ کیے کہ انہین کو رواج عام ہو گیا اور اصل ماخذ سے لوگ بے پروا ہو گئے۔ ٹھیک اسیطرح

جسطرح کہ متاخرین نحویون کی تصنیفات کے بعد فراء کسائی۔خلیل۔اخفش۔ابوعبیدہ کی کتابین دنیا سے بالکل ناپید ہوگئین۔حالانکہ یہ لوگ فن نحو کے بانی اور مدون اول تھے۔

امام صاحب۔کے مسائل کا آج جو ذخیرہ دنیا مین موجود ہے وہ امام محمد۔اور قاضی ابویوسف کی تالیفات ہین جنکے نام اور مختصر حالات ان بزرگون کے ترجمہ مین ہم لکھینگے۔

یہ فقہ۔اگرچہ عام طور سے فقہ حنفی کہلاتی ہے۔لیکن درحقیقت وہ چار شخصون۔یعنی امام ابوحنیفہ۔زفر۔قاضی ابویوسف۔امام محمد۔کی رایون کا مجموعہ ہے۔قاضی ابویوسف وامام محمد۔نے بہت سے مسائل مین۔امام ابوحنیفہ۔کی راے سے اختلاف کیا ہے۔فقہاء حنفیہ۔نے روایتین نقل کی ہین کہ ان صاحبون کو اعتراف تھا کہ ''ہمنے جو اقوال۔امام ابوحنیفہ کے مخالف کہے وہ امام ابوحنیفہ ہی کے اقوال ہین۔کیونکہ بعض مسئلون مین امام ابوحنیفہ نے متعدد اور مختلف رائین ظاہر کی تھین'' یہ روایتین۔شامی۔وغیرہ مین مذکور ہین لیکن انکا ثابت ہونا مشکل ہے۔ہمارے نزدیک یہ اُن فقہا کا حسن ظن ہے۔قاضی ابویوسف وامام محمد اجتہاد مطلق کا منصب رکھتے تھے۔اور انکو اختلاف کا پورا حق حاصل تھا۔اسلام کی ترقیان اُسوقت تک رہین کہ لوگ باوجود حُسن عقیدت کے بزرگون اور استادونکی راے سے علانیہ مخالفت کرتے تھے۔اور خیالات کی ترقی محدود نہ تھی۔

یہ مسائل جو فقہ حنفی کے نام سے موسوم ہین نہایت تیزی سے تمام ملک مین پھیل گئے عرب مین تو اُنکے مسائل کو چندان رواج نہوا۔کیونکہ مدینہ۔مین امام مالک۔اور مکہ مین اور ائمہ اُنکے حریف مقابل موجود تھے۔لیکن عرب کے سوا تمام ممالک اسلامی مین جنکی وسعت سندہ

سے ایشائے کوچک تک - تھی عموماً انہین کا طریقہ جاری ہوگیا۔ ہندوستان۔ سندھ۔ کابل
بخارا۔ وغیرہ مین تو انکے اجتہاد کے سوا کسی کا اجتہاد تسلیم ہی نہین کیا جاتا۔ دوسرے ممالک
مین گو شافعی۔ وحنبلی۔ فقہ کا رواج ہوا لیکن فقہ حنفی کو دبا نہین سکا۔ البتہ بعض ملکون مین وہ
بالکل معدوم ہوگیا۔ اور اُسکے خاص اسباب تھے۔ مثلاً افریقیہ۔ مین سنہ ۴۰۰ھ تک امام ابوحنیفہ
کا طریقہ۔ تمام اور طریقون پر غالب تھا۔ لیکن معز بن بادیس۔ نے سنہ ۴۰۶ھ مین جب وہان کی
مستقل حکومت حاصل کی۔ تو حکومت کے زور سے تمام ملک مین مالکی فقہ کو رواج
دیدیا کہ آج تک قایم ہے۔[1]

ایک خاص بات یہ ہے کہ عنان حکومت جن لوگون کے ہاتھون مین رہی وہ اکثر حنفی ہی
فقہ کے پابند تھے۔ خلفائے عباسیہ تو اس بحث سے خارج ہین۔ کیونکہ یہ خاندان جب تک
اوج پر رہا۔ یہ لوگ تلوار کے ساتھ قلم کے بھی مالک رہے یعنی انکو خود دعوی اجتہاد تھا۔ اور کبھی
کسی کی تقلید نہین کی۔ تنزل کے بعد وہ اس قابل ہی نہین رہے کہ اُنکے حالات سے کسی ملکی
اثر کا اندازہ کیا جائے۔ تاہم انہین اگر کسی نے تقلید گوارا کی تو ابوحنیفہ ہی کی کی۔ عبداللہ بن المعتز
جو فن بدیع۔ کا موجد تھا اور خلفائے عباسیہ مین سب سے بڑا شاعر اور ادیب تھا حنفی المذہب تھا[2]
عباسیہ۔ کے تنزل کے ساتھ جن خاندانون کو عروج ہوا اکثر حنفی تھے۔ خاندان سلجوقی۔
جسنے ایک وسیع مدت تک حکومت کی اور جنکے دائرہ حکومت کی وسعت دی۔ طول مین کاشغر سے
بیت المقدس تک اور عرض مین قسطنطنیہ سے بلاد خزر تک پہنچی تھی۔ حنفی تھا۔ محمود غزنوی جسکے نام

سلاطین اکثر حنفی تھے۔

[1] تاریخ ابن خلکان ترجمہ معز بن بادیس - ۱۲ [2] تاریخ ابن خلکان ترجمہ عبداللہ بن المعتز۔

ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے۔ نقہ حنفی۔ کا بہت بڑا عالم تھا۔ فن فقہ مین اُسکی ایک نہایت عمدہ تصنیف موجود ہے۔ جسکا نام۔ التفرید۔ ہے اور جسمین کم و بیش ساٹھ ہزار مسئلے ہین۔

نور الدین زنگی۔ کا نام چھپا ہوا نہین ہے۔ وہ ہمارے ہیرو زمین داخل ہے بیت المقدس کی لڑائیون مین اوّل اسی نے نام حاصل کیا صلاح الدین فاتح بیت المقدس۔ اسی کے دربار کا ملازم تھا۔ دُنیا مین پہلا دار الحدیث اُسی نے قائم کیا۔ اگرچہ وہ شافعی۔ و مالکی فقہ کی بھی عزت کرتا تھا۔ لیکن وہ خود اور اسکا خاندان مذہباً حنفی تھا۔[1] صلاح الدین۔ خود شافعی تھا۔ لیکن اُسکے خاندان مین بھی حنفی المذہب موجود تھے۔ الملک المعظم عیسیٰ ابن الملک العادل جو ایک وسیع ملک کا بادشاہ تھا۔ علامہ ابن خلکان۔ اُسکے حالات مین لکھتے ہین کہ وہ نہایت عالی ہمت۔ فاضل۔ ہوشمند۔ دلیر۔ پر رُعب۔ تھا اور حنفی مذہب مین غلو رکھتا تھا۔ چراکسہ مصر جو نوین صدی کے آغاز مین مصر کی حکومت پر پہنچے۔ اور ۱۴۸ برس تک فرمانروا رہے اور بہت سی فتوحات حاصل کین خود حنفی تھے اور اُنکے دربار مین اسی مذہب کو زیادہ فروغ تھا۔ سلاطین ترک جو کم و بیش چھ سو برس سے روم کے فرمانروا ہین اور آج اُنہین کی سلطنت۔ اسلام کی عزت و وقار کی امیدگاہ ہے۔ عموماً حنفی تھے۔ خود ہمارے ہندوستان کے فرمانروا خوانین اور آلِ تیمور اسی مذہب کے پابند رہے۔ اور اُنکی وسیع سلطنت مین اس طریقے کے سوا اور کسی طریقہ کو رواج نہو سکا۔

بعضون کا خیال۔ ہے کہ حنفی۔ مذہب کو جو قبول عام حاصل ہوا وہ حکومت کے صدقے سے

---

[1] الجواہر المضیئہ ترجمہ نور الدین زنگی۔

ہوا۔ ابن حزم۔ جو ارباب ظاہر کے مشہور امام ہین۔ اُنکا قول ہے کہ "دو مذہبون نے سلطنت کے زور سے ابتدا ہی مین رواج عام حاصل کیا۔ ایک ابوحنیفہ کا مذہب کیونکہ جب قاضی ابویوسف کو قاضی القضاۃ کا منصب ملا تو اُنہون نے حنفی لوگون کو عہدۂ قضا پر مقرر کیا۔ دوسرا امام مالک کا مذہب اندلس مین۔ کیونکہ امام مالک کے شاگرد یحیی اصمودی خلیفہ اندلس کے نہایت مقرب تھے اور کوئی شخص بے اُنکے مشورہ کے عہدۂ قضا پر مقرر نہین ہو سکتا تھا۔ وہ صرف اپنے ہم مذہبون کو مقرر کراتے تھے"[1]

حنفی فقہ کی حسن قبول کا سبب

لیکن یہ ابن حزم کی ظاہر بینی ہے۔ امام ابوحنیفہ سنہ ۱۲۰ھ مین مسند اجتہاد پر بیٹھے۔ قاضی ابویوسف نے سنہ ۱۷۰ھ کے بعد قاضی القضات کا منصب حاصل کیا۔ کیونکہ اُنکے تقرر اور عروج کا زمانہ ہرون الرشید کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔ جو سنہ ۱۷۰ھ مین تخت نشین ہوا تھا۔ قاضی ابویوسف کے فروغ سے پہلے پچاس برس کا زمانہ گذر چکا تھا۔ جس مین امام ابوحنیفہ کے مذہب نے قبول عام حاصل کر لیا تھا۔ اور اُنکے سیکڑون شاگرد قضا کے عہدون پر مامور ہو چکے تھے۔ اس کامیابی کو کس کی طرف منسوب کیا جائے؟ یہ ضرور ہے کہ قاضی ابویوسف کی وجہ سے امام صاحب کے مسائل کو اور زیادہ عروج ہوا۔ لیکن مذہب حنفی کا اصلی عروج۔ قاضی صاحب کی کوششونکا محتاج نہ تھا۔ امام رازی نے باوجود مخالف کے تسلیم کیا ہے۔ کہ ثم انہ لما قوی مذہب اصحاب الرای واشتہر وعظم وقعتہ فی القلوب۔ ثم اتفق اتصال ابی یوسف ومحمد بخدمۃ ہرون الرشید عظمت

[1] ابن حزم کے اس قول کو علامہ ابن خلکان نے یحیی اصمودی کے ترجمہ مین نقل کیا ہے۔ ۱۲

تلک القوۃ جدا لان العلم والسلطنۃ حصلا معا" یعنی اصحاب الرائے کا مذہب قوی ہوگیا اور شہرت پکڑ گیا۔ اور اُسکی وقعت دلون مین بہت ہوگئی پھر اسکے بعد ابو یوسف و محمد کو ہرون الرشید کے دربار مین رسائی حاصل ہوئی تو یہ قوت بہت ہی زیادہ بڑھ گئی کیونکہ علم اور حکومت دونون مجتمع ہوگئے"

اسکے علاوہ قاضی ابو یوسف کا اثر ہرون الرشید کے زمانہ تک محدود تھا۔ دیرپا اور غیر منقطع کامیابی کس نے پیدا کی؟ یون تو بعض اور ائمہ نے بھی اپنے عہد مین نہایت عروج حاصل کیا تھا۔ امام اوزاعی اپنی زندگی مین بلکہ زمانہ مابعد تک بھی تمام شام کے امام مطلق تسلیم کیے گئے اور اُن ممالک مین لوگ عموماً اُنھین کی تقلید کرتے تھے۔ لیکن وہ ایک محدود اثر تھا جو بہت جلد جاتا رہا۔ اِن واقعات سے صاف نتیجہ نکلتا ہی کہ امام ابوحنیفہ کے مذہب مین ایسی خاص خوبیان ہین جو اور مذہبون مین نہین۔

تمام ممالک اسلامی مین جن ائمہ کی فقہون نے رواج پایا وہ صرف چار ہین۔ ابو حنیفہ مالک۔ شافعی۔ احمد حنبل۔ مسائل فقہ کی ترویج و اشاعت کا سبب۔ اگرچہ خود اُن مسائل کی خوبی و عمدگی ہے۔ لیکن کچھہ شبہہ نہین کہ اس امر مین واضع فقہ کی ذاتی رسوخ۔ اور عظمت کو بھی بہت کچھہ دخل ہی۔ ہمارے نزدیک۔ امام ابو حنیفہ کے سوا۔ اور مجتہدین فقہ کی ترویج و اشاعت کا باعث زیادہ تر اُنکی ذاتی خصوصیتین تھین مثلاً امام مالک۔ مدینہ کے رہنے والے تھے جو نبوت کا مرکز اور خلفاے راشدین کا دار الخلافہ رہ چکا تھا۔ اس تعلق سے لوگونکو عموماً مدینہ اور ارباب مدینہ کے ساتھ خلوص و عقیدت تھی۔ انکا خاندان ایک علمی خاندان تھا

اور مجتہدین کے رواج مذہب کے اسباب

اُنکے دادا - مالک بن ابی عامر نے بڑے بڑے صحابہ سے حدیثین سیکھی تھین - اُنکے چچا شیخ الحدیث تھے - امام مالک نے جب حدیث و فقہ مین کمال پیدا کیا تو یہ عارضی اوصاف اُنکی ذاتی قابلیت پر طرّہ بنکر نمایان ہوگئے - اور تمام اطراف و دیار مین اُنکی شہرت کا سکّہ جم گیا -

امام شافعی - کو اور بھی زیادہ خصوصیتین حاصل تھین - مکّہ معظمہ وطن تھا - باپ - کیطرف سے قریشی اور مطلبی - اور مان کی طرف سے ہاشمی - تھے - اُنکا تمام خاندان ہمیشہ سے معزز و ممتاز چلا آتا تھا - اُنکے پردادا - سایب - جنگ بدر مین - ہاشمیون کے علم بردار تھے اور گرفتار ہوکر اسلام لائے تھے - مکّہ معظمہ کی ولادت - خاندان کا اعزاز - رسول اللہ کے ہم نسبی - ایسی چیزین تھین جن سے بڑھکر حسنِ قبول اور مرجعیت کے لیے کوئی کارگر آلہ نہین ہوسکتا تھا -

امام ابوحنیفہ - مین اس قسم کی کوئی خصوصیت نہ تھی - قریشی اور ہاشمی - ہونا تو ایک طرف - وہ عربی النسل - بھی نہ تھے - خاندان مین کوئی شخص ایسا نہین گزرا تھا جو اسلامی گروہ کا مرجع اور مقتدا ہوتا - آبائی پیشہ تجارت تھا اور خود بھی تمام عمر اسی ذریعے سے زندگی بسر کی - کوفہ جو اُنکا مقام ولادت تھا گو دار العلم تھا لیکن مکّہ معظمہ - اور مدینہ منورہ - کا ہمسر کیونکر ہوسکتا تھا - بعض اتفاقی اور ناگزیر اسباب سے ارباب روایت کا ایک گروہ اُنکی مخالفت پر کمربستہ تھا - غرض حسنِ قبول اور عام اثر کے لیے جو اسباب درکار ہین وہ بالکل نہ تھے - باوجود اسکے اُنکی فقہ - کا تمام ممالک اسلامیہ مین اس وسعت اور ترقی کے ساتھ رواج پانا یقیناً اس بات کی دلیل ہے کہ اُنکا طریقۂ فقہ انسانی ضرورتون کے نہایت مناسب اور موزون واقع ہوا تھا - اور

بالخصوص تمدن کے ساتھ جسقدر آنکی فقہ کو مناسبت تھی کسی کی فقہ کو نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اور ائمہ کے مذہب کو زیادہ تر انہیں ملکوں مین رواج ہوا جہاں تہذیب و تمدن نے زیادہ ترقی نہین کی تھی۔ علامہ ابن خلدون۔ اس بات کی وجہ بتاتے ہین کہ مغرب و اندلس مین امام مالک۔ کا مذہب کیون زیادہ رائج ہوا۔؟ وہ لکھتے ہین کہ مغرب و اندلس مین بدویت غالب تھی۔ اور وہان کے لوگون نے وہ ترقی نہین حاصل کی تھی جو اہل عراق۔ نے کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان ممالک مین امام مالک۔ کی فقہ کے سوا اور کسی فقہ کو فروغ نہو سکا۔

حنفی فقہ جسمین امام ابوحنیفہ کے علاوہ اُنکے نامور شاگردوں کے مسائل بھی شامل ہین۔ اُس زمانہ کا بہت بڑا قانون بلکہ بہت بڑا مجموعہ قوانین تھا۔ زمانہ مابعد مین۔ گو علماے حنفیہ نے اُسپر بہت کچھ اضافہ کیا۔ اور جزئیات کی تفریع کے ساتھ اصول فن کو نہایت ترقی دی۔ لیکن ایجاد کے زمانہ مین جسقدر کسی فن کی حالت ہوسکتی ہے۔ وہ اس سے زیادہ نہین ہوسکتی۔ جو امام ابوحنیفہ کے عہد مین فقہ کو حاصل ہو چکی تھی۔ اس مجموعہ مین عبادات کے علاوہ دیوانی۔ فوجداری۔ تعزیرات۔ لگان۔ مالگزاری۔ شہادت۔ معاہدہ۔ وراثت وصیت۔ اور بہت سے قوانین شامل تھے۔ اُسکی وسعت اور خوبی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ہارون الرشید اعظم۔ کی وسیع سلطنت جو سندہ۔ سے ایشیاے کوچک تک پھیلی ہوئی تھی۔ انہین اصول پر قائم تھی۔ اور اُس عہد کے تمام واقعات و معاملات انہین قواعد کی بنا پر فیصل ہوتے تھے۔

مسائل فقہ کی تقسیم

یہ قانون جسکو فقہ کہتے ہین دو قسم کے مسائل پر مشتمل ہے اور اس لحاظ سے

واضع کی دو مختلف حیثیتین ہین۔

(۱) وہ مسائل جو شریعت سے ماخوذ ہین۔ اور تشریعی احکام کہے جا سکتے ہین۔

(۲) وہ احکام جن سے شریعت نے سکوت کیا ہی اور جو تمدن اور معاشرت کی ضرورتون سے پیدا ہوتے ہین۔ یا جنکا ذکر شریعت مین ہے لیکن تشریعی طور پر نہین۔

پہلی قسم کے مسائل کے لحاظ سے **فقیہ** کی حیثیت شارح اور مفسر کی حیثیت ہے۔ اور اس اعتبار سے اُسکے لیے جس قسم کی قابلیت درکار ہے وہ مہارت زبان۔ واقفیت نصوص قوت استنباط۔ توفیق متعارضات۔ ترجیح دلائل ہے۔ دوسری قسم کے احکام کے لحاظ سے واضع فقہ ایک مقنن کی حیثیت رکھتا ہی۔ اور اس لحاظ سے اُسکی قابلیت اُس رتبہ کی ہونی چاہیے۔ جیسی کہ دنیا کے اور مشہور مقننون کی تھی۔ یہ دونون حیثیتین ایک دوسری سے ممتاز ہین۔ اسلام مین بہت سے نامور گزرے ہین جو قرآن و حدیث کے عمدہ مفسر یا شارح تھے۔ لیکن مقننانہ قابلیت سے معرا تھے۔ اسیطرح ایسے لوگ بھی گزرے ہین جو مقنن اور واضع قانون تھے لیکن نصوص شرعی کے مفسر نہین کہے جا سکتے تھے۔ جہانتک ہماری واقفیت ہے اسلام کے اس وسیع دور مین قدرت نے یہ دونون قابلیتین جس اعلیٰ درجہ پر امام ابوحنیفہ مین جمع کر دی تھین۔ کسی مجتہد یا امام مین مجتمع نہین ہوئین۔

علم فقہ۔ کے متعلق سب سے بڑا کام جو امام صاحب نے کیا وہ تشریعی اور غیر تشریعی احکام مین امتیاز قائم کرنا تھا۔

تشریعی اور غیر تشریعی احادیث کا فرق

شارع علیہ السلام کے اقوال و افعال جو سلسلہ روایت سے منضبط کیے گئے اُن مین

بہت سے ایسے امور تھے جنکو منصبِ رسالت سے کچھ تعلق نہ تھا - لیکن بطور ایک اصطلاح کے اُن سب پر حدیث کا لفظ اطلاق کیا جاتا تھا - **فقہ** کی توضیح میں ایک عام اور سخت غلطی یہ ہوئی کہ لوگوں نے ان تمام امور کو شرعی حیثیت پر محمول کیا اور اس خیال سے اُن پر مسائل اور احکام کی بنیاد قائم کی - حالانکہ وہ حدیثیں منصب شریعت سے علاقہ نہیں رکھتی تھیں شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں[1] کہ "آنحضرت سے جو کچھ روایت کیا گیا ہے اور کتب حدیث میں اُسکی تدوین ہوئی اُسکی دو قسمیں ہیں -

(۱) جو تبلیغ رسالت سے تعلق رکھتا ہے اور اسی بارہ میں یہ آیت اتری ہے مَا اٰتٰاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا یعنی پیغمبر جو چیز تمکو دے اسکو اختیار کرو اور جس چیز سے روکے اُس سے باز آؤ "

(۲) جو تبلیغ رسالت سے متعلق نہیں چنانچہ اُنکی نسبت آنحضرت نے ارشاد فرمایا ہے - انما انا بشر اذا امرتکم بشیء من دینکم فخذوا به واذا امرتکم بشیء من رای فانما انا بشر - یعنی میں ایک آدمی ہوں جب میں کوئی مذہبی حکم دوں تو تم لوگ اُسکے پابند ہو اور جب میں اپنی راے سے کسی بات کا حکم دوں تو میں صرف ایک آدمی ہوں " اس دوسری قسم میں وہ حدیثیں ہیں جو آنحضرت نے طب کے متعلق ارشاد کیں - اور اسی قسم میں وہ افعال داخل ہیں جو آنحضرت سے عادۃً صادر ہوئے نہ عبادۃً - اور اتفاقاً واقع ہوئے نہ قصداً - اور اسی قسم میں وہ حدیثیں داخل ہیں جو آنحضرت نے اپنی قوم کے گمان کے موافق بیان کیں مثلاً امّ زرع

[1] حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ بریلی صفحہ ۱۳۲ و ۱۳۳ -

کی حدیث اور خرافہ کی حدیث - اور اسی قسم مین وہ امور داخل ہین جو آنحضرت صلعم نے اُسوقت مصلحت جزئی کے موافق اختیار فرمائے اور وہ سب لوگون پر واجب العمل نہین ہین - مثلاً فوجون کی طیاری اور شعار کی تعیین - اسی بنا پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ "اب رمل کرنیکی کیا ضرورت ہے جس قوم کے دکھانے کے لیے ہم رمل کرتے تھے اُنکو خدا نے ہلاک کر دیا" اور آنحضرت صلعم کے بہت سے احکام اسی قسم مین داخل ہین - مثلاً یہ حکم کہ "جہاد مین جو شخص کسی کافر کو قتل کرے تو اُسکے ہتھیار کا مالک بھی وہی ہوگا"

شاہ ولی اللہ صاحب نے حدیث کی قسمون مین جو دقیق فرق بیان کیا - یہ وہی نکتہ ہے جسکی طرف سب سے پہلے امام ابوحنیفہ کا ذہن منتقل ہوا - اسی بنا پر بہت سے مسائل - مثلاً غسل جمعہ - خروج النساء الی العیدین - نفاذ طلاق - تعیین جزیہ - تشخیص خراج - تقسیم غنائم وغیرہ مین جو حدیثین وارد ہین اُنکو امام ابوحنیفہ نے دوسری قسم مین داخل کیا ہے - لیکن امام شافعی وغیرہ ان حدیثون کو بھی تشریعی حدیثین سمجھتے ہین -

حنفی فقہ کو بمقابلہ اور فقہون کے بہت بڑی خصوصیت جو حاصل ہے وہ یہی ہے کہ اُسکے مسائل عموماً اسی قاعدہ پر مبنی ہین اور یہی وجہ ہے کہ اُسمین وہ وسعت اور آزادی پائی جاتی ہی جو اور ائمہ کے مسائل مین نہین پائی جاتی - یہ قاعدہ اگرچہ نہایت صاف اور صریح ہے لیکن افسوس ہے کہ اور ائمہ نے اُسپر لحاظ نہین کیا - اور اگر خلفاے راشدین کی نظیرین موجود نہوتین تو شاید امام ابوحنیفہ کو بھی اُسکے اختیار کرنے کی جرأت نہوتی - اگرچہ امام صاحب کے بعد بھی بعض ائمہ نے جنکو اُنکے مقابلہ مین اجتہاد کا دعوی تھا اس عمدہ اصول کی پیروی نہ کی اور اسی غلطی

خیال پر قائم رہے۔ لیکن ہمین کون شبہ کرسکتا ہے کہ امام صاحب کی راے نہایت صحیح اور نہایت دقیقہ سنجی پر مبنی تھی۔

خلفاے راشدین سے بڑھکر کون احکام شریعت کا نکتہ شناس ہوسکتا ہے انہون نے کیا کیا؟ حضرت عمر کے آغاز خلافت تک اُمہات اولاد یعنی وہ لونڈیان جنسے اولاد ہوچکی ہو عموماً خریدی اور بیچی جاتی تھین۔ حضرت عمرؓ نے اس رواج کو بالکل روک دیا۔ آنحضرتؐ نے تبوک کے سفر مین۔ غیر مذہب والون پر جو جزیہ مقرر کیا وہ فی کس ایک دینار تھا۔ حضرت عمرؓ نے ایران مین ۴۸ و ۱۲ و ۶ کے حساب سے شرحین مقرر کین۔ آنحضرتؐ مال غنیمت جب تقسیم کرتے تھے تو اپنے عزیز و اقارب کا بھی حصّہ لگاتے تھے۔ خلفاے راشدین مین سے کسی نے حتیٰ کہ حضرت علیؓ نے بھی ہاشمیون کو کبھی حصّہ نہین دیا۔ آنحضرتؐ کے زمانہ مین بلکہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد تک تین طلاقین ایک سمجھی جاتی تھین۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت مین منادی کرادی کہ تین طلاق طلاق باین سمجھی جائیگی۔ آنحضرتؐ کے عہد مین شراب پینے کی سزا مین کوئی خاص حد مقرر نہین ہوئی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے اسکی حد چالیس دُرّے قرار دیے۔ اور حضرت عمرؓ نے بسبب اسکے کہ اُنکے زمانہ مین مے نوشی کا زیادہ رواج ہوچلا تھا۔ چالیس سے اسّی دُرّے کردیے۔ یہ وہ واقعات ہین جو حدیث کی کتابون مین مذکور ہین۔ اور جنکے ثبوت سے کوئی شخص انکار نہین کرسکتا۔ لیکن کیا اسکا یہ مطلب ہے کہ خلفاے راشدین کسی حکم کو آنحضرتؐ کا تشریعی حکم سمجھکر اُسکی مخالفت کرتے تھے!!۔ اگر (نعوذ باللہ) اگر ایسا کرتے تھے تو وہ خلفاے راشدین نہ تھے۔ بلکہ (عیاذاً باللہ) رسول اللہ

جو مسائل تشریعی مسائل نہین ہین

کے حریف اور مقابل تھے !!!

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ جو رات دن آنحضرتؐ کی خدمت مین حاضر رہتے تھے اور فیض صحبت کی وجہ سے شریعت کے اداشناس ہو گئے تھے۔ اُنکو یہ تمیز کرنا نہایت آسان کام تھا کہ کون سے احکام تشریعی حیثیت رکھتے ہین اور کون سے اُس حد مین داخل ہین جنکی نسبت آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ انتم اعلم بامور دنیاکم۔ حضرت عائشہؓ نے آنحضرتؐ کی وفات کے بعد ایک موقع پر کہا کہ "آج اگر رسول اللہ موجود ہوتے تو عورتونکو مسجد مین جانیکی اجازت نہ دیتے" یہ صریح اس بات کی شہادت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہؐ کی اُس اجازت کو تشریعی اور لازمی حکم نہین قرار دیا ورنہ زمانہ اور حالات کے اختلاف سے اُسپر کیا اثر پڑسکتا تھا۔

امام ابوحنیفہ نے اس مرحلہ مین صحابہ ہی کو دلیلِ راہ بنایا۔ اور اس قسم کے مسائل مین اُنکی رائے عموماً خلفائے راشدین کے طرز عمل کے موافق ہے۔ لیکن جن لوگون کی نگاہ اُس نکتہ تک نہین پہنچی وہ امام ابوحنیفہ بلکہ صحابہ کو بھی مورد الزام ٹھہراتے ہین۔ طلاق کے مسئلہ مین قاضی شوکانی نے حضرت عمرؓ کا قول نقل کر کے لکھا ہے کہ "رسول اللہ کے مقابلہ مین بیچارے عمرؓ کی کیا حقیقت ہے" لیکن قاضی شوکانی یہ نہ سمجھے کہ حضرت عمرؓ قاضی صاحب سے زیادہ اس بات کو سمجھتے تھے کہ رسولؐ اللہ کے مقابلہ مین اُنکی کوئی حقیقت نہین۔

فقہ کی پہلی قسم کے متعلق۔ امام ابوحنیفہ نے جو بڑا کام کیا وہ قواعد استنباط کا انضباط تھا جسکی وجہ سے فقہ (جو ابتک جزئیاتِ مسائل کا نام تھا) ایک مستقل فن بنگیا۔ امام ابوحنیفہ کی علمی تاریخ مین جو چیز سب سے زیادہ قابلِ قدر اور تعجب انگیز ہے وہ ان قواعد کی تحدید اور انضباط ہے

ایسے زمانہ مین جبکہ علوم نہایت ابتدائی حالت مین تھے یہان تک کہ نقل وکتابت کا بھی رواج نہ تھا ایسے دقیق فن کی بنیاد ڈالنی درحقیقت امام ابوحنیفہ ہی کا کام تھا۔

عام خیال یہ ہے کہ یہ قواعد جنکو اب **اصول فقہ** سے تعبیر کیا جاتا ہے سب سے پہلے امام شافعی۔ نے مرتب کیے یہ دعوی اس لحاظ سے تو صحیح ہے کہ امام شافعی۔ سے پہلے یہ مسائل مستقل طور سے حیز تحریر مین نہین آئے تھے لیکن اصل فن کی بنیاد۔ امام شافعی۔ سے بہت پہلے پڑ چکی تھی۔ اور اگر تحریر کی قید اٹھادی جائے تو امام ابوحنیفہ اسکے موجد کہے جا سکتے ہین۔

استنباط احکام کی ابتداء۔

اصل یہ ہے کہ مسائل کا استنباط اور احکام کی تفریع۔ تابعین بلکہ صحابہ ہی کے زمانہ مین شروع ہو چکی تھی لیکن استنباط اور استخراج کا جو طریقہ تھا وہ کوئی علمی صورت نہین رکھتا تھا جسطرح عام لوگ کسی عبارت سے کسی نتیجہ کا استنباط یا کسی حکم کی تفریع صرف وجدانی مذاق کی رو سے کرتے ہین اور نہین جانتے کہ انکا استنباط یا تفریع کس قاعدہ کلیہ کے تحت مین داخل ہے اور اس کے کیا شرائط اور قیود ہین۔ اسیطرح فقہی مسائل بھی استنباط کیے جاتے تھے۔ نہ علمی اصطلاحین قائم ہوئی تھین۔ نہ کچھ اصول منضبط ہوئے تھے۔

واصل بن عطاء نے اصول فقہ کے بعض قاعدے بیان کیے

بنوامیہ۔ کے اخیر دور مین کچھ کچھ علمی اصطلاحین پیدا ہوئین۔ چنانچہ واصل بن عطا نے جو علم کلام کا موجد تھا احکام شرعیہ کی تقسیم کی اور کہا کہ "حق کے ثبوت کے چار طریقے ہین۔ قرآن ناطق۔ حدیث متفق علیہ۔ اجماع امت۔ عقل وحجت (یعنی قیاس)" واصل۔ نے اور بھی چند مسائل اور اصطلاحین قائم کین مثلاً یہ کہ "عموم وخصوص دو جداگانہ مفہوم ہین"

نسخ صرف اوامر و نواہی مین ہو سکتا ہے۔ اخبار و واقعات مین نسخ کا احتمال نہین[1]۔"

ان مسائل کے لحاظ سے اصول فقہ مین اولیت کا فخر **واصل** کیطرف کیا جاسکتا ہے لیکن یہ اُسی قسم کی اولیت ہوگی جسطرح نحو کے دو تین قاعدونکے بیان کرنے سے کہا جاتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فن نحو کے موجد ہین۔ بہرحال امام ابو حنیفہ کے زمانہ تک جو کچھہ ہوا تھا اس سے زیادہ نہین ہوا تھا۔ لیکن چونکہ امام صاحب نے فقہ کو مجتہدانہ اور مستقل فن کی حیثیت سے ترتیب دینا چاہا اس لیے استنباط اور استخراج مسائل کے اصول قرار دینے پڑے۔

اگرچہ زمانہ مابعد مین اصول فقہ ایک نہایت وسیع فن بنگیا اور سیکڑون مسائل ایسے ایجاد ہوگئے جنکا امام ابو حنیفہ کے زمانہ مین اثر بھی نہ تھا۔ لیکن کچھہ شبہہ نہین کہ اس فن کے مہمات مسائل جن پر فن کی بنیاد قائم ہے امام صاحب ہی کے زمانہ مین منضبط ہو چکے تھی۔ اصول اربعہ کی توضیح۔ حدیث کے مراتب اور اُنکے احکام۔ جرح و تعدیل کے اصول۔ اجماع کے حدود و ضوابط۔ قیاس کے اقسام و شرایط۔ احکام کی انواع۔ عموم و خصوص کی تحدید۔ رفع تعارض کے قواعد۔ فہم مراد کے طرق۔ یہ مسائل ہین جو اصول فقہ کے ارکان ہین۔ ان تمام مسائل کے متعلق امام صاحب نے ضروری اصول و قواعد منضبط کر دیے تھے۔ اصول فقہ کی کلیات

حدیث کے متعلق امام صاحب نے جو اصول قرار دیے اُن کو ہم حدیث کی بحث مین لکھہ آئے ہین۔ انکے علاوہ۔ اور ابواب کے متعلق۔ امام صاحب نے تمام ضروری اصول

[1] ان مسائل کو ابو ہلال عسکری نے کتاب الاوایل مین۔ واصل بن عطاء کی طرف منسوب کیا ہے۔ ۱۲

منضبط کر دیے تھے مثلاً مالم یثبت بالتواتر لیس بقرآن - الزیادۃ نسخ - لا یجوز الزیادۃ علی الکتاب بخبر الواحد - حمل المطلق علی المقید زیادۃ علی النص عموم القرآن لا یخصص بالآحاد - العام قطعی کالخاص - الخاص ان کان متاخراً خصص العام وان کان متقدماً فلا بل کان العام ناسخاً للخاص وان جهل التاریخ تساقطا ویطلب دلیل آخر - مفہوم الصفۃ لا یحتج بہ - النہی لا تدل علی البطلان -

امام صاحب کے یہ اقوال اُن کے شاگردوں کی تصنیفات یا اصول کی کتابوں میں جو شافعیہ و حنفیہ وغیرہ نے لکھے ہیں جستہ جستہ مذکور ہیں جنکو اگر یکجا جمع کر دیا جاے تو ایک مختصر رسالہ طیار ہو سکتا ہے[1] - یہی اصول ہیں جنکی بنا پر کہا جاتا ہے کہ امام ابو حنیفہ ایک خاص طریقۂ اجتہاد کے بانی ہیں - انہیں اصول کے اتحاد کی بنا پر امام محمد و قاضی ابو یوسف کا طریقہ - امام صاحب کے طریقہ سے الگ نہیں سمجھا جاتا حالانکہ جزئیات مسائل میں ان لوگوں نے سیکڑوں ہزاروں جگہ اُن سے اختلاف کیا ہے -

ان اصولی مسائل پر بوجہ اسکے کہ امام شافعی وغیرہ نے اُن سے مخالفت کی ہے نہایت وسیع اور دقیق بحثیں قائم ہو گئی ہیں - افسوس ہے کہ ہماری مختصر تالیف میں اُنکی گنجایش نہیں - اصول کی کتابوں میں یہ مباحث نہایت تفصیل سے مذکور ہیں جس شخص کا جی چاہے اُن

[1] لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اصول فقہ کی کتابوں میں جو بہت سے اصول مذکور ہیں اُن سب کی نسبت یہ دعوی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ امام ابو حنیفہ کے اقوال ہیں - شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اسپر ایک نہایت عمدہ تقریر لکھی ہے - لیکن شاہ صاحب نے بعض اُن اقوال سے بھی انکار کیا ہے جو بروایت صحیحہ امام صاحب سے ثابت ہیں - ۱۲

کتابون کی طرف رجوع کرسکتا ہے۔

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین فقہ کے اس حصّہ مین امام صاحب کی حیثیت ایک مفسر اور مستنبط کی حیثیت ہے۔ اور کچھ شبہہ نہین کہ اس باب مین امام صاحب نے جو کام کیا وہ نہ صرف تاریخ اسلام مین بلکہ کل دنیا کی تاریخ مین بے نظیر ہے۔ دنیا مین اور بھی قومین ہین جنکے پاس آسمانی کتابین ہین۔ اور وہ لوگ اُن کتابون سے اخذ احکام کرتے ہین۔ لیکن کوئی قوم یہ دعوی نہین کرسکتی کہ اُسنے استنباط مسائل کے اصول اور قواعد منضبط کیے اور اُسکو ایک مستقل فن کے رتبہ تک پہنچا دیا۔

فقہ کا دوسرا حصّہ

فقہ کا دوسرا حصّہ جو صرف قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔ پہلے حصہ کی نسبت بہت زیادہ وسیع ہے اور یہ وہ خاص حصّہ ہے جس مین امام ابوحنیفہ علانیہ تمام مجتہدین سے ممتاز ہین۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ اگر اسلام مین کوئی شخص واضع قانون گزرا ہے تو وہ صرف امام ابوحنیفہ ہین۔ مسلمانون مین توضیع قانون کا کام ہمیشہ اُن لوگون کے ہاتھ مین رہا جو مذہبی پیشوا تھے اور زہد و اتقا مین نہایت غلو رکھتے تھے۔ مذہبی لوگون مین جو اوصاف نہایت قابل قدر سمجھے جاتے ہین۔ وہ یہ ہین۔ دُنیاوی امور سے علحدگی۔ کم آمیزی۔ معاملات مین سختی۔ عام واقعات سے بیخبری۔ غیر مذہب والون سے تنفر۔ یہ تمام اوصاف وہ ہین جو تمدن کے مخالف ہین اور جس شخص مین یہ اوصاف اعتدال سے بڑھکر ہون اور فطرتی ہون۔ وہ مشکل سے تمدن کی ضروریات کا اندازہ دان ہوسکتا ہے۔ تقدس و پاکیزہ نفسی کے لحاظ سے اِن لوگون کی جسقدر عظمت کیجائے کم ہے۔ لیکن دنیا اور دنیا والون کا کام اُن سے نہین چل سکتا۔ حضرت جنید بغدادی۔

معروف کرخی۔ شیخ شبلی۔ داود طائی۔ کی عظمت و شان سے کسکو انکار ہوسکتا ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ لوگ واضع قانون نہین ہوسکتے تھے۔

مجتہدین۔ جنہون نے فقہ کے نام سے ملکی اور شخصی قانون بنائے۔ اگرچہ رہبانیت کی حد سے دور تھے۔ تاہم یہ کہنا مشکل ہے کہ تمدن کی اُن تمام وسیع تعلقات پر اُن کی نگاہ پڑ سکتی تھی۔ جنسے انکو عمر بھر کبھی سروکار نہین رہا۔ یہی وجہ ہے کہ اُنکے قوانین مین بعض جگہ ایسی سختی اور تنگی پائی جاتی ہے جسپر مشکل سے عمل درآمد ہوسکتا ہے۔ امام شافعی وغیرہ کا مذہب ہے کہ نکاح مین بجز ثقاۃ کے کوئی شخص گواہ نہین ہوسکتا۔ ہمسایہ کو حق شفعہ نہین پہنچتا۔ بیع بالمعاطاۃ جائز نہین۔ ذمیون کی شہادت کسی حال مین مقبول نہین۔ ایک مسلمان سیکڑون ذمیون کو بے قصور قتل کروالے تاہم وہ قصاص مین پکڑا نہین جاسکتا۔ ان مسائل سے دُنیا کا کام کیونکر چلسکتا ہے۔

امام ابوحنیفہ۔ اس وصف مین اپنے تمام معصرون سے ممتاز تھے کہ وہ مذہبی تقدس کے ساتھ دنیاوی اغراض کے اندازہ شناس تھے۔ اور تمدن کی ضرورتون کو اچھی طرح سمجھتے تھے مرجعیت اور فصل قضایا کی وجہ سے ہزارون پیچیدہ معاملات اُنکی نگاہ سے گزر چکے تھے۔ اُنکی مجلس افتا بہت بڑی عدالت العالیہ تھی جس نے لاکھون مقدمات کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ ملکی حیثیت رکھتی تھی اور ارکان سلطنت مہات امور مین اُن سے مشورہ لیتے تھے۔ اُنکے شاگرد اور ہمنشین جنکی تعداد سیکڑون سے زیادہ تھی عموماً وہ لوگ تھے جو منصب قضا پر مامور تھے۔ ان باتون کے ساتھ خود اُنکی طبیعت مقننانہ اور معاملہ سنج واقع ہوئی تھی۔ وہ ہر بات کو قانونی حیثیت

سے دیکھتے تھے۔ اور اُس کے دقیق نکتوں تک پہنچتے تھے۔ اس بات کا اندازہ واقعہ ذیل سے ہوسکتا ہے جسکا ذکر اکثر مورخین نے کیا ہے۔

ایک دن امام صاحب۔ قاضی بن ابی لیلیٰ سے ملنے گئے۔ اُسوقت اُنکے سامنے ایک مقدمہ پیش تھا۔ مدعی کا بیان تھا کہ فلان شخص نے میری مان کو زانیہ کہا ہے۔ اسلیے مین ازالۂ حیثیت کا دعویدار ہون۔ قاضی صاحب نے مدعا علیہ کی طرف جو اُس موقع پر موجود تھا خطاب کیا کہ تم کیا جواب دیتے ہو۔ امام ابوحنیفہ نے قاضی صاحب سے کہا کہ ابھی مقدمہ قائم نہین ہوا۔ مدعی کا اظہار لینا چاہیے کہ اُسکی مان زندہ ہے یا نہین۔ کیونکہ اُسکو بھی شریک مقدمہ ہونا چاہیے۔ یا اگر اُسنے اسکی معرفت مقدمہ دائر کیا ہے تو اُسکو مختار نامہ پیش کرنا چاہیے قاضی صاحب نے مدعی کا اظہار لیا۔ معلوم ہوا کہ اُسکی مان مرچکی ہے۔ اسپر قاضی صاحب نے مقدمہ آگے چلانا چاہا۔ امام صاحب نے کہا۔ مدعی سے پوچھنا چاہیے کہ اُسکے بھائی بہن ہین یا نہین۔ کیونکہ اگر اور دعویدار موجود ہین تو اُن کو بھی شریک مقدمہ ہونا چاہیے۔ اسیطرح امام صاحب نے اور چند سوالات کیے۔ جب وہ مراتب طے ہو چکے تو فرمایا کہ "اب مقدمہ قائم ہوا۔ اور آپ مدعا علیہ کا اظہار لیجیے"

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ قاضی صاحب نے جس طریقے سے مقدمہ کی کارروائی شروع کی تھی وہ اُس حیثیت سے بڑھ کر نہ تھا جسطرح عوام آپس مین فصل خصومات کیا کرتے ہین۔ لیکن امام صاحب۔ باقاعدہ فیصلہ چاہتے تھے۔ جسکا ضروری اصول یہ ہو کہ ایک حق سے جتنے لوگ دعویدار ہو سکتے ہین اُن سب کو مقدمہ مین شریک ہونا چاہیے۔ تاکہ عدالت کو ایک ہی

حق کے فیصلہ کرنے مین بار بار زحمت نہ اُٹھانی پڑے۔

امام صاحب نے فقہ کے اس دوسرے حصہ کی جسطرح تدوین کی اور جس ضبط و ربط سے اُسکی جزئیات کا استقصا کیا وہ اس زمانہ کا نہایت وسیع قانون تھا۔ اگرچہ اُسکی تعبیر ایک عام لفظ (فقہ) سے کی جاتی ہے لیکن درحقیقت اُسمین بہت سے قوانین شامل تھے چنانچہ آج تعلیم یافتہ دُنیا مین اِن ہی ابواب کے مسائل جو ترتیب دیے گئے ہین وہ جدا جدا قانون کے نام سے موسوم ہین۔ مثلاً قانون معاہدہ۔ قانون بیع۔ قانون لگان و مالگذاری۔ تعزیرات۔ ضابطۂ فوجداری وغیرہ وغیرہ۔

اسی بنا پر بعض یورپین مصنفون کا خیال[1] ہے کہ امام ابوحنیفہ نے فقہ کی تدوین مین رومن لا

---

[1] ہمنے اس خیال کو شہرت عام کی بنا پر لکھا تھا لیکن تالیف کتاب کے بعد ہمکو معلوم ہوا کہ مسٹر شیلڈن اموز Sheldon Amos نے جو آجکل لندن یونیورسٹی کے لا پروفیسر ہین اپنی کتاب رومن سول لا Roman Civil Law مین اس دعوی کو بڑی شد و مد سے ثابت کرنا چاہا ہے اور اسپر ایک مفصل بحث کی ہے[2]۔ یورپ کو جو برتری آج تمام قومون اور بالخصوص مسلمانون پر حاصل ہے اُسنے یورپین مصنفون کے دل مین بالطبع یہ بات پیدا کر دی ہے کہ وہ مسلمانون کے تمام گزشتہ کارنامون کو تحقیر کی نگاہ سے دیکھین اور اگر کوئی کمال ایسا بدیہی اور نمایان ہو جس سے کسیطرح انکار نہو سکے تو یہ دعوی کرین کہ وہ مسلمانون کی ایجاد نہین ہے بلکہ روم و یونان و مصر وغیرہ سے ماخوذ ہی یہی اثر ہے جس نے مسٹر شیلڈن اموز کو اس بحث پر مجبور کیا۔ اُنہون نے اپنے دعوی کو

---

[2] دیکھو کتاب مذکور صفحہ ۴۰۷ تا صفحہ ۴۱۵۔

یعنی رومیون کے قانون سے بہت کچھ مدد لی اور اُسکے بہت سے مسائل اپنے فقہ مین داخل کرلیے۔ اس خیال کی تائید مین یہ قرائن پیش کیے جاتے ہین۔

(۱) حنفی فقہ کے بہت سے مسائل رومن لا کے مطابق ہین۔

(۲) رومن لا تمام ممالک شام مین جاری تھا اور چونکہ مسلمانون پر شام کی معاشرت و تمدن کا بہت کچھ اثر پڑا تھا اس لیے قیاس غالب یہ ہے کہ علماے اسلام نے قانونی مسائل مین بھی اُن سے استفادہ کیا۔

(۳) اسقدر متعدد اور وسیع قوانین۔ جو فقہ مین شامل ہین اُنکی توضیح بغیر اسکے نہین ہوسکتی کہ دنیا کے اور قوانین سے مدد لی گئی ہو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۲) فقہ حنفی تک محدود نہین رکھا بلکہ عام قانون اسلام کی نسبت انکا یہ دعویٰ ہے۔ ہم اُنکے مضمون کو قریباً اُنکے الفاظ مین نقل کرتے ہین اور دیکھنا چاہتے ہین کہ وہ اپنے دعوی مین کہانتک کامیاب ہوتے ہین۔

وہ اپنے مضمون کو اس تمہید سے شروع کرتے ہین "مشرق مین دفعۃً ایک بالکل جدید و طبعزاد و قائم بالذات سلسلہ قانون کا پیدا ہو جانا جسکی نسبت دعویٰ کیا گیا ہے کہ وہ قرآن و حدیث پر مبنی ہے۔ ایک ایسی عجیب بات ہے کہ خواہ مخواہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شریعت اسلامی کی نسبت جو دعویٰ کیا جاتا ہے اُسکی تاریخی بنیاد کیا ہے۔ علاوہ دوسری شہادتون کے مورخانہ قیاس اس دعویٰ کے سخت مخالف ہے"

اس کے بعد پروفیسر موصوف اس کلیہ پر بحث کرکے کہ ہمیشہ سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ ہر سلسلہ

کیا فقہ حنفی رومن لا سے ماخوذ ہی؟

اس بحث کا اصلی تصفیہ تو جب ہو سکتا ہے کہ رومن لا اور حنفی فقہ کا نہایت دقت نظر اور استقصار کے ساتھ مقابلہ کیا جائے۔ جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ جسقدر دونوں قانونوں مین تطابق ہے وہ توارد کی حد سے متجاوز ہے یا اُسیقدر ہے جتنا کہ عموماً تمام قومون کے قوانین بہت سی باتون مین موافق ہوا کرتے ہین۔ مین اوّلاً تو رومن لا سے واقف نہین۔ اور ہوتا بھی تو اتنی فرصت کہان نصیب کہ تمام مسائل کا مقابلہ کر سکتا۔ اسلیے مجھکو اعتراف کرنا چاہیے کہ اسموقع پر جو کچھ مین لکھون گا اُسکا رتبہ قیاس اور ظن سے زیادہ نہین۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جن لوگون نے اس بحث کو چھیڑا ہے وہ بھی قیاس و ظن ہی سے کام لیتے ہین۔ کیونکہ باوجود تحقیق کے ہمکو کوئی ایسا مصنف نہین ملا جسکا یہ دعویٰ ہو کہ وہ رومن لا اور حنفی فقہ کے تمام یا اکثر مسائل کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۳) قانونی کو کسی واقعی یا فرضی واضع قانون کے نام سے موسوم کر دیا کرتے ہین۔ فرماتے ہین کہ "اس لحاظ سے ابتدا ہی مین ایک قوی قیاس پیدا ہوتا ہے کہ جو باترتیب اور مضبوط سلسلہ قانون مسلمان فاتحون نے تمام ممالک مفتوحہ مین جاری کیا وہ بہ تبدیل ہیئت کوئی اعلےٰ درجہ کا مکمل رواج یافتہ سلسلہ قانون تھا۔

پروفیسر موصوف نے تاریخی شہادتون سے ثابت کیا ہے کہ جسوقت مسلمانون نے شام و مصر کو فتح کیا تو وہان رومی قوانین کے متعدد مدرسے موجود تھے۔ بیروت مین الگزنڈر سیورس کے زمانہ سے ایک مدرسہ قانون چلا آتا تھا جسمین چار پروفیسر تھے۔ قیصریہ مین وکلاء کی ایک جماعت رہتی تھی۔ اسکندریہ مین قانون کی تعلیم جاری تھی۔ ان واقعات کی تفصیل کے بعد پروفیسر موصوف فرماتے ہین کہ "اس قیاس کی نسبت کہ اسلامی قوانین پر رومی قانون کا اثر پڑا ہے اسقدر کہنا کافی ہوگا۔ لیکن

مقابلہ کر چکا ہے۔

اس امر سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ فقہ حنفی میں ایسے مسائل موجود ہیں جو عرب اور عراق میں اسلام سے پہلے معمول بہ تھے لیکن اس میں فقہ حنفی کی خصوصیت نہیں۔ یہ سلسلہ اور آگے چلتا ہے۔ جو مسائل آج خاص اسلام کے مسائل خیال کیے جاتے ہیں اور خود قرآن مجید میں انکا ذکر ہے ان میں متعدد ایسے ہیں جو زمانہ جاہلیت میں معمول و متداول تھے۔ علامہ ابو ہلال عسکری نے کتاب الاوائل میں انکی تفصیل بھی کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے خراج و ٹکس کے متعلق جو قاعدے مقرر کیے وہ عموماً وہی ہیں جو نوشیروان عادل نے اپنے زمانہ حکومت میں وضع کیے تھے اور یہ کچھ بے ارادہ نہ تھا بلکہ حضرت عمرؓ نے دانستہ نوشیروان کی اقتدا کی تھی چنانچہ علامہ طبری و ابن الاثیر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۴) جس طریقے سے کہ اسلامی فتوحات ہوئیں اور جس طرح پر مسلمان ممالک مفتوحہ میں آباد ہوئے اگر ان امور پر غور کیا جائے تو یہ قیاس یقین سے بدل جاتا ہے۔

اسلامی فتوحات کے طریقے سے پروفیسر موصوف نے اسطرح استدلال کیا ہو کہ شروع میں مسلمانوں نے غیر قوموں سے بجز جزیہ وصول کرنے کے اور کسی قسم کا اثر ڈالنا نہیں چاہا۔ لیکن جب علمی ترقی کا زمانہ آیا تو انہوں نے غیر قوموں کے لیے قانون وضع کیے جو خود انہی قوموں سے ماخوذ تھے۔ پروفیسر موصوف کے الفاظ یہ ہیں "نہ تو قرآن اور نہ ابتدائی خلافت کے زمانہ میں اس بات کی کچھ کوشش ہوئی کہ جو اصلی قومیں عرب کے ماتحت ہو گئی تھیں انکی دنیوی زندگی کے پیچیدہ معاملات میں دست اندازی کیجائے۔ نہ اسکے لیے فرصت تھی نہ دماغ اور نہ ایسے آدمی موجود تھے جو اس خدمت کو انجام دیسکتے۔ جب بغداد اور اندلس کے شہروں اور قاہرہ میں امن و امان کا زمانہ آیا اور مطالعہ و غور کا موقع ملا تو طب

نے صاف الفاظ مین تصریح کی ہے۔

ایک مقنن جب کسی ملک کے لیے قانون بناتا ہے تو اُن تمام احکام اور رسم و رواج کو سامنے رکھ لیتا ہے جو اُس ملک مین اُس سے پہلے جاری تھے اُنھین سے بعض کو وہ بعینہ اختیار کرتا ہے بعض مین ترمیم و اصلاح کرتا ہے بعض کی بالکل مخالفت کرتا ہی۔ بےشبہہ امام ابوحنیفہ نے بھی ایسا ہی کیا ہوگا۔ لیکن اس حیثیت سے وہ رومن لا کی بہ نسبت ایران کے قانون سے زیادہ مستفید ہوئے ہونگے۔ کیونکہ اولاً تو وہ خود فارسی النسل تھے اور اُنکی زبان مادری فارسی تھی۔ دوسرے اُنکا وطن کوفہ تھا اور وہ فارس کے اعمال مین داخل تھا۔

غرض یہ امر بہرحال قابل تسلیم ہی کہ امام صاحب کو فقہ کی توضیح مین اُن قواعد اور رسم و رواج

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۵) در ریاضیات و منطق اور علوم نفیسہ مین ترقی ہوئی وہ جسطرح کہ ارسطو سے عربون نے منطق سیکھی اسیطرح بسیل (Basilika) لیو (Zeo) اور اُسکے یونانی شارحون سے علم قانون اخذ کیا۔ اسکے بعد پروفیسر موصوف اس خیال کی قطعیت پر یہ دلیل قائم کرتے ہین کہ قرآن مین اسقدر کم احکام ہین کہ اُن پر ایک قانون کی بنیاد نہین قائم ہوسکتی۔ پروفیسر صاحب فرماتے ہین کہ قرآن مین صرف یہ احکام ہین۔ [1] خدا کو اپنی قسمون کا نشانہ نہ بناؤ۔ [2] تم اپنی بیبیون کو دو دفعہ طلاق دے سکتے ہو پھر اُنکو رحمدلی یا مہربانی سے علٰحدہ کردو۔ [3] سود خوار قیامت مین آسیب زدون کی طرح اُٹھین گے۔ [4] میعادی قرض کو قلمبند کرلیا کرو۔ [5] اگر بیبیون کے ساتھ انصاف کرسکو تو کئی نکاح کرسکتے ہو لیکن چار سے زیادہ نہین۔ [6] مرد کو دو حصّہ ملے گا اور عورت کو ایک لیکن صرف عورتین ہون تو دو۔ [7] شوہر کو نصف حصّہ ملے گا۔ [8] مرض الموت مین وصیت کے وقت گواہون کا ہونا ضرور ہی۔ [9] سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے۔ [10] مکاتب کو آزادی

سے ضرور مدد ملی ہوگی جو اُن ممالک مین جاری تھے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ایسی استعانت سے امام صاحب کے واضع قانون ہونیکی حیثیت پر کیا اثر پڑتا ہے؟ یعنی وہ ایک مستقل واضع قانون کہے جاسکتے ہین یا صرف ناقل اور جامع۔ جہانتک ہماری تحقیق ہے مسلمانون نے غیر قومون کی قانونی تصنیفات سے بہت کم واقفیت حاصل کی ترجمون کی فہرست مین ہم سیکڑون ہزارون کتابون کے نام پاتے ہین لیکن وہ فلسفہ طب وغیرہ کی تصنیفات ہین۔ قانون کی ایک کتاب کا بھی پتہ نہین چلتا جو عربی زبان مین ترجمہ کی گئی ہو۔ اور اسقدر تو قطعاً ثابت ہے کہ امام صاحب نے جس زمانہ مین فقہ کی تدوین کی کسی ایسی کتاب کا ترجمہ نہین ہوا تھا اسلیے یہ احتمال کہ امام ابوحنیفہ نے غیر قومون کی قانونی تصنیفات سے فایدہ اٹھایا ہو۔ بالکل بے اصل ہے۔ ملک مین

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۶) کا معاہدہ لکھدو اگر تمہاری مرضی ہو۔ سزائے زنا و غیبت۔

پروفیسر صاحب کے نزدیک قرآن مین صرف اسیقدر قانونی احکام مذکور ہین اور اس لیے اُن کے نزدیک قرآن مجید ایک وسیع قانون کی بنیاد نہین قرار پاسکتا۔ چنانچہ وہ فرماتے ہین کہ "جو سید ہے قواعد اوپر درج ہوے انمین مشکل سے رومی بنیاد کا پتہ لگ سکتا ہے ؛ ؛ اس لحاظ سے یہ امر اور بھی حیرت انگیز ہے کہ جو عمارت مسلمان فقیہون نے ایسے پرانے مصالحہ سے طیار کی وہ قریب قریب ہر ایک موڑ پر رومی قانون کی کلیون اور جزئیون کو یاد دلاتی ہے "

اسکے بعد پروفیسر موصوف نے دعوی کیا ہے کہ مسائل مندرجہ ذیل[1] مین فقہ اسلام اور رومی قانون بالکل یکسان ہے اور بالآخر اُس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ سلسلہ قانون یعنی علم فقہ۔ در اصل رومی

[1] ہمنے بخوف تطویل ان مسائل کو یہان نقل نہین کیا لیکن آگے چلکر انمین سے بہت سے مسائل کا ذکر آئیگا۔ ۱۲

رسم و رواج کی بنیاد پر جو احکام نافذ تھے اس قابل نہ تھے کہ تحریر میں آکر قانون کا لقب حاصل کر سکتے۔

مختصر یہ کہ جسقدر تاریخی قرائن موجود ہیں ان سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ امام صاحب کو روم یا فارس کی کوئی قانونی تصنیف ہاتھ آئی جسکے نمونہ پر انہوں نے فقہ کی بنیاد رکھی۔ اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ امام ابوحنیفہ سے پہلے فقہ کے مسائل جسقدر اور جس صورت میں مدون ہو چکے تھے وہ فن کی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ ان باتوں کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ اگر فقہ کو ایک قانون مانا جائے تو ضرور ماننا پڑے گا کہ امام صاحب ہی اسکے مقنن اور واضع تھے۔ البتہ انکے ملک کے رسم و رواج۔ مسائل معمول بہا۔ علما کے فتاوے [illegible] لیکن یہ اسی قسم کی مدد ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۷) قانون ہے لیکن بہ تبدیل ہئیت۔

پروفیسر موصوف نے گو [illegible] الٰہی سے [illegible] کا خلاصہ لکھدیا ہے۔ لیکن کوئی ضروری بات ترک نہیں کی بلکہ اکثر انکے خاص فقرے لکھدیئے ہیں۔ پروفیسر موصوف نے جن مقدمات کی ترتیب سے استدلال کیا ہے وہ مختصراً یوں بیان کیے جا سکتے ہیں۔ "قرآن مجید میں بہت کم احکام ہیں اور ان سے قانون نہیں بن سکتا" "ممالک مفتوحہ اسلام میں رومی قانون پہلے سے جاری تھا" "مسلمانوں نے یونان و روم وغیرہ کی تصنیفات کے ترجمے کیے" "فلاں فلاں مسائل میں اسلامی فقہ اور رومی قانون متحد ہیں"

یہ بحث حقیقت میں نہایت دلچسپ اور مستقل طویل بحث ہے لیکن چونکہ اس بحث کا اصل [illegible] میں بیان کیا ہوا اس معرکہ میں اس شخص کا حصہ رکھتا ہے جو فقہ اسلام و رومن لا دونوں سے [illegible] واقفیت

جس سے دنیا کے اور واضعانِ قانون بھی بے نیاز نہ تھے - اسلیے یہ امر امام صاحب کی مقننیت کے رتبہ کو گھٹا نہین سکتا -

اِن عام مباحث کے بعد - اب ہم اُن خاصیتوں[۱] کا ذکر کرتے ہین جنکی وجہ سے حنفی فقہ کو اور فقہون کے مقابلہ مین ترجیح حاصل ہے -

فقہ حنفی کی خصوصیتین - فقہ حنفی کا اصول عقلی کے موافق ہونا -

(۱) سب سے مقدم اور قابلِ قدر خصوصیت جو فقہ حنفی کو حاصل ہے وہ مسائل کا اسرار اور مصالح پر مبنی ہونا ہے - احکام شرعیہ کے متعلق اسلام مین شروع ہی سے دو فرقے قائم ہو گئے - ایک گروہ کی یہ راے ہے کہ یہ احکام تعبدی احکام ہین - یعنی انمین کوئی سر اور مصلحت نہین ہے مثلاً شراب خواری یا فسق و فجور صرف اس لیے ناپسندیدہ ہین کہ شریعت نے ان سے منع کیا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۸) رکھتا ہو - پروفیسر موصوف لے شبہ روسن لا کی نسبت ہر قسم کی واقفیت کا دعوی کر سکتے ہین لیکن مسائلِ اسلام کے متعلق آنکی وسعت معلومات کا اعتراف کرنا مشکل ہے - انہون نے دعوی کیا ہے کہ قرآن مجید مین قانونی احکام صرف محدود سے چند ہین جنکی اُنھون نے تفصیل کردی ہے - حالانکہ قرآن مجید کی آیاتِ احکام کم و بیش پانسو (۵۰۰) ہین اور اگرچہ ان مین بہت سے احکام عبادات وغیرہ کے متعلق ہین تاہم خاص وہ آیتین جن مین قانونی احکام ہین سو سے کم نہین ہین - یہ آیتین جداگانہ جمع کرلی گئی ہین اور علمانے اُن پر متعدد تفسیرین لکھی ہین - ان تمام احکام سے واقف ہونا تو ایک طرف پروفیسر صاحب

[۱] یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جن خصوصیتون کا ہمنے دعوی کیا ہے وہ بلحاظ اکثر مسائل کے ہین ممکن ہے کہ بعض جزئیات کے لحاظ سے یہ خصوصیتین امام صاحب کے مذہب مین نہ پائی جاوین اور دوسرے امامون کے فقہ مین پائی جاوین - لیکن ہمارا دعوی یہ ہے کہ امام صاحب کے اکثر مسائل مین یہ خصوصیتین پائی جاتی ہین اور امام شافعی وغیرہ کے اکثر مسائل مین نہین پائی جاتین -

اور خیرات و زکوٰۃ صرف اسلیے مستحسن ہین کہ شارع نے انکی تاکید کی ہے۔ ورنہ فی نفسہ یہ افعال بُرے یا بھلے نہین ہین۔ امام شافعی کا اسی طرف میلان پایا جاتا ہے۔ اور شاید اسی کا اثر تھا کہ ابو الحسن اشعری نے جو شافعیون مین علم کلام کے بانی ہین علم کلام کی بنیاد اسی مسئلہ پر رکھی۔

دوسرے فرقہ کا یہ مذہب ہے کہ شریعت کے تمام احکام مصالح پر مبنی ہین۔ البتہ بعض مسائل ایسے بھی ہین جنکی مصلحت عام لوگ نہین سمجھ سکتے۔ لیکن درحقیقت وہ مصلحت سے خالی نہین۔

یہ مسئلہ اگرچہ بوجہ اسکے کہ اُسکے دونون پہلو بڑے بڑے علما نے اختیار کیے ہین۔ ایک معرکۃ الآرا مسئلہ بنگیا ہے لیکن۔ انصاف یہ ہے کہ وہ اسقدر بحث و اختلاف کے قابل نہ تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۹) کی وسعت معلومات کا یہ حال ہے کہ نکاح و طلاق کے مسائل مین سے اُن کو صرف دو مسئلے معلوم ہین تعداد طلاق و تعداد نکاح۔ حالانکہ قرآن مجید مین۔ محرمات نکاح۔ موطوٴہ اب۔ جمع بین الاختین۔ نکاح۔ بامشرکات۔ طلاق قبل خلوت صحیحہ و بعد خلوت اور دونون کے احکام۔ خلع اور ایلاء کے مسائل تفصیل کے ساتھ مذکور ہین۔

وراثت کے متعلق پروفیسر صاحب کو صرف شوہر کا حصہ اور یہ کہ مرد کو عورت کے دو حصہ کے برابر ملتا ہے معلوم ہے۔ افسوس انکو یہ معلوم نہین کہ وراثت کا پورا باب اجمالاً قرآن مجید مین مذکور ہے اور خصوصاً والدین کا حصہ اور کلالہ کے احکام تو صاف صاف تصریحاً مذکور ہین۔ قصاص اور دیت کے مسائل جو نہایت تفصیل سے قرآن مجید مین مذکور ہین اور جنمین قتل عمد اور قتل خطا اور اُنکے احکام کی پوری تفصیل ہے پروفیسر صاحب کو سرے سے معلوم نہین۔ حیرت ہے کہ اس محدود واقفیت کے ساتھ پروفیسر صاحب

تمام مہمات مسائل کی مصلحت اور غایت خود کلام آلہی مین مذکور ہے۔ کفار کے مقابلہ مین قرآن کا طرز استدلال۔ عموماً اسی اصول کے مطابق ہے۔ نماز کی مصلحت خدا نے خود بتائی کہ۔ تنھی عن الفحشاء والمنکر۔ روزہ۔ کی فرضیت کے ساتھہ ارشاد ہوا۔ لعلکم تتقون جہاد۔ کی نسبت فرمایا حتی لاتکون فتنۃ۔ اسیطرح اور احکام کے متعلق قرآن وحدیث مین جابجا تصریحین اور اشارے موجود ہین کہ انکی غرض و غایت کیا ہے۔

امام ابو حنیفہ کا یہی مذہب تھا اور یہ اصول انکے مسائل فقہ مین عموماً مرعی ہے۔ اسیکا اثر ہے کہ حنفی فقہ جسقدر اصول عقلی کے مطابق ہے اور کوئی فقہ نہین۔ امام طحاوی نے جو محدث اور مجتہد دونون تھے اس بحث مین ایک کتاب لکھی ہے جو شرح معانی الآثار کے نام

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۰) نے اس بحث کے طے کرنے کی کیونکر جرأت کی ؟۔

یہ توضمنی بحث تھی اب ہم اُن مقدمات پر توجہ کرتے ہین جن پر پروفیسر صاحب کی استدلال کی بنا ہے۔ اسقدر اُنھون نے خود تسلیم کرلیا ہے اور واقع مین بھی صحیح ہے کہ شروع اسلام یعنی خلافت راشدہ کے اخیر زمانہ تک مسلمان غیر قومون سے بالکل الگ رہے اور اُن کے قانون اور احکام سے کسی قسم کی واقفیت نہین حاصل کی۔ اس لیے دمشق و بیروت واسکندریہ مین اُسوقت رومن لا کے جو مدرسے جاری تھے خود بقول پروفیسر صاحب کے اسلامی فقہ پر اُسکا کچھہ اثر نہین پڑسکتا تھا۔ اب قابل لحاظ یہ امر ہے کہ پروفیسر صاحب نے اسلام کے جو مسائل اس دعوی کے ساتھہ پیش کیے ہین کہ وہ رومن لا کے موافق ہین وہ کس زمانہ کے ایجاد شدہ مسائل ہین۔ مثلاً وراثت کے متعلق پروفیسر صاحب نے لکھا ہے کہ مسائل ذیل یعنی اولاد۔ سلسلہ اصولی۔ رشتہ داران طرفی خواہ آدہا خون ملا ہو یا

سے مشہور ہے اور جسکا موضوع یہ ہے کہ مسائل فقہ کو نصوص و طریق نظر سے ثابت کیا جائے۔ محدث مذکور نے فقہ کے ہر باب کو لیا ہے۔ اور اگرچہ انصاف پرستی کے ساتھ بعض مسئلوں مین امام ابوحنیفہ سے مخالفت کی ہے لیکن اکثر مسائل کی نسبت مجتہدانہ طرز استدلال سے ثابت کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب۔ احادیث اور طریق نظر۔ دونون سے موافق ہے" امام محمد نے بھی کتاب الحجج مین اکثر مسائل مین عقلی وجوہ سے استدلال کیا ہے۔ یہ دونون کتابین چھپ گئین ہین اور ہر جگہہ ملتی ہین۔ جسکو تفصیل مقصود ہو ان کتابون کی طرف رجوع کرے۔

اِس دعوی سے کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب عقل کے موافق ہے۔ شافعیہ وغیرہ کو بھی انکار نہین اور وہ انکار کیون کرتے۔ انکے نزدیک احکام شرعیہ خصوصاً عبادات جسقدر عقل سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۱) کل اور آنکی اولاد۔ بی بی یا خاوند۔ مولا ہی غلام آزاد۔ یہ سب رومن لا کے موافق ہین۔ اسکے بعد وہ تحریر فرماتے ہین کہ مسلمانون مین ترکہ اسطرح تقسیم کیا جاتا تھا جو رومن لا کا طریقہ تھا یعنی کل حصے یہ تھے نصف۔ ربع۔ ثمن۔ دو ثلث۔ ایک ثلث۔ سدس۔ یہی حصے رومن لا مین بھی تھے لیکن پروفیسر صاحب کو یہ معلوم نہین کہ یہ حصص خود قرآن مجید مین مذکور ہین۔ اور قرآن مجید کی نسبت خود پروفیسر صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ اسمین رومی بنیاد کا پتہ نہین لگتا۔ البتہ ترکہ کی بعض افراد قرآن مجید مین مذکور نہین لیکن وہ زمانہ رسالت خلافت تک پوری طرح سے معین و مقرر ہو چکے تھے۔ حدیث و آثار کی نہایت قدیم کتابین آج موجود ہین انکو پڑھ کر متعصب سے متعصب شخص بھی اس سے انکار نہین کر سکتا۔

وصیت کے متعلق پروفیسر صاحب نے فقہ کے جن مسائل کو رومن لا سے ماخوذ سمجھا ہے انکی تفصیل کی ہے۔ وصیت تقریری یا تحریری دو گواہون کے سامنے۔ وصی ایک ثلث جائداد سے زیادہ

بعید ہون اُسیقدر اُنکی خوبی ہے۔

امام رازی نے زکوۃ کی بحث مین لکھا[1] ہے کہ امام شافعی کا مذہب امام ابوحنیفہ سے زیادہ صحیح ہے جسکی دلیل یہ ہے کہ امام شافعی۔ کا مذہب عقل وقیاس سے بعید ہے اور یہی اُسکی صحت کی دلیل ہے۔ کیونکہ زکوۃ کے مسائل زیادہ تر تعبّدی احکام ہین جن مین عقل ورائے کو دخل نہین"

بخلاف اور ہمعصرون کے **امام ابوحنیفہ** کا اس اصول کیطرف مائل ہونا ایک خاص سبب سے تھا۔ دوسرے ائمہ جنہون نے فقہ کی تدوین وترتیب کی۔ اُنکی علمی ابتدا فقہی مسائل سے ہوئی تھی۔ بخلاف اسکے امام ابوحنیفہ۔ کی تحصیل علم کلام سے شروع ہوئی جسکی ممارست نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۲) کی وصیت نہین کرسکتا جب تک کہ ورثا نہ راضی ہون۔ لیکن یہ مسائل بھی زمانہ نبوت یا خلافت کے مسائل ہین اور اس امر سے ایک عام عربی دان بھی انکار نہین کرسکتا۔ پروفیسر صاحب نے اور بھی مسائل گنائے ہین جو اُنکی راے مین رومن لا سے ماخوذ ہین۔ ہم اُن سب کی تفصیل نہین کرسکتے مختصراً اسقدر کہنا کافی ہے کہ اُن مین اکثر مسائل اُسی زمانہ کے ہین جنکی نسبت پروفیسر صاحب نے تسلیم کیا ہو کہ مسلمانون نے غیر قومون کے قوانین واحکام سے کچھہ واقفیت نہین حاصل کی تھی۔

پروفیسر صاحب کو اس بات پر بڑی حیرت ہے کہ قرآن مجید یا حدیث مین قانونی مسائل بہت کم تھے اُنکی بنیاد پر فقہ کا اتنا بڑا دفتر کہان سے طیار ہوگیا؟ اسی حیرت نے اُنکو مجبور کیا کہ وہ فقہ اسلام کو رومن لا کا خوشہ چین بتائین۔ لیکن پروفیسر صاحب کس کس بات پر حیرت کرینگے۔ قانونی مسائل

[1] مناقب الشافعی مصنفہ امام فخر الدین رازی ۱۲

ترجمہ سے کسی حالت مین نماز نہین ہوسکتی۔

اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ امام ابوحنیفہ یا کسی مجتہد نے صرف عقل و قیاس سے نماز کے ارکان متعین کیے ہین ائمہ نے ان ارکان کے ثبوت کے لیے عموماً احادیث کی تصریحات و اشارات سے استدلال کیا ہے۔ چنانچہ ہر مجتہد کے نقلی دلائل کتب فقہ مین تفصیل مذکور ہین۔ ہمارا یہ مطلب ہے کہ امام ابوحنیفہ کے دعوون پر جسطرح نقلی دلائل یعنی احادیث کی تصریحین اور اشارے موجود ہین اسیطرح عقلی وجوہ بھی انکی صحت کے شاہد ہین۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحب شریعت کے اسرار اور مصالح کو نہایت دقیق نگاہ سے دیکھتے تھے۔

زکوٰۃ کے مسائل کا بھی یہی حال ہے۔ زکوٰۃ کا اصلی مقصد بنی نوع کی ہمدردی اور اعانت ہے اسلیے زکوٰۃ کے مصرف مین وہ لوگ خاص کر دیے گئے ہین جو سب سے زیادہ ہمدردی اور اعانت کا استحقاق رکھتے ہین۔ یعنی فقرا۔ مساکین۔ عمال زکوٰۃ۔ مولفۃ القلوب۔ مقروض۔ مسافر۔ غازی۔ مکاتب۔ چونکہ ان لوگونکی تصریح خود قرآن مجید مین مذکور ہے اس لیے اس امر مین سب مجتہدین کا اتفاق رہا کہ یہ لوگ مصرف زکوٰۃ ہین۔ لیکن تعیین نے ایک اختلاف پیدا کر دیا۔ امام شافعی نے ان اقسام کے ذکر سے یہ خیال کیا کہ یہ سب اشخاص زکوٰۃ کے ادا مین لازمی ہین۔ یعنی جب تک ان آٹھون اقسام کے لوگونکو زکوٰۃ ادا نہ کی جاوے فرض ادا ہی نہین ہوسکتا۔ بخلاف اسکے امام ابوحنیفہ کا یہ مذہب ہے کہ زکوٰۃ ان اقسام سے باہر نہ جانے پائے۔ باقی یہ امر کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۷) قرآن کے معانی پر۔ قرآن کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ بے شبہ امام صاحب کی اس غلطی کو ہم تسلیم کرتے ہین لیکن فقہاے حنفیہ نے دعویٰ کیا ہے کہ امام صاحب نے بالآخر اس قول سے رجوع کیا ہے۔

ان لوگون مین سے سب کو دی جاوے یا بعض کو۔ یہ امر مقتضاے وقت اور ضرورت پر موقوف ہے۔ امام اور حاکم وقت ضرورت کے لحاظ سے جسکو چاہے انتخاب کر سکتا ہے۔

ایک اور مسئلہ جسمین امام ابو حنیفہ اور دوسرے ائمہ مختلف ہین یہ ہے کہ چارپایون کی زکوٰۃ ادا کرنے کا کیا طریقہ ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک زکوٰۃ مین جانور یا اُسکی قیمت ادا کیجا سکتی ہے امام شافعی کے نزدیک "قیمت ادا کرنے سے زکوٰۃ ادا ہی نہین ہوسکتی" حالانکہ زکوٰۃ کی غرض حاصل ہونے مین جانور اور اُسکی قیمت دونون برابر ہین۔ اور اسلیے شارع نے بھی کوئی تخصیص نہین فرمائی۔

ان مسائل کے سوا عبادات کے اور سیکڑون مسائل ہین جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حنفی مسائل مین ہر جگہ مصالح اور اسرار کی خصوصیت ملحوظ ہے لیکن ہم تطویل کے لحاظ سے اُن سب کی تفصیل نہین کر سکتے۔ معاملات کے مسائل مین یہ عقدہ زیادہ حل ہوجاتا ہے اور صاف نظر آتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب کسقدر مصالح اور اسرار کے موافق ہے۔

دوسری خصوصیت فقہ حنفی کا آسان اور سہل ہونا

(۲) دوسری خصوصیت یہ ہے کہ حنفی فقہ بہ نسبت تمام اور فقہون کے نہایت آسان اور یسیر التعمیل ہے۔

قرآن مجید مین متعدد جگہ آیا ہے کہ "خدا تم لوگون کے ساتھ آسانی چاہتا ہے سختی نہین چاہتا" رسول اللہ کا قول ہے کہ "مین نرم اور آسان شریعت لیکر آیا ہون" بے شبہہ اسلام کو تمام اور مذہبون کے مقابلہ مین یہ فخر حاصل ہے کہ وہ رہبانیت سے نہایت بعید ہے۔ اسمین عبادات شاقہ نہین ہین۔ اُسکے مسائل آسان اور یسیر التعمیل ہین۔ حنفی فقہ کو بھی اور فقہون پر یہی ترجیح

ایسے ہین جو طریقۂ ادا مین صرف ایک حسن و خوبی پیدا کرتے ہین لیکن اُنکے فوت ہونے سے اصل غرض فوت نہین ہوتی۔ ان افعال کا رتبہ پہلے قسم سے کم ہے اور اُنکو سنت و مستحب سے تعبیر کرتے ہین۔

اوپر ہم لکھ آئے ہین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرض و واجب و سنت کی تصریح نہین فرمائی۔ لیکن اسمین کچھ شبہ نہین ہو سکتا تھا کہ نماز کے تمام افعال یکسان درجہ نہین رکھتے تھے اسلیے تمام مجتہدین نے اُنکے امتیاز مراتب پر توجہ کی اور استنباط و اجتہاد کی روسے اُن افعال کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۵) قانون تھے غیر قومون کی خوشہ چینی کو اپنی اصطلاح مین حرام کہتے تھے۔ کیا امام ابوحنیفہ۔ امام مالک۔ امام شافعی۔ امام احمد بن حنبل۔ سے یہ امید ہو سکتی ہے کہ وہ مسائل فقہ کو جو انکو نزدیک مذہب کا ایک حصہ تھا روم و یونان سے سیکھتے۔ اگر پروفیسر صاحب کو ان ائمہ کے حالات معلوم ہوتے اور یہ بھی معلوم ہوتا کہ فقہ کے تمام ابواب انہی بزرگون کے عہد مین مرتب ہو گئے تھے تو وہ ہرگز ایسا دعوے نکرتے!

البتہ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ بعض مسائل مین رومن لا و فقہ اسلام متحد کیون ہین۔ لیکن اسمین فقہ اسلام کی تخصیص نہین۔ جن دو قانونون کا گو وہ کتنی ہی بے تعلق ہون آپس مین مقابلہ کیا جاوے بہت سے مسائل مشترک ثابت ہونگے اور قدرتاً ایسا ہونا ضرور ہے۔ جب تمام دنیا کے آدمیونکی۔ ذاتی۔ تمدنی ملکی ضرورتین۔ اکثر متحد اور یکسان ہین تو ان ضرورتون کے لحاظ سے ہر جگہ جو قوانین وضع کیے جاوینگے اُنکے مسائل کا مشترک ہونا کونسی تعجب کی بات ہے۔ شعر

دو دراہرو کہ بیک رہ روند در یک سمت	عجب نباشد اگر او فتند پے بر پے

مختلف مدارج قائم کیے اور اُنکے جدا جدا نام رکھے۔ امام ابوحنیفہ نے بھی ایسا ہی کیا لیکن اسباب مین اُنکو اور ائمہ پر جو ترجیح ہے وہ یہ ہے کہ اُنھون نے جن افعال کو جس رتبہ پر رکھا درحقیقت اُنکا وہی رتبہ تھا۔ مثلاً سب سے ضروری امر یہ ہے کہ نماز کے ارکان یعنی وہ افعال جنکے بغیر نماز ہو ہی نہین سکتی۔ کیا ہین؟ چونکہ نماز اصل مین اقرار عبودیت۔ اور اظہار خشوع کا نام ہے۔ اسلیے اسقدر تو سب مجتہدین کے نزدیک مسلم رہا کہ نیت۔ تکبیر۔ قرءت۔ رکوع۔ سجود۔ وغیرہ جن سے بڑھکر اقرار عبودیت اور اظہار خشوع کا کوئی طریقہ نہین ہوسکتا فرض اور لازمی ہین اور خود شارع نے اُنکے لازمی اور ضروری ہونیکی طرف اشارے کیے بلکہ بعض جگہ تصریح بھی کی لیکن اور ائمہ نے یہ زیادتی کی کہ ان ارکان کی ادا کی خصوصیتونکو بھی فرض قرار دے دیا۔ حالانکہ وہ خصوصیتین لازمی نہ تھین۔ اسلیے امام ابوحنیفہ اُنکے فرضیت کے قائل نہین۔ مثلاً امام ابوحنیفہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ۔ اللہ اکبر کے سوا اور الفاظ سے بھی ادا ہوسکتی ہی جو اُسکے ہم معنی ہین (مثلاً اللہ اعظم اللہ اجل) امام شافعی کے نزدیک نہین ہوسکتی۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔ تکبیر اگر فارسی زبان مین کہی جائے تب بھی جائز ہے۔ امام شافعی کے نزدیک اس سے نماز باطل ہوجاتی ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک قرآن مجید کی کسی آیت کے پڑھنے سے قرءت کا فرض ادا ہوجاتا ہی۔ امام شافعی کے نزدیک بغیر سورہ فاتحہ کے نماز ہو ہی نہین سکتی۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جو شخص عربی مین قرآن پڑھنے سے معذور ہے وہ مجبوراً ترجمہ پڑھ سکتا ہے[1]۔ امام شافعی کے نزدیک

[1] امام محمد نے جامع صغیر مین جو روایت کی ہے اُسمین مجبوری کی قید نہین ہی اور اسی بنا پر مخالفین نے امام صاحب پر یہ سخت اعتراض کیا ہو کہ "وہ قرآن کی حقیقت و مفہوم مین الفاظ کو داخل نہین سمجھتے یعنی اُنکے نزدیک صرف

اُنکی قوت فکر اور حدت نظر کو نہایت قوی کر دیا تھا۔ معتزلہ وغیرہ۔ جنسے اُنکے معرکے رہتے تھے عقلی اصول کے پابند تھے۔ اس لیے امام صاحب کو بھی اُنکے مقابلہ مین انہین اصول سے کام لینا پڑتا تھا۔ اور متنازعہ فیہ مسئلون مین مصالح واسرار کی خصوصیتین دکھانی پڑتی تھین۔ اس غور اور تدقیق۔ مشق و مہارت۔ سے اُنکو ثابت ہوگیا تھا کہ شریعت کا ہر مسئلہ اصول عقل کے مطابق ہے۔ علم کلام۔ کے بعد وہ فقہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ تو ان مسائل مین بھی وہی جستجو رہی۔

حنفی فقہ کے مسائل کا۔ دوسرے فقہون کے مسائل سے مقابلہ کیا جاے تو یہ تفاوت صاف نظر آتا ہے۔ معاملات تو معاملات۔ عبادات مین بھی جسکی نسبت ظاہر بینون کا خیال ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۳) تو خیر رومن لا سے ماخوذ ہین۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوۃ۔ کے متعلق قرآن مجید و احادیث مین کون سی بڑی تفصیل ہے۔ پھر فقہ مین انہی مسائل کا ایک عظیم الشان سلسلہ کیونکہ قائم ہوگیا؟ کیا یہ مسائل بھی رومن لا سے ماخوذ ہین۔ اسکو بھی جانے دو۔ تمام اور اسلامی علوم کیونکر پیدا ہوئے؟ اور اس وسعت کو کیونکر پہنچے؟ آنحضرت کے زمانہ مین۔ تفسیر حدیث۔ اصول حدیث۔ اصول فقہ۔ اسماء الرجال کے کتنے مسائل پیدا ہوئے تھے۔ اور آج اُنکی کیا حالت ہے؟ کیا آج یہ سب علوم جداگانہ فن نہین ہین؟ کیا اُن سے مسلمانون کی قوت نظر۔ تیزی طبع۔ وسعت خیال۔ کا اندازہ نہین ہوتا۔ کیا یہ علوم وفنون بھی مسلمانون نے روم ویونان سے سیکھے؟

فقہ کے جن مسائل کو پروفیسر صاحب نے رومن لا سے ماخوذ بتایا ہے وہ تو اُس زمانہ کے مسائل ہین جب خود بقول پروفیسر صاحب کے مسلمانون نے غیر قومون سے کچھ نہین سیکھا تھا۔ لیکن زمانہ

کہ اُس مین عقل کو دخل نہین - امام صاحب کے مسائل عموماً عقل کے موافق معلوم ہوتے ہین -

اگر اس بات پر غور کیجاے کہ نماز - روزہ - حج - زکوۃ - شریعت مین کن مصلحتون سے فرض کیے گئے ہین اور اُن مصالح کے لحاظ سے ان احکام کی بجا آوری کا کیا طریقہ ہونا چاہیئے تو وہی طریقہ موزون ثابت ہوگا جو حنفی فقہ سے ثابت ہوتا ہے مثلاً نماز چند افعال کے مجموعہ کا نام ہے - لیکن اس لحاظ سے کہ نماز کی اصلی غرض کیا ہے ؟ - (یعنی خضوع - اظہار تعبد - اقرار عظمت آلہی - دعا) اور اُسکے حاصل ہونے مین کن افعال کو کس نسبت سے دخل ہے ؟ ان افعال کے مراتب مختلف ہین - بعض لازمی اور ضروری ہین - کیونکہ اُن کے نہونے سے نماز کی اصل غرض فوت ہوتی ہے - ان افعال کو شریعت کی زبان مین فرض سے تعبیر کیا جاتا ہی - بعض افعال

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۴) مالجملہ ہین بھی فقہ نے رومن لا کا کبھی احسان نہین اُٹھایا - پروفیسر صاحب کا یہ دعوی صحیح ہی کہ دولت عباسیہ کے عہد ترقی مین مسلمانون نے یونان و مصر سے علوم و فنون لیے - لیکن انکو جاننا چاہیئے کہ یونان و مصر کے شاگردون کا ایک خاص گروہ تھا - بے شبہ مسلمانون مین ایسے لوگ بھی تھے جو غیر قومون سے مستفید ہوتے تھے - اور اسکو عیب نہین سمجھتے تھے لیکن مسلمانون ہی مین وہ گروہ بھی تھا (اور وہی بہت بڑا گروہ تھا) جو اپنے فضل و کمال کے زعم مین غیر قومون کی طرف کبھی رخ بھی نہین کرتا تھا - مجتہدین اور فقہا م - اسی گروہ مین داخل ہین - یونان و روم وغیرہ کی کتابین جو عربی زبان مین ترجمہ ہوئین - انکی نہایت مفصل فہرست ہمکو معلوم ہے - ان مین فلسفہ طب - ہندسہ - نجوم - کیمیا - صنعت - تاریخ - لایف - ناول - ہر قسم کی کتابین ہین - لیکن قانون کی ایک تصنیف بھی نہین جسکی وجہ غالبا یہی ہے کہ فقہا اور مجتہدین جو اسلام مین واضع

حاصل ہے

حنفی فقہ کا آسان اور وسیع ہونا ایسا متعارف ہے کہ شعرا اور مصنفین اُسکو ضرب المثل کے طور پر ذکر کرتے ہین۔ انوری نے جو ایک نحاش اور بدزبان شاعر تھا اگرچہ بُرے موقع پر اسکا استعمال کیا اور کہا ع چون رخصتہاے بوحنیفہ ٭ تاہم اصل مدعا کا ثبوت اُسکے کلام سے بھی ہوتا ہے۔ عبادات اور معاملات۔ کا کوئی باب۔ کوئی فصل۔ لیلو۔ یہ تفرقہ صاف نظر آتا ہو کہ امام ابوحنیفہ کے مسائل ایسے آسان اور نرم ہین جو شریعت سہلہ کی شان ہے بخلاف اسکے۔ اور ائمہ کے بہت سے احکام بہت سخت اور عسیر التعمیل ہین۔ مثلاً کتاب الجنایات و کتاب الحدود کے مسائل۔ انھی ہین سے سرقہ کے احکام ہین چنانچہ ہم اُسکے چند جزئیات نمونہ کے طور پر یہان لکھتے ہین۔

سرقہ کے احکام

اسقدر تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ سرقہ کی سزا۔ قطع ید یعنی ہاتھ کاٹنا ہے۔ لیکن مجتہدین نے سرقہ کی تعریف مین چند شرطین اور قیدین لگائی ہین جنکے بغیر قطع ید کے سزا نہین ہوسکتی۔ ان شروط کے لحاظ سے احکام پر جو اثر پڑتا ہے وہ ذیل کی جزئیات سے معلوم ہوگا جس سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب کسقدر آسان۔ اور تمدن و شایستگی کے کسقدر موافق ہے۔

امام ابوحنیفہ کے مسائل	اور ائمہ کے مسائل
نصاب سرقہ۔ کم ازکم ایک اشرفی ہے	ایک اشرفی کا ربع۔
اگر ایک نصاب مین متعدد چورونکا ساجھا ہو تو کسیکا ہاتھ نہین کاٹا جائیگا۔	امام احمد کے نزدیک ہر ایک کا ہاتھ کاٹا جائیگا۔

نادان بچہ پر قطع ید نہین۔	امام مالک کے نزدیک ہے۔
کفن چور پر قطع ید نہین۔	اور ائمہ کے نزدیک ہے۔
زوجین مین سے اگر ایک دوسرے کا مال چرائے تو قطع ید نہین۔	امام مالک کے نزدیک ہے۔
بیٹا۔ باپ کا مال چرائے تو قطع ید نہین۔	امام مالک کے نزدیک ہے۔
قرابت قریبہ والے مثلاً۔ چچا۔ بھائی وغیرہ پر قطع ید نہین۔	اور ائمہ کے نزدیک۔ ہے۔
ایک شخص کسی سے کوئی چیز مستعار لے کر انکار کر گیا۔ تو قطع ید نہین۔	اور ائمہ کے نزدیک۔ ہے۔
ایک شخص نے ایک چیز چرائی پھر بذریعہ ہبہ یا بیع اسکا مالک ہو گیا۔ تو قطع ید نہین۔	اور ائمہ کے نزدیک۔ ہے۔
غیر مذہب والے جو مستامن ہو کر اسلام کی عملداری مین رہتے ہین ان پر قطع ید نہین۔	اور ائمہ کے نزدیک۔ ہے
قرآن مجید کے سرقہ پر قطع ید نہین	امام شافعی و مالک کے نزدیک ہے
لکڑی۔ یا جو چیزین جلد خراب ہو جاتی ہے انکے سرقہ سے قطع ید نہین لازم نہین آتا۔	اور ائمہ کے نزدیک۔ لازم آتا ہے۔

فقہ کا ایک بڑا حصہ کتاب الحظر والاباحۃ ہے یعنی حرام و حلال۔ جائز و ناجائز کی تفصیل۔

اس باب مین یہ دعوی اور زیادہ واضح ہوجاتا ہے۔ اور ائمہ کے بہت سے ایسے مسئلے ہین جنکی پابندی کیجائے تو زندگی دشوار ہوجائے۔ بخلاف اسکے امام ابوحنیفہ کے احکام نہایت آسان اور سہل ہین۔ مثلاً امام شافعی کے نزدیک جو پانی اُپلون کی آگ سے گرم کیا گیا ہو اُس سے غسل اور وضو ناجائز ہے اسیطرح مٹی کے برتن جو اُپلون کی آگ سے پکائے گئے ہون اُنمین کھانا ناجائز ہے۔ رانگ کانسہ۔ بلور۔ عقیق۔ کے برتنون کا استعمال ناجائز ہے۔ پشمینہ۔ سمور۔ پوستین وغیرہ کا استعمال ناجائز ہے اور اُسکو پہنکر نماز نہین ہوسکتی۔ برتن یا کرسیان اور زین وغیرہ جن پر چاندی کا کام ہو انکا استعمال ناجائز ہے۔ بیع بالمعاطاۃ۔ یعنی خرید و فروخت کا عام طریقہ جسمین بعت و اشتریت۔ کی تصریح نہین کی جاتی۔ ناجائز ہے۔ ان تمام مسائل مین امام ابوحنیفہ کا مذہب۔ امام شافعی۔ سے مخالف ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حنفی فقہ۔ دوسرے فقہون کی طرح تنگ اور سخت گیر نہین ہے۔

تیسری خصوصیت

(۳) فقہ کا بہت بڑا حصّہ جس سے دنیوی ضرورتین متعلق ہین معاملات کا حصّہ ہے۔ اور یہی وہ موقع ہے جہان۔ ہر مجتہد کی دقتِ نظر اور نکتہ شناسی کا پورا اندازہ ہوسکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے زمانہ تک معاملات کے احکام ایسے ابتدائی حالت مین تھے کہ متمدن اور تہذیب یافتہ ملک کے لیے بالکل ناکافی تھے۔ نہ معاہدات کے استحکام کے قاعدے منضبط تھے نہ دستاویزات وغیرہ کی تحریر کا اصول قائم ہوا تھا۔ نہ فصل قضایا یا ادائے شہادت کا کوئی باقاعدہ طریقہ تھا۔ امام ابوحنیفہ پہلے شخص ہین جو ان چیزون کو قانون کی صورت مین لائے۔ لیکن افسوس ہے کہ جو مجتہدین اُنکے بعد ہوئے اُنہون نے بجائے اسکے کہ اُسکو اور وسعت دیتے۔ اُسی غیر تمدنی حالت

فقہ حنفی مین معاملات کے متعلق جو قاعدے ہین نہایت وسیع تمدن کے موافق ہین

کو قائم رکھنا چاہا۔ جسکا منشاء زاہدانہ خیالات تھے جو علماے مذہب کے دماغون مین جاگزین تھے۔ ایک مشہور محدث نے فقہا پر طعن کیا ہے کہ "ان لوگون کے نزدیک جب کسی زمین کا دعوی کسی عدالت مین پیش کیا جاے تو ضرور ہے کہ عرضی دعوی مین زمین کا موقع بتایا جاے اسکی حدود اربعہ دکھائی جائین حیثیت اور صورت کی تفصیل ہو۔ حالانکہ رسول اللہ یا صحابہ کے زمانہ مین ان جزئیات اور قیدون کا نام و نشان بھی نہ تھا" محدث مذکور کے نزدیک یہ بڑے الزام کی بات ہے لیکن اگر اُنکو کسی ترقی یافتہ ملک مین رہنے کا اتفاق ہوتا اور معاملات سے بھی کام پڑتا تو معلوم ہوتا کہ جن چیزون کو وہ الزام کی بات سمجھتے ہین اُنکے بغیر زندگی بسر کرنی مشکل ہے۔

امام شافعی۔ ہبہ کے لیے قبضہ کو ضروری نہین سمجھتے شفعہ ہمسایہ کو جائز نہین رکھتے تمام معاملات مین مستور الحال کی شہادت کو ناجائز قرار دیتے ہین۔ گواہان نکاح کے لیے ثقہ اور عادل ہونے کی قید ضروری سمجھتے ہین۔ ذمیون کے باہمی معاملات مین بھی اُنکی شہادت جائز نہین قرار دیتے۔ بے شبہہ یہ باتین اُن ممالک مین آسانی سے چل سکتی ہین جہان تمدن نے وسعت نہین حاصل کی ہے اور معاملات کی صورتین بالکل سادہ اور نیچرل حالت مین ہین لیکن جن ملکون مین تمدن نے ترقی حاصل کی ہو معاملات کی مختلف اور پیچ در پیچ صورتین پیدا ہوتی جاتی ہون حقوق کی تحدید اور انضباط کے بغیر چارہ نہو۔ وہان ایسے احکام کا قائم رہنا آسان نہین۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان تمام مسائل مین امام ابوحنیفہ۔ امام شافعی سے مخالف ہین۔ مورخ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ امام مالک کا مذہب اُنہی ممالک مین رواج پاسکا جہان تمدن نے وسعت

نہین حاصل کی تھی سلہ۔" اسکی وجہ یہی ہے کہ امام مالک کے مسائل مین اصول تمدن کی رعایت نہ تھی۔

امام ابو حنیفہ نے جس دقت نظر اور نکتہ شناسی کے ساتھ معاملات کے احکام منضبط کیے اُسکا صحیح اندازہ تو اُسوقت ہو سکتا ہے کہ معاملات کے چند ابواب پر ایک مفصل ریویو لکھا جائے لیکن ایسی تفصیل کیلئے نہ وقت مساعدت ہے نہ اس مختصر کتاب مین اُسکی گنجایش ہے تاہم ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ اسلیے نمونہ کے طور پر ہم صرف مسائل نکاح کا ذکر کرتے ہین جو عبادات اور معاملات دونون کا جامع ہے۔

نکاح کے مسائل

نکاح کو اگرچہ فقہا نے عبادات مین شامل کیا ہے لیکن یہ صرف ایک اصطلاح ہے ورنہ نکاح بوجہ اسکے کہ تمدن و معاشرت کے بڑے بڑے نتائج اُسپر متفرع ہوتے ہین۔ معاملات کا نہایت ضروری حصہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

مسائل نکاح کے انتخاب کی ایک یہ بھی وجہ ہو کہ بعض بعض یورپین مصنفون نے یہ دعوی کیا ہے کہ حنفی فقہ کے مسائل نکاح نہایت وحشیانہ اور ظالمانہ ہین۔ لیکن ہم اس بحث مین دکھا دینگے کہ آج مہذب سے مہذب ملکو نمین بھی نکاح کے قواعد حنفی فقہ سے عمدہ تر نہین ہین۔ بنتھم نے اپنی کتاب ٹوٹلمٹی مین لکھا ہے کہ "رومن لا کے موجب قواعد نکاح ایک مجموعہ ظلم ہین"۔ لیکن ہم ثابت کر دینگے کہ حنفی فقہ کے بموجب قواعد نکاح مجموعہ انصاف ہین۔ غالباً اس بحث سے اُن لوگون کے خیالات کی بھی کسیقدر اصلاح ہوگی جو غلطی سے یہ سمجھے بیٹھے ہین کہ حنفی فقہ

سلہ اِس کے قول کو ہم پہلے نقل کر چکے ہین۔

رومن لا سے ماخوذ ہے۔

نکاح و ازدواج۔ تمدن اور معاشرت کا نہایت وسیع حصّہ ہے۔ نکاح بقول ایک حکیم کے جماعتوں کا شیرازہ۔ تہذیب کی اصل۔ تمدن کی بنیاد ہے"۔ اس لحاظ سے یہ کہنا صحیح ہے کہ جس مقنن نے اسکے اصول و ضوابط کی عمدہ توضیح یا تشریح کی وہ قانونِ تمدن کا بہت بڑا نکتہ شناس ہے۔ اگرچہ امام ابوحنیفہ ان اصول و ضوابط کے موجد نہیں ہیں۔ شارع نے خود اُس کے مہمات مسائل بتا دیے تھے۔ تاہم جس نکتہ سنجی کے ساتھ اُنہوں نے ان اصول کی تشریح کی اور اُسپر احکام متفرع کیے وہ خود ایک بڑے مقنن کا کام تھا۔ شارع کا کلام کہین مجمل واقع ہوا تھا کہین محتمل المعنیین بعض جگہ صرف اشارے تھے۔ خاصکر جزئیات بہت کم مذکور تھین۔ یہی وجہ ہے کہ نکاح کے اکثر مسائل مین مجتہدین کی مختلف رائین قائم ہوگئین یہی مختلف فیہ مسائل ہین جنمین امام صاحب کے اجتہاد کے جوہر کھلتے ہین۔ اور صاف نظر آتا ہے کہ جسطرح اُنہون نے ان موقعون پر شارع کے اجمال کی تفصیل کی۔ احتمالات کے محمل معین کیے۔ اشارون کی تصریحین بتائین۔ جزئیات کی تفریع کی۔ وہ اُنہین کا کام تھا۔ جن مین اور مجتہدین کسیطرح اُنکی ہمسری نہین کر سکتے۔

نکاح کے مسائل جن اصول پر متفرع ہین وہ یہ ہین۔

(۱) کن لوگون کے ساتھ نکاح ہونا چاہیئے۔

(۲) معاملہ نکاح کس کے اختیار سے ہونا چاہیے۔

(۳) اُسکی بقا و ثبات کا استحکام کس حدتک ضروری ہو۔

(۴) فریقین کے حقوق کیا قرار دیے جائیں۔

(۵) نکاح۔ کن دستورات اور رسوم کے ساتھ عمل میں آتے۔

محرمات نکاح

یہ امر کہ نکاح کی وسعت کو کسی حد تک محدود کیا جائے۔ تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ تمام مذاہب مین یکسان طور پر پایا جاتا ہے۔ ہر قوم نے چند محرمات قرار دیے ہین جنکے ساتھ ازدواج کو ناجائز قرار دیا ہے اور یہ محرمات قریباً تمام مذہبون مین مشترک ہین۔ جسکی وجہ یہی ہے کہ یہ امر نہایت صریح اصول عقلی پر مبنی ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ اور فلاسفر بنتہم نے کتاب ٹولٹی مین محرمات کی حرمت کے جو دلائل قائم کیے ہین بالکل مشترک ہین۔ چونکہ یہ امر بالکل اصول فطرت کے مطابق ہے اور قرآن مجید مین محرمات کے نام تصریحاً مذکور ہین۔ اسلیے اصل مسئلہ مین تمام مجتہدین کا اتفاق رہا۔ لیکن جو جزئیات ظاہر نص کے ذیل مین نہین آتین۔ اُن مین اختلاف پیدا ہو گیا۔ انہین مین حرمت بالزنا کا مسئلہ ہے جو امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے اختلاف کا ایک معرکۃ الآرا مسئلہ ہے۔ امام شافعی کا مذہب ہے کہ زنا سے حرمت کے احکام نہین پیدا ہوتے۔ مثلاً باپ نے کسی عورت سے زنا کیا تو بیٹے کا نکاح اُس عورت سے ناجائز نہین ہے۔ امام شافعی نے اسکو یہانتک وسعت دی ہے کہ ایک شخص نے اگر کسی عورت کے ساتھ زنا کیا اور اُس سے لڑکی پیدا ہوئی تو خود وہ شخص اُس لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے۔ اُنکی دلیل ہے کہ زنا ایک حرام فعل ہے۔ اسلیے وہ حلال کو حرام نہین کر سکتا۔ امام ابوحنیفہ اسکے بالکل مخالف ہین۔ اُنکے نزدیک مقاربت کے ذریعے سے مرد اور عورت کے تعلقات پر جو فطری اثر پڑتا ہے وہ

نکاح پر محدود نہین ہے اور یہ بالکل صحیح ہے محرمات کی حرمت جس اصول پر مبنی ہی اسکو نکاح کے ساتھہ خصوصیت نہین۔ اپنے نطفہ سے جو اولاد ہو گو زنا ہی سے ہو اُسکے ساتھہ نکاح و مقاربت کا جائز رکھنا۔ بالکل اصولِ فطرت کے خلاف ہے۔ باپ کی موطوۃ کا بھی یہی حال ہی وعلی ہذا القیاس۔ خود قرآن مجید مین اسکے اشارے موجود ہین۔ لیکن چونکہ یہان نقلی بحث نہین۔ ہم اُسکا ذکر نہین کرتے۔

مسالہ نکاح مین اختیار

دوسری بحث یہ ہے کہ معاملہ نکاح کا مختار کون ہے؟ یہ ایک نہایت مہتم بالشان سوال ہے۔ اور نکاح کے اثر کی خوبی یا برائی بہت کچھ اسی امر پر منحصر ہے۔ امام شافعی و امام احمد بن حنبل کے نزدیک عورت گو عاقلہ بالغہ ہو۔ نکاح کے بارہ مین خود مختار نہین ہے۔ یعنی کسی حال مین وہ اپنا نکاح آپ نہین کرسکتی۔ بلکہ ولی کی محتاج ہے۔ ان بزرگون نے ایکطرف تو عورت کو اسقدر مجبور کیا۔ دوسری طرف ولی کو ایسے وسیع اختیارات دیے کہ وہ زبردستی جس شخص کے ساتھ چاہے نکاح باندھ دے۔ عورت کسی حال مین انکار نہین کرسکتی۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک بالغہ عورت اپنے نکاح کی آپ مختار ہے۔ بلکہ اگر نابالغی کی حالت مین ولی نے نکاح کردیا ہو تو بالغ ہوکر وہ نکاح کو فسخ کرسکتی ہے۔

اس اختلاف کی اصلی بنیاد عورتون کے حقوق کے مسئلہ پر مبنی ہے۔ تمام مذہبون مین عورتون کی حالت نہایت پست قرار دیگئی ہے۔ اور اُنکے حقوق نہایت تنگدلی سے قائم کئے گئے ہین۔ ہندؤن اور عیسائیون کے ہان عورت کو میراث نہین ملتی۔ خود عرب مین اسلام سے پہلے یہی دستور تھا۔ اسطرح کے اور بہت سے امور ہین جنسے عورتونکا کم رتبہ ہونا ثابت

ہوتا ہے۔ لیکن اسلام نے مردون اور عورتون کے حقوق یکسان درجہ پر قائم کیے۔ اور فرمایا لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ۔ امام ابوحنیفہ نے تمام مسائل مین اس اصول مساوات کو مرعی رکھا ہے۔ اور یہی خصوصیت ہو جو اس باب مین انکی فقہ کو اور ائمہ کی فقہ سے ممتاز کرتی ہے۔ مثلاً امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔ نکاح۔ طلاق۔ عتق۔ وغیرہ معاملات مین عورتون کی شہادت اُسیطرح معتبر ہے جسطرح مردون کی۔ بخلاف اسکے اور ائمہ مجتہدین کے نزدیک عورتونکی شہادت کا اعتبار نہین۔ بعض معاملات مین اُن بزرگون نے عورتون کی شہادت جائز بھی رکھی ہے تو یہ قید لگائی ہو کہ دو سے کم نہون۔ اور امام شافعی کے نزدیک تو چار سے کم کا اس حالت مین اعتبار نہین۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جسطرح ایک مرد کی گواہی معتبر ہے عورت کی بھی ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک عورت منصب قضا پر مامور کیجا سکتی ہے۔ لیکن اور ائمہ مخالف ہین۔ اسی بنا پر اُنکے نزدیک جب مرد نکاح کے معاملہ مین خودمختار قرار دیا گیا ہے تو عورت کو بھی ایسا ہی اختیار دینا چاہیے۔

اِس عام اصول مساوات کے قطع نظر صورت متنازعہ مین خصوصیت کی وجہ یہ بھی ہے کہ نکاح کا معاملہ عام معاملات پر قیاس نہین کیا جاسکتا۔ نکاح ایک ایسا تعلق ہے جسکا اثر نہایت وسیع ہے اور زندگی کے اخیر وقت تک قائم رہتا ہے۔ اسلیے ایسے معاملہ مین ایک فریق کو بالکل بے اختیار رکھنا نہایت ناانصافی ہے۔

اس بحث مین امام شافعی کا مدار محض نقلی دلیلون پر ہے۔ لیکن اس میدان مین بھی امام ابوحنیفہ اُن سے پیچھے نہین۔ اگر امام شافعی کو لانکاح الابولی پر استدلال ہو تو امام صاحب کیطرف

الثیب احق بنفسہا من ولیہا والبکر تستاذن فی نفسہا۔ موجود ہے۔ لیکن اس بحث کا یہ موقع نہیں۔

عقد نکاح کا استحکام

(۳) تیسری بحث یہ ہے کہ معاملہ نکاح کا استحکام وبقا کس حد تک ضروری ہے۔ عقد نکاح کی خوبی کی نسبت جو کچھ کہا گیا ہے یعنی یہ کہ وہ تمدن کی بنیاد اور جماعتوں کا شیرازہ ہے۔ اسی حالت میں ہے جب وہ ایک مضبوط اور دیرپا معاملہ قرار دیا جاوے۔ ورنہ وہ صرف قضائے شہوت کا ایک ذریعہ ہے۔ امام ابوحنیفہ نے اس اصول کو نہایت قوت کے ساتھ ملحوظ رکھا ہے انہوں نے طریقہ انعقاد۔ تعیین مہر۔ ایقاع طلاق۔ نفاذ خلع۔ کے جو قاعدے قرار دیے ہیں ان سب میں اس اصول سے کام لیا ہے۔

اس باب میں سب سے مقدم انکا یہ مسئلہ ہے کہ الطلاق مع استقامۃ حال الزوجین حرام یعنی جب تک زوجین کی حالت استقامت پر ہے۔ طلاق دینا حرام ہے۔ ضرورت اور مجبوری کی حالت میں طلاق کو جائز قرار دیا ہے تو اسکا طریقہ ایسا رکھا ہے جس سے اصلاح اور رجعت کی امید منقطع نہو یعنی یہ کہ تین بار کرکے طلاق دے اور ہر طلاق میں ایک مہینہ کا فاصلہ ہو۔ تاکہ اس اثنا میں شوہر کو اپنے ارادے کے فیصل کرنیکے لیے کافی وقت ملے۔ اگر وہ اس ارادے سے باز آنا چاہے تو باز آسکے۔ اور مستحب یہی ہے کہ باز آئے۔ اس وسیع مدت میں بھی اگر اصلاح و آشتی کی توقع نہو۔ اور تجربہ سے ثابت ہوجاوے کہ فریقین کی برہمی کسطرح اصلاح پذیر نہیں ہے۔ تو مجبوراً طلاق دے۔ طلاق کے بعد اسکو مہر ادا کرنا ہوگا۔ اور تین مہینہ تک زوجہ کی خورونوش کی کفالت کرنی ہوگی۔ اس سے یہ مقصد ہے کہ جب تک وہ

دوسرا شوہر نہ پیدا کر سکے۔ گزارا اور بسر اوقات کے لیے اُسکو تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔ اور مہر کی رقم عام مصارف مین کام آئے۔ اس باب مین امام صاحب کے مسائل جو اور ائمہ سے مختلف ہین۔ ہم اُنکو ذیل مین یکجائی طور پر لکھتے ہین جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ امام صاحب نے معاملہ نکاح کو کیسا مہتم بالشان اور مضبوط معاملہ سمجھا ہے۔ اور ہر حالت مین اُسکے قائم رکھنے کی کوشش کی ہے۔

	جب تک فریقین کی حالت مین استقامت ہو طلاق دینا حرام ہے۔	امام شافعی کے نزدیک حرام نہین۔
۲	ایکبار تین طلاق دینا حرام ہے اور اسکا مرتکب عاصی ہے۔	امام شافعی و امام احمد بن حنبل کے نزدیک کچھ مضائقہ نہین۔
۳	مہر کی تعداد کسی حالت مین دس درہم سے کم نہین ہو سکتی۔ اس سے یہ مقصد ہے کہ مرد کو فسخ طلاق پر آسانی سے جرأت نہو کیونکہ یہ تعداد غریب اور مفلس کے لیے ہے۔ جسکو اس رقم کا ادا کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسے امیرونکو دو چار ہزار کا ادا کرنا۔	امام شافعی و امام احمد بن حنبل کے نزدیک ایک حبہ بھی مہر ہو سکتا ہے جسکا نتیجہ یہ ہے کہ مرد بیدریغ جب چاہے طلاق دینے پر جرأت کر سکتا ہے اور عورت کو بوجہ اسکے کہ تفریق کے بعد مفلس و نادار رہگئی سخت تکلیف کا احتمال ہے۔
۴	خلوت صحیحہ سے پورا مہر واجب ہو جاتا ہے۔	امام شافعی کے نزدیک نصف واجب ہوتا ہے۔

۵	جسمانی بیماریان مثل برص وغیرہ فسخ نکاح کا سبب نہین ہوسکتین۔	امام شافعی و مالک کے نزدیک انکی وجہ سے فسخ نکاح ہوسکتا ہے۔
۶	اگر کوئی شخص مرض الموت مین طلاق دے اور عدت کے زمانہ مین اُسکا انتقال ہوجاوے تو عورت کو میراث ملیگی۔	امام شافعی کے نزدیک نہین ملیگی۔
۷	طلاق رجعی کی حالت مین وطی حرام نہین ہے یعنی زوجیت کا تعلق ایسی معمولی بیزاری سے منقطع نہین ہوتا۔	امام شافعی کے نزدیک حرام ہے۔ گویا وہ بائنہ ہوچکی۔
۸	رجعت کے لیے اظہار زبانی کی ضرورت نہین ہر فعل جس سے رضامندی ظاہر ہو رجعت کے لیے کافی ہے مطلب یہ کہ آسانی دیجاوے تاکہ رجعت بادنیٰ مسامحت ہوسکے۔	امام شافعی کے نزدیک بغیر اقرار و اظہار کے رجعت ہو ہی نہین سکتی۔
۹	رجعت پر گواہ مقرر کرنے کچھ ضرور نہین ورنہ بعض حالتون مین گواہ نہ مل سکے اور رجعت کی مدت قریب الانقضا ہے تو طلاق بائن ہوجائیگی۔	امام مالک کے نزدیک بغیر استشہاد کے رجعت صحیح نہین ہے۔

نکاح کے فوائد مرتب ہونیکے لیے یہ ایک نہایت ضروری امر ہے کہ فریقین کے حقوق

نہایت فیاضی اور اعتدال کے ساتھ قائم کیے جائین۔ عورتونکو مردونکے ساتھ جن باتوںمین مساوات حاصل ہے وہ باطل نہونے پائے۔ کیونکہ نکاح سے عورت کو اپنے آن درات کی توقع ہونی چاہیئے۔ نہ یہ کہ اُسکے اصلی حقوق مین بھی زوال آئے۔ اسلام کی خاص فیاضی ہے جسکی نظیر اور کسی مذہب مین نہین ملسکتی۔ کہ اسنے معاملہ نکاح مین عورتونکے حقوق نہایت وسعت کے ساتھ قائم کیے ہین۔ امام ابوحنیفہ نے اس اصول کو تمام مسائل مین محفوظ رکھا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان مسائل مین جہان اور ائمہ نے ان سے اختلاف کیا ہے۔ صریح غلطی کی ہے مثلاً خلع کا معاملہ جو طلاق سے مشابہ ہے۔

عورتونکے حقوق۔ اس بات مین تو سب ائمہ متفق ہین کہ جطرح مرد کو طلاق کا حق دیا گیا ہے۔ اسیطرح عورت کو کچھ معاوضہ دیکر خلع کا اختیار ہے۔ لیکن اس امر مین اختلاف ہے کہ اس معاوضہ کی کیا صورت ہے۔ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ اگر عورت کا قصور ہے اور خود اُسکی بدسلوکی تفریق کا سبب ہوئی ہے تو اس مہر کی مقدار کی شوہر کو معاوضہ دینا چاہیئے۔ مرد اگر اس مقدار سے زیادہ معاوضہ کا خواہان ہو تو مکروہ ہے۔ لیکن اگر مرد کی شرارت ہے تو عورت بغیر کسی جرمانہ ادا کرنیکے خلع کی مستحق ہے۔ اور مرد کو خلع کا معاوضہ لینا مکروہ ہے۔ امام شافعی و امام مالک کے نزدیک اولاً مرد جسقدر چاہے معاوضہ لے سکتا ہو۔ اور اُسپر عورت کو مجبور کر سکتا ہے اس سے بڑھ کر یہ کہ گو شرارت اور زیادتی مرد کی ہو تاہم وہ عورت سے معاوضہ لے سکتا ہے اور جسقدر چاہے لے سکتا ہے۔ حالانکہ یہ صریح ناانصافی ہے۔ کہ عورت بیگناہ بھی ہو اور معاوضہ بھی ادا کرے۔

اخیر بحث یہ ہے کہ نکاح کن دستورات کے ساتھ عمل مین آئے۔ اِن رسوم مین صرف دو مقصود پیش نظر ہین۔ اوّل یہ کہ فریقین کی رضامندی محقق ہوجاے۔ دوسرے یہ کہ واقعہ عقد کا اشتہار ہوجاے۔ اِن اغراض کے لحاظ سے امام ابوحنیفہ نے نہایت مناسب قاعدے قرار دیے ہین۔ یعنی یہ کہ فریقین ایسے الفاظ استعمال کرین جنسے ظاہر ہو کہ انہون نے معاملۂ نکاح کو قبول کرلیا ہے اور یہ کہ عقد نکاح دو گواہون کے سامنے عمل مین آئے یہ دونون سادہ اور آسان شرطین ہین جو ہر موقع پر استعمال کیجاسکتی ہین۔ لیکن بعض ائمہ نے بخلاف اسکے اِن شرطون مین ایسی سخت قیدین لگائی ہین جنکی پابندی نہایت مشکل ہے امام شافعی کا مذہب ہے کہ گواہانِ نکاح عادل ہونے چاہئین ورنہ نکاح صحیح نہین۔ عدالت کے جو معنی مجتہدین اور خاصکر امام شافعی نے بیان کیے ہین اُسکے لحاظ سے ہزارون مین ایک آدھ عادل ہوسکتا ہی۔ اسلیے اگر یہ قید ضروری سمجھی جائے تو صحیح نکاح کا وجود ڈھونڈھے سے نہ مل سکے۔ امام شافعی و امام احمد بن حنبل کے نزدیک ضرور ہے کہ گواہ مرد ہون۔ لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک عورتین بھی گواہ ہوسکتی ہین اور یہی قرین عقل بھی ہے امام شافعی نے یہ بھی قید لگائی ہے کہ خاص تزویج کے الفاظ استعمال کیے جائین۔ حالانکہ خاص الفاظ کی پابندی کا کچھہ حاصل نہین۔ جو الفاظ اس مفہوم پر دلالت کرتے ہین۔ مثلاً ہبہ تملیک وغیرہ سب عقد نکاح کے لیے کافی ہین۔

دستورات نکاح

چوتھی خصوصیت ذمیون کے حقوق۔

(۴) ایک بڑی خصوصیت جو حنفی فقہ کو حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اُسنے ذمیون یعنی اُن لوگونکو جو مسلمان نہین ہین لیکن مسلمانونکی حکومت مین مطیعانہ رہتے ہین نہایت فیاضی اور

آزادی سے حقوق بخشے ہین اور یہ وہ خصوصیت ہے جسکی نظیر کسی امام اور مجتہد کے مسائل مین نہین ملتی۔ اگرچہ ذمیون کے حقوق کی حفاظت خود شارع کی ہدایتون مین جابجا موجود ہے لیکن چونکہ وہ عام کلیات ہین۔ اِسکے علاوہ شارع کے بعض اقوال بظاہر اسکے خلاف معلوم ہوتے ہین اسلیے انکی تعبیر و مطالب مین اختلافات پیدا ہوتے ہین تاہم کچھ شبہ نہین کہ جو تعبیر امام ابوحنیفہ نے کی وہی صحیح تعبیر تھی **اسلام** نہایت وسیع دنیا پر حکمران رہا ہے۔ اور اُسکی حدود حکومت مین سیکڑون غیر قومین آباد تھین اور ہین۔ اِسلیے اگر انکے حقوق کی واجبی حفاظت نکیجاوے تو ایک دن بھی امن قائم نہین رہ سکتا۔ امام ابوحنیفہ نے ذمیونکو جو حقوق دیے ہین دنیا مین کسی گورنمنٹ نے کبھی کسی غیر قوم کو نہین دیے۔ **یورپ** جسکو اپنے قانون و انصاف پر بڑا ناز ہے۔ بیشک زبانی دعوی کر سکتا ہے۔ لیکن عملی مثالین نہین پیش کر سکتا حالانکہ امام ابوحنیفہ کے یہ احکام۔ اسلامی گورنمنٹون مین عموماً نافذ تھے۔ اور خاصکر ہارون الرشید کی وسیع حکومت اِنہین احکام پر قائم تھی۔

سب سے بڑا مسئلہ قتل و قصاص کا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ذمیون کا خون مسلمانون کے خون کی برابر ہے یعنی اگر مسلمان۔ ذمی کو عمداً قتل کر ڈالے تو مسلمان بھی اسکے بدلے قتل کیا جائیگا۔ اور اگر غلطی سے قتل کیا ہے تو جو خون بہا مسلمان کے قتل بالخطا سے لازم آتا ہے وہی ذمی کے قتل سے بھی لازم آئیگا۔

تذکرہ۔ امام رازی نے اپنی کتاب مناقب الشافعی مین حنفیونکو طعنہ دیا ہے کہ اُنکے نزدیک ابوبکر صدیقؓ کا خون اور ایک ذلیل ذمی کا خون برابر ہے۔ یعنی" اگر ابوبکر صدیقؓ بجرم

کسی ذمی کو قتل کر ڈالتے تو حنفیون کے نزدیک وہ بھی قتل کیے جانیکے مستحق تھے"

حنفیون نے اِس مسئلہ کی تعمیم مین کہین یہ مثال نہین دی ہے۔ امام رازی نے اس غرض سے کہ وہ اِس مسئلہ کو بدنما کر کے دکھائین خود یہ مثال فرض کی ہی۔ لیکن ہم فخر کے ساتھ اس طعنہ کو قبول کرتے ہین۔ بے شبہہ انصاف اور حق کی حکومت مین شاہ و گدا مقبول و مردود کا ایک رتبہ ہے۔ بے شبہہ یہ اسلام کی بڑی فیاضی ہے کہ اُسنے اپنی رعایا کو اپنی برابر سمجھا۔ اسلام کو اس انصاف پر ناز ہو سکتا ہی اگر امام رازی کو عار آتی ہے تو آئے۔

خود صحابہ کا کیا قول اور کیا عمل تھا؟ حضرت علیؓ کا قول ہے من کانت له ذمتنا فدمه کدمنا و دیته کدیتنا "یعنی ذمی کا خون ہمارا خون ہے اور اُسکی دیت ہماری دیت ہے" حضرت علیؓ پر موقوف نہین تمام مہاجرین و انصار کا یہی قول تھا اور اسی پر عمل تھا عبید اللہ جو حضرت عمر فاروقؓ کے فرزند تھے۔ اُنھون نے حضرت عمرؓ کے زخمی ہونیکے وقت دو شخصون کو جو کافر تھے اور جن پر اُنکو شبہہ تھا قتل کر ڈالا۔ جب حضرت عثمان مسند خلافت پر بیٹھے تو اُنھون نے مہاجرین و انصار کو بلایا اور اس بارہ مین راے پوچھی۔ تمام مہاجرین نے بالاتفاق کہا کہ عبید اللہ کو قتل کرنا چاہیے۔

امام ابوحنیفہ نے ذمیون کے لیے اور جو قواعد مقرر کیے وہ نہایت فیاضانہ قواعد ہین۔ وہ تجارت مین مسلمانون کی طرح آزاد ہین۔ ہر قسم کی تجارت کر سکتے ہین۔ اور اُن سے اسی شرح سے ٹیکس لیا جائیگا جسطرح مسلمانون سے لیا جاتا ہے جزیہ۔ جو اُنکی محافظت کا ٹیکس ہی اُسکی شرح حسب حیثیت قائم کیجائیگی مفلس شخص جزیہ سے بالکل معاف ہے۔ اگر کوئی شخص جزیہ

کا باقیدار ہو کر مرجاوے تو جزیہ ساقط ہوجاوے گا۔ ذمیون کے معاملات اُنہیں کی شریعت کے موافق فیصل کیے جائینگے۔ یہانتک کہ مثلاً اگر کسی مجوسی نے اپنی بیٹی سے نکاح کیا تو اسلامی گورنمنٹ اس نکاح کو اُسکی شریعت کے موافق صحیح تسلیم کریگی۔ ذمیون کی شہادت اُنکے باہمی مقدمات مین مقبول ہوگی۔ ذمیون کی امتیازی حالت یہ ہے کہ وہ حرم محترم مین جاسکتے ہین۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ مین آباد ہوسکتے ہین۔ تمام مسجدون مین بغیر اجازت حاصل کرنے کے داخل ہوسکتے ہین۔ بجز اُن خاص شہرون کے جو مسلمانون نے آباد کیے ہین ہرجگہ وہ اپنی عبادت گاہ بناسکتے ہین۔ وہ اگر حربی کافرون کے مقابلہ مین مسلمانون کا ساتھ دینا چاہین تو سپہ سالار اُن پر اعتماد کرسکتا ہے۔ اور ان سے ہر طرح کی اعانت لے سکتا ہے۔

اس قسم کے اور احکام ہین جنسے ظاہر ہوتا ہے کہ **امام ابو حنیفہ** نے عموماً تمام معاملات مین ذمیونکے حقوق مسلمانونکے برابر قرار دیے ہین۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ بعض امور مین تو انہون نے اعتدال سے زیادہ فیاضی کی ہے۔ مثلاً اس امر مین کہ ذمی کس حالت مین عہد سے باہر ہوجاتا ہے۔ اُن کا مذہب ہے کہ بجز اس حالت کے کہ اُنکے پاس جمعیت ہو اور وہ گورنمنٹ سے مقابلہ پیش آئین۔ اور کسی صورت مین اُنکے حقوق باطل نہین ہوتے۔ مثلاً اگر کوئی ذمی جزیہ نہ ادا کرے۔ یا مسلمان عورت کے ساتھ زنا کا مرتکب ہو۔ یا کافرون کی جاسوسی کرے یا کسی مسلمان کو کفر کی ترغیب دے۔ یا خدا اور رسول صلعم کی شان مین بے ادبی کرے۔ تو ان تمام حالتون مین وہ سزا کا مستحق ہوگا لیکن باغی نہ سمجھا جائیگا اور اسکے حقوق باطل نہونگے۔

اب اسکے مقابلہ مین اور ائمہ کے مسائل دیکھو امام شافعی کے نزدیک کسی مسلمان نے گو بیجرم اور عمداً کسی ذمی کو قتل کیا ہو تاہم وہ قصاص سے بری رہیگا صرف دیت دینی ہوگی یعنی مالی معاوضہ ادا کرنا ہوگا وہ بھی مسلمان کی دیت کی ایک ثلث - اور امام مالک کے نزدیک نصف - تجارت مین یہ سختی ہے - کہ ذمی اگر تجارت کا مال ایک شہر سے دوسرے شہر کو لیجاوے تو سال مین جتنی بار لیجاوے ہر بار اُس سے نیا ٹکس لیا جائیگا -

جزیہ کے متعلق امام شافعی کا مذہب ہے کہ اگر ایسی حال مین ایک اشرفی سے کم نہین ہوسکتا اور بوڑھے - اندھے - اپاہج - مفلس - تارک الدنیا - تک اُس سے معاف نہین بلکہ امام شافعی سے ایک اور روایت ہی کہ جو شخص مفلس ہونے کی وجہ سے جزیہ نہین ادا کرسکتا وہ اسلام کی عملداری مین نرہنے پاوے - خراج جو اُن پر حضرت عمر کے زمانہ مین مقرر کیا گیا تھا اُسپر اضافہ ہوسکتا ہی مگر کسی صورت مین کمی نہین ہوسکتی - ذمیونکی شہادت گو فریقین مقدمہ ذمی ہون کسی حال مین مقبول نہین - اس مسئلہ مین امام مالک و امام شافعی دونون متفق الرائے ہین - ذمی کبھی حرم مین نہین داخل ہوسکتا - اور نہ وہ مکہ اور مدینہ منورہ مین آباد ہوسکتا ہے - امام شافعی کے نزدیک عام مسجدون مین اجازت کے ساتھ داخل ہوسکتا ہے - لیکن امام مالک اور امام حنبل کے نزدیک اُسکو بالکل اجازت نہین ملسکتی - ذمی - اسلامی حدود حکومت مین کہین اپنی عبادت گاہ نہین بناسکتا ہی - ذمیون پر اعتبار نہین کیا جاسکتا اور وہ اسلامی فوج مین شریک نہین ہوسکتے - ذمی اگر کسی مسلمان کو قصداً قتل کرڈالے یا کسی مسلمان عورت کے ساتھ زنا کا مرتکب ہو تو اُسیوقت اُسکے تمام حقوق باطل ہوجاوینگے - اور وہ کافر حربی سمجھا جائیگا - یہ احکام

بھی عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ خاص ہیں ورنہ امام شافعی کے نزدیک بت پرستوں کو جزیہ ادا کرنے پر بھی اسلامی حدوں میں رہنے کی اجازت نہیں۔

یہ تمام احکام ایسے سخت ہیں جنکا تحمل ایک ضعیف سے ضعیف محکوم قوم بھی نہیں کر سکتی۔ اور یہی وجہ ہے کہ امام شافعی وغیرہ کا مذہب سلطنت کے ساتھ نہ نبہ سکا مصر میں نے شبہہ ایک مدت تک گورنمنٹ کا مذہب شافعی تھا۔ لیکن اُسکا یہ نتیجہ تھا کہ عیسائی اور یہودی قومیں اکثر بغاوت کرتی رہیں۔

اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضرور ہے کہ فقہ حنفی کی کتابوں میں ذمیوں کے متعلق چند ایسے احکام بھی مذکور ہیں جو نہایت سختی اور تنگدلی پر مبنی ہیں اور چونکہ وہ اس طریقے سے ظاہر کیے گئے ہیں کہ گویا وہ خاص امام ابوحنیفہ کے مسائل ہیں اس لیے غیر قوموں کو مذہب حنفی پر بلکہ عموماً مذہب اسلام پر حملہ کرنے کا موقع ملا ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ "ذمیوں کو ضرور ہے کہ وہ وضع اور لباس میں مسلمانوں کی ہمسری نکریں۔ وہ گھوڑوں پر سوار نہوں۔ ہتھیار نہ لگائیں۔ زنار پہنیں۔ اُنکے گھروں پر علامت بنا دی جاوے جس سے ظاہر ہو کہ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں" وغیرہ وغیرہ۔ صاحب ہدایہ نے ان احکام کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ذمیوں کی تحقیر ضروری ہے۔ فتاوی عالمگیری میں اس سے بھی زیادہ سخت احکام ہیں۔ لیکن یہ جو کچھ ہے متاخرین فقہا کی ایجاد ہے ورنہ امام ابوحنیفہ کا دامن اس داغ سے پاک ہے۔

امام ابوحنیفہ سے جو کچھ اس باب میں مروی ہے وہ صرف اسقدر ہے[1] کہ ذمی زنار باندھیں

---

(1) دیکھو جامع صغیر امام محمد ۱۲

اور ایسے زین پر سوار ہون جنکی شکل ہتیلی کی سی ہوتی ہے۔ البتہ قاضی ابو یوسف صاحب[۱] نے بعض اور احکام اسپر بڑہائے ہین اور وہ یہ ہین کہ ذمی مسلمانون کے ساتھ وضع قطع۔ لباس سواری مین مشابہت نہ اختیار کرین۔ اور لمبی ٹوپیان اوڑہین۔ اور اُنکے زین کے آگے گول لکڑی ہو اور اُنکی جوتیون کے تسمے دوہرے ہون۔ اور اُنکی عورتین کجاون پر نہ سوار ہون۔ قاضی صاحب نے یہ بھی لکہا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ذمیون کے بارہ مین یہی احکام صادر کیے تھے۔ اور اُسکی وجہ خود حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ذمیون کی وضع مسلمانون کی وضع سے الگ رہے۔

بلا شبہہ یہ حضرت عمرؓ کے احکام ہین لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہ احکام ذمیونکی تحقیر کی وجہ سے صادر ہوئے تھے سخت غلطی ہے۔ اگرچہ افسوس ہے کہ اس غلطی کا ارتکاب اکثر متاخرین فقہا نے کیا۔ بے شبہہ حضرت عمرؓ کا ایک طبعی مذاق تھا کہ وہ قومی امتیاز کو پسند کرتے تھے۔ اُنہون نے اہل فوج کو اکثر فرمانون مین لکہا ہے کہ وہ جاڑون مین دھوپ کھانا نہ چھوڑین گھوڑون پر رکاب کے سہارے سے سوار نہون۔ موٹے کپڑے استعمال کرین۔ جس سے مقصد یہ تھا کہ اہل عرب اپنے ملک اور وطن کی خصوصیتون کو محفوظ رکھین۔ اسی بنا پر اُنہون نے اہل عجم کو جنہون نے اسلام قبول نہین کیا تھا تاکید کی کہ وہ اپنی قومی خصوصیتون کو ضائع نہونے دین۔ اہل عجم زمانہ اسلام سے پہلے زنّار باندہتے تھے۔ لمبی[۲] ٹوپیان اوڑہتے تھے۔

[۱] قاضی ابو یوسف صاحب نے یہ احکام کتاب الخراج مین لکھے ہین ۱۲ [۲] خلیفہ منصور نے اپنے درباریونکو اسی قسم کی ٹوپیون کے اوڑہنے پر مجبور کیا تھا۔ جسکی نسبت مورخین لکھتے ہین کہ منصور نے عجم کی تقلید کی۔

اُنکے زین۔ آجکل کے انگریزی زینون کے مشابہ ہوتے تھے۔ انکی عورتین اونٹون پر نہین سوار ہوتی تھین۔ چنانچہ انہین رسوم و عادات کی نسبت حضرت عمر نے حکم دیا کہ اہل ذمہ اُسکی پابندی کرین۔ یہی احکام امام ابوحنیفہ اور قاضی ابویوسف نے قائم رکھے جن کا مقصد صرف اسقدر ہے کہ دونون قومین اپنی خصوصیات پر قائم رہین۔

البتہ امام ابوحنیفہ نے یہ حکم دیا ہے کہ اہل ذمہ اسلامی شہرون مین اپنی عبادتگاہین نہ بنائین۔ لیکن اُنکا مقصد صرف اسقدر تھا کہ امن و امان مین خلل نہو۔ اور مسلمان رعایا جو اکثر عرب کی نسل سے تھی اور ناقوس کی صداؤن سے اُنکے کان آشنا نہ تھے فساد پر نہ آمادہ ہون۔ اس حکم نے ذمیون کے حق مین چندان دقت بھی نہین پیدا کی۔ مسلمانون نے جو شہر آباد کیے وہ دو چار شہر سے زیادہ نہ تھے باقی تمام ملک اُنہین شہرون سے معمور تھا جو غیر قومون کے آباد کیے ہوئے تھے۔ اور جہان ذمیونکو عموماً عبادتگاہونکے بنانے کی اجازت تھی۔ اسلامی شہرون مین بھی یہ قید اُسوقت تک قائم رہی جب تک فتنہ کا احتمال رہا۔ جب یہ خوف جاتا رہا تو ذمیونکو عام اجازت ملگئی۔ چنانچہ بغداد مین جو خاص اسلامی شہر تھا۔ سیکڑون ہزارون چرچ اور گرجے تعمیر ہوئے۔

پانچوین خصوصیت فقہ حنفی کا نصوص شرعی کے موافق ہونا

(۵) ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جو احکام نصوص سے ماخوذ ہین اور جنمین ائمہ کا اختلاف ہے۔ اُنہین امام ابوحنیفہ جو پہلو اختیار کرتے ہین وہ عموماً نہایت قوی اور مدلل ہوتا ہے۔

نص۔ کا لفظ قرآن۔ حدیث۔ دونون پر اطلاق کیا جاتا ہے اور اس لحاظ سے وہ احکام بھی نصی کہے جاتے ہین۔ جو قرآن سے نہین بلکہ صرف حدیث سے ثابت ہین لیکن اس

موقع پر ہم اُن سے بحث نہین کر سکتے اور اسکی مختلف وجوہ ہین۔ اول تو یہ کہ اس قسم کے مسائل نہایت کثرت سے ہین جنکا مختصر سے مختصر حصّہ بھی اس کتاب مین آ نہین سکتا۔ اگر چند مسائل نمونہ کے طور پر بیان کیے جائین تو بیگانون کو اس سوءظن کا موقع باقی رہتا ہے کہ چند قوی مسائل لے لیے اور ضعیف چھوڑ دیے۔ دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ آج ان مسائل کا فیصلہ مجتہدانہ نہین ہو سکتا۔ حدیث کے متعلق بہت بڑی بحث صحت و عدم صحت کی پیدا ہوتی ہی اور یہی وہ چیز ہے جس نے مسائل فقہ مین ائمہ کو مختلف الآرا کر دیا ہے۔ ایک امام کے نزدیک ایک حدیث قابل حجت ہے۔ اور دوسرے کے نزدیک نہین۔ اس بحث کے تصفیہ کیلیے جو سامان ہمارے ملک مین موجود ہے وہ بالکل ناکافی ہے۔ اور اُس سے کسی حدیث کی نسبت مجتہدانہ فیصلہ نہین کیا جاسکتا۔ بڑا مرحلہ اسماء الرجال کا ہے۔ اس فن کی جو کتابین ہمارے ملک مین موجود ہین مثلاً تہذیب الکمال مزی۔ تہذیب التہذیب۔ میزان الاعتدال۔ طبقات الحفاظ۔ تہذیب الاسماء واللغات۔ وغیرہ۔ انمین جرح و تعدیل کے متعلق ائمہ کے جو اقوال مذکور ہین اکثر اُنکا سلسلہ سند مذکور نہین۔ اسلیے محدثانہ حیثیت سے اُسکے ثبوت و عدم ثبوت کا تصفیہ نہین ہو سکتا۔ اسکے علاوہ اکثر جرح مبہم ہین اور جن جرحونکو مفسر قرار دیا ہی وہ بھی ابہام سے خالی نہین۔ قدما نے اس فن مین جو تصنیفات لکھین اُن سے نئے شبہہ مباحث طے ہو سکتے ہین۔ لیکن وہ یہان میسر نہین آتین علماے حنفیہ نے خاص اس بحث پر کہ حنفی فقہ کے مسائل احادیث صحیحہ سے ثابت ہین۔ بہت سی کتابین لکھی ہین جسکو زیادہ شوق ہو اُن تصنیفات کیطرف رجوع کر سکتا ہے۔

لیکن قرآن مجید مین اس بحث کا بڑا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے۔ کیونکہ قرآن کے ثبوت مین کسیکو کلام نہین ہوسکتا۔ اسلیے نزاع کا مدار صرف اسپر رہجاتا ہی کہ جو مسئلہ اُس سے مستنبط کیا گیا صحیح طور پر کیا گیا یا نہین۔ اس حالت مین بحث مختصر رہجاتی ہی اور نہایت آسانی سے اُسکا تصفیہ ہوجاتا ہی۔ قرآن مجید سے جو احکام ثابت ہین اُنکی تعداد بھی کچھ کم نہین ہی اور وہ فقہ کے مہات مسائل ہین۔ اسلیے اگر یہ ثابت ہو کہ حنفی فقہ کے مسائل نصوص قرآن سے زیادہ مطابق ہین۔ تو مہات مسائل مین **فقہ حنفی** کی ترجیح بآسانی ثابت ہوجائیگی۔ اسکے ساتھ یہ بھی ثابت ہوجائیگا کہ امام ابوحنیفہ کو حیثیت اجتہاد مین تمام ائمہ پر ترجیح ہے۔ کیونکہ اجتہاد کا مدار زیادہ تر استنباط اور استخراج ہی پر ہے۔

بدگمانی کی تردید فقہ حنفی کے قائل حدیث کے مخالف ہین۔

ان وجوہ کی بناپر۔ اگرچہ ہم صرف اُن مسائل پر اکتفا کرتے ہین جو قرآن سے ثابت ہین تاہم حدیث کے متعلق ایک اجمالی بحث ضرور ہے جس سے بدگمانونکو سوءظن کا موقع نہو۔ بعض لوگونکا خیال ہے کہ امام صاحب کے بہت سے مسائل احادیث صحیحہ کے مخالف ہین۔ ان لوگون مین سے بعض نے الزام دیا ہے کہ امام صاحب نے دانستہ حدیث کی مخالفت کی۔ بعض انصاف پسند وجہ یہ بتاتے ہین کہ امام صاحب کے زمانہ تک احادیث کا استقصا نہین کیا گیا تھا۔ اسلیے بہت سی حدیثین انکو نہین پہنچین لیکن یہ خیال محض لغو اور بے سروپا ہے امام صاحب کے زمانہ تک تو حدیثین جمع نہین ہوئی تھین لیکن جب جمع ہوچکین اُسوقت بڑے بڑے محدثین اُنکے مسائل کو کیون صحیح تسلیم کرتے رہے **وکیع بن الجراح** جنکی روایتین صحیح بخاری مین بکثرت موجود ہین۔ اور جنکی نسبت امام احمد بن حنبل کہا کرتے تھے کہ مین نے اُنسے بڑھکر

کسیکو حافظ العلم نہین دیکھا - وہ امام ابوحنیفہ کے مسائل کی تقلید کرتے تھے خطیب بغدادی نے اُنکے حال مین لکھا ہو کان یفتی بقول ابی حنیفۃ[۱] یحیی بن سعید بن القطان جو فن جرح وتعدیل کے موجد ہین - اکثر مسائل مین امام ابوحنیفہ کے پیرو تھے - خود اُنکا قول ہی قد اخذنا باکثر اقوالہ[۲] امام طحاوی جو حافظ الحدیث تھے اور مجتہد فی المذہب کا درجہ رکھتے تھے پہلے شافعی تھے - پھر امام ابوحنیفہ کے مسائل اختیار کیے اور کہا کرتے تھے کہ مین ابوحنیفہ کا مقلد نہین ہون - بلکہ اُن سے مجھکو توارد ہے - طحاوی - امام بخاری ومسلم کے ہمزمان ہین اور یہ وہ زمانہ ہے جب حدیث کا دفتر کامل طور سے مرتب ہو گیا تھا - متاخرین مین علامہ ماردینی - حافظ زیلعی ابن الہمام - قاسم بن قطلوبغا - وغیرہم کی نسبت قلت نظر کا کون گمان کرسکتا ہے ؟ یہ لوگ عموماً حنفی مسائل کے حامی ہین -

اسکے علاوہ جو لوگ عموماً حافظ الحدیث تسلیم کیے گئے ہین اُنکے مسائل امام ابوحنیفہ سے کیون موافق ہین ؟ طبقہ اولی مین سب سے بڑے محدث امام احمد حنبل ہین جنکی شاگردی پر بخاری ومسلم کو ناز تھا اور جنکی نسبت محدثین کا عام قول ہے کہ "جس حدیث کو احمد حنبل نہین جانتے وہ حدیث ہی نہین" امام احمد حنبل بہت سے مسائل مین امام شافعی کے مخالف اور امام ابوحنیفہ کے موافق ہین - خوارزمی نے لکھا ہے کہ "فروع وجزئیات چھوڑ کر امہات فقہ کے متعلق ایک سو چھبیس مسئلو نمین اُنکو امام ابوحنیفہ کے ساتھ اتفاق ہے - اور امام شافعی سے اختلاف" ہمنے خود بہت سے مسائل مین تطبیق کی ہے جس سے خوارزمی کے دعوی کی تائید ہوتی ہی -

[۱] مختصر تاریخ بغداد لابن جزلہ ترجمہ وکیع بن الجراح ۱۲ [۲] تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر ترجمہ امام ابوحنیفہ ۱۲ -

سفیان ثوری کو محدثین نے امام الحدیث تسلیم کیا ہے۔ انکے مسائل عموماً امام ابوحنیفہ کے مسائل کے موافق ہین۔ قاضی ابویوسف کہا کرتے تھے کہ واللہ سفیان اکثر متابعۃ منی لابی حنیفۃ یعنی "خدا کی قسم سفیان مجھ سے زیادہ ابوحنیفہ کی پیروی کرتے ہین"۔ صحیح ترمذی مین سفیان ثوری کے مسائل مذکور ہین جو زیادہ تر شافعی کے مخالف اور ابوحنیفہ کے موافق ہین۔

اس خیال کے پیدا ہونے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ بعض محدثین مثلاً امام بخاری۔ ابن ابی شیبہ نے امام ابوحنیفہ کے متعدد مسائل کی نسبت تصریح کی ہے کہ حدیث کے خلاف ہین **ابن ابی شیبہ** نے امام ابوحنیفہ کے رد مین ایک مستقل باب لکھا ہے لیکن یہ خیال کرنیوالونکی کوتاہ نظری ہے اکثر امامون نے ایک دوسرے پر جرح و اعتراض کیا ہے۔ امام شافعی۔ امام مالک کے باخلاص شاگرد تھے اور کہا کرتے تھے کہ آسمان کے نیچے موطا امام مالک سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہین۔ باوجود اسکے انہون نے **امام مالک** کی رد مین ایک مستقل رسالہ لکھا جس مین دعوی کیا ہے کہ امام مالک کے بہت سے مسائل۔ احادیث صحیحہ کے خلاف ہین۔ امام رازی نے مناقب الشافعی مین اس رسالہ کا دیباچہ نقل کیا ہے اور خود ہماری نظر سے گذرا ہے لیث بن سعد جو مشہور محدث ہین کہا کرتے تھے کہ امام مالک نے ستر مسئلہ مین۔ حدیث کی مخالفت کی۔ چنانچہ میرا ارادہ ہے کہ مین انکو اس امر کی نسبت خط لکھون[1]۔ امام شافعی بھی اس اعتراض سے نہین بچے اور کیونکر بچ سکتے تھے۔ جہر بسم اللہ۔ وقنوت فی الفجر۔ وترک توریث ذوی الارحام۔

[1] اس قول کو حافظ ابوالمحاسن نے قلائد العقیان مین نقل کیا ہے ۱۲

وغیرہ مسائل ہین اُن کا مذہب صریح حدیثون کے مخالف معلوم ہوتا ہی۔ لیکن حقیقت یہ ہی کہ یہ اجتہادی امور ہین۔ اور ان کی بنا پر ہم کسیکو مخالف حدیث نہین کہہ سکتے جس حدیث کو ایک مجتہد صحیح سمجھتا ہے ضرور نہین کہ وہ دوسرے مجتہد کے نزدیک بھی صحیح ہو۔

پھر اس مرحلہ کے طے ہونے کے بعد۔ استنباط و استدلال کی بحث باقی رہتی ہی جسمین مجتہدین بہت کم متفق الراے ہو سکتے ہین۔ کیونکہ استنباط و استدلال کے اصول جدا گانہ ہین

امام بخاری کا جزء القراءۃ ہمنے دیکھا ہے۔ جامع صحیح بین۔ جہان وہ امام ابوحنیفہ کیطرف اشارہ کرتے ہین۔ اُس سے بھی ہم واقف ہین۔ نے شبہہ ان مسئلون مین امام بخاری کا دعوی ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب حدیث کے مخالف ہے۔ لیکن امام بخاری کی تحریر اور امام ابوحنیفہ کا فتوی۔ دونون ہمارے سامنے ہین اور ہم خود سمجھ سکتے ہین کہ اُن مسائل مین امام صاحب کا مذہب حدیث کے مخالف ہے۔ یا امام بخاری کی فہم و اجتہاد کے مخالف ہے

قرأت فاتحہ کے مسئلہ مین امام ابوحنیفہ کا استدلال اس آیت پر ہی واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا۔ امام بخاری جزء القراءۃ مین فرماتے ہین کہ یہ آیت خطبہ کے بارہ مین اُتری ہے یعنی نماز سے اُسکو تعلق نہین۔ امام بخاری کا یہ جواب کسقدر حیرت انگیز ہے۔ اگر رسالہ جزء القراءۃ خود ہماری نظر سے نہ گزرا ہوتا تو ہمکو مشکل سے یقین آتا کہ واقعی یہ امام بخاری کا قول ہی۔ اول تو بیسیون روایتون سے ثابت ہے کہ یہ آیت نماز مین اُتری ہی لیکن اگر ہم اُن ہی کے قول کو تسلیم کرین تو یہ کون نہین جانتا کہ موقع ورود کے خاص ہونے سے آیت کا حکم جو صریحی عام ہے۔ خاص نہین ہو سکتا۔

امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ امام و مقتدی کو آمین آہستہ کہنی چاہئیے۔ امام بخاری برخلاف اسکے جہر کے قائل ہین اور دلیل یہ لاتے ہین کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔ لیکن اس حدیث مین جہر کا کہان ذکر ہے۔ اور مطلق آمین کہنے سے تو امام ابوحنیفہ کو بھی انکار نہین۔ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ نبیذ تمر سے بشرطیکہ مسکر نہو۔ وضو جائز ہے۔ امام بخاری اسکے خلاف ترجمۃ الباب باندہتے ہین اور حدیث نقل کرتے ہین کہ کل ما اسکر حرام۔

امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ مقتدی کیلیے قرأت فاتحہ ضروری نہین۔ امام بخاری وجوب کے مدعی ہین اور جامع صحیح مین باب باندہا ہے کہ "امام و مقتدی پر ہر نماز مین خواہ سفر مین ہو یا حضر مین۔ نماز خواہ جہری ہو یا سری۔ قرأت واجب ہے" اس دعوی پر دو حدیثین پیش کی ہین یہ کہ کوفہ والون نے حضرت عمر کے پاس سعد بن ابی وقاص کی شکایت کی حضرت عمر نے انکو معزول کر دیا۔ اور بجاے انکے عمار کو مقرر کیا۔ کوفہ والون کو شکایت یہ تھی کہ سعد کو نماز پڑہنی بھی نہین آتی۔ حضرت عمر نے انکو بلا بھیجا اور ان سے کہا کہ ان لوگونکا یہ گمان ہے۔ سعد نے کہا واللہ مین انکے ساتھ رسول اللہ کی سی نماز پڑہتا تھا اور اس سے کچھ کم نہین کرتا تھا مین عشا کی نماز پڑہتا تھا تو پہلی دو رکعتون مین دیر تک قیام کرتا تھا اور دو اخیر کی رکعتون مین تخفیف کرتا تھا"

اس حدیث سے قرأت فاتحہ کا وجوب کیونکر ثابت ہوا۔ حافظ ابن حجر وغیرہ نے جو تاویلین کی ہین ان سے اگر بہزار دقت۔ وجوب پر استدلال بھی ہو تو کیا اسکی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے حدیث کی مخالفت کی۔ !!

حقیقت یہ ہے کہ کسی مجتہد کی نسبت یہ خیال کرنا کہ اسکو احکام کے متعلق حدیثین نہین پہنچین

سخت غلطی ہے لیکن چونکہ حدیثوں کا معیار صحت ۔ وجوہ استنباط ۔ طرقِ استدلال تمام مجتہدین کے نزدیک متحد نہیں ۔ اسلیے مسائل مین اختلاف کا پیدا ہونا ضرور تھا ۔

اب ہم اس ضمنی بحث کو چھوڑکر اصل مقصد کیطرف رجوع کرتے ہین ۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ قرآن مجید کی تمام آیتین جن سے کوئی مسئلہ فقہی مستنبط کیا گیا ہے اُنکے وہی معنی صحیح اور واجب العمل ہین جو امام ابوحنیفہ نے قرار دیے ہین ۔ قرآن مجید مین احکام کی آیتین سو سے متجاوز ہین اسلیے ہم اُنکا استقصا تو نہین کر سکتے ۔ البتہ مثال کے طور پر متعدد مسائل کا ذکر کرتے ہین جن سے ایک عام اجمالی خیال قائم ہو سکتا ہے ۔

باب الطہارت

فرائض وضو

امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ وضو مین چار فرض ہین ۔ امام شافعی دو فرض اور اضافہ کرتے ہین یعنی نیت اور ترتیب ۔ امام مالک بجاے اسکے موالاۃ کو فرض کہتے ہین ۔ امام احمد حنبل کا مذہب ہے کہ وضو کے وقت بسم اللہ کہنا ضرور ہے ۔ اور اگر قصداً نہ کہا تو وضو باطل ہے ۔ امام صاحب کا استدلال ہے کہ آیت مین صرف چار حکم مذکور ہین ۔ اسلیے جو چیز ان احکام کے علاوہ ہے وہ فرض نہین ہو سکتی ۔ نیت و موالاۃ و تسمیہ کا تو آیت مین کہین وجود نہین ۔ ترتیب کا گمان البتہ واو کے حرف سے پیدا ہوتا ہے ۔ لیکن علماے عربیت نے متفقاً طے کر دیا ہے کہ واو کے مفہوم مین ترتیب داخل نہین ۔

امام رازی نے تفسیر کبیر مین ترتیب کی فرضیت کے لیے متعدد دلیلین پیش کی ہین ۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ انکا رتبہ تاویل سے بڑھکر نہین ۔ بڑا استدلال یہ ہے کہ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ مین حرف فا تعقیب کے لیے ہے ۔ جس سے اسقدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ منھ کا

پہلے دھونا فرض ہے۔ اور جب ایک رکن مین ترتیب ثابت ہوئی تو باقی ارکان مین بھی ہونی چاہیے۔ دوسری دلیل یہ لکھی ہے کہ وضو کا حکم خلافِ عقل حکم ہے۔ اسلیے اسکی تعمیل بھی اسی ترتیب سے فرض ہونی چاہیے جسطرح آیت مین مذکور ہے۔ کیونکہ وضو کا حکم جسطرح خلافِ عقل ہے۔ ترتیب بھی خلافِ عقل ہے۔ امام رازی کی یہ دلیلین جس پایہ کی ہین خود ظاہر ہین انپر رد و قدح کی ضرورت نہین۔

۳ عورت کے چھونے سے وضو نہین ٹوٹتا

امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ عورت کے چھونے سے وضو نہین ٹوٹتا۔ امام شافعی اسکے مخالف ہین اور استدلال مین یہ آیت پیش کرتے ہین وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ[1] اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا یعنی "اگر تم بیمار ہو۔ یا سفر مین ہو۔ یا تم مین سے کوئی شخص غایط[1] سے آئے یا تمنے عورت کو چھوا ہو اور تمکو پانی نہ ملے تو تم تیمم کرو"

امام صاحب فرماتے ہین کہ عورت کے چھونے سے جماع و مقاربت مراد ہے اور یہ قرآن مجید کا عام طرز ہے کہ ایسے امور کو صریحاً تعبیر نہین کرتا۔ لطف یہ ہے کہ اسی لفظ کا ہم معنی لفظ "مس" جسکے معنی چھونے کے ہین۔ خدا نے اس آیت مین مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ جماع کے معنی مین استعمال کیا ہے اور خود امام شافعی تسلیم کرتے ہین کہ وہان جماع ہی مقصود ہے حقیقت یہ ہے کہ اس آیت مین ملامستہ کے ظاہری معنی لینے ایسی غلطی ہے جو ہرگز اہل زبان سے نہین ہوسکتی۔ اسی آیت مین غائط کا لفظ بھی تو ہے۔ اسکو تمام مجتہدین کنایہ

---

[1] غایط کے معنے نشیب زمین کے ہین۔ لیکن اس سے جاے ضرور یعنی پاخانہ مراد ہے۔ ۱۲

قرار دیتے ہین - ورنہ ظاہری معنی لیے جائین تو لازم آئے کہ جو شخص سہوار زمین سے ہو آئے اُسپر وضو کرنا واجب ہو۔

میری راے مین امام شافعی کا اگرچہ یہ مذہب ہے کہ عورت کے چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہی لیکن اُن کا استدلال اس آیت پر نہین ہے وہ حدیث سے استناد کرتے ہونگے۔ غالباً اُنکے بعد اُنکے مقلدون نے حنفیہ کے مقابلہ کے لیے آیت سے استدلال کیا اور اُسکو امام شافعی کی طرف منسوب کر دیا۔

۳ ایک تیمم سے کئی فرض ادا ہو سکتے ہین۔

امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ ایک تیمم سے کئی فرض ادا ہو سکتے ہین - امام مالک و شافعی کی راے ہے کہ ہر فرض کے لیے نیا تیمم کرنا چاہیے - امام صاحب کا استدلال ہے کہ جو حیثیت وضو کے حکم کی ہے وہی تیمم کی ہے - اور جب ہر نماز کیلیئے نئے وضو کی ضرورت نہین تو تیمم کی تجدید کی بھی ضرورت نہین - البتہ جن لوگونکا مذہب ہے کہ ایک وضو سے کئی نمازین نہین ادا ہو سکتین وہ تیمم کی نسبت بھی یہ حکم لگا سکتے ہین - لیکن وضو و تیمم مین تفریق کرنی - جیسا کہ امام شافعی وغیرہ نے کی محض بے وجہ ہے -

۴ تیمم کا اثناے نماز مین پانی پر قادر ہونا

امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ اثناے نماز مین متیمم کو اگر پانی ملجاے تو تیمم جاتا رہے گا امام مالک و احمد حنبل اسکے مخالف ہین - امام صاحب کا استدلال یہ ہے کہ قرآن مین تیمم کا جواز اس قید کے ساتھ مشروط ہے کہ لَمْ تَجِدُوْا مَاءً یعنی جب پانی نہ ملے - صورت مذکورہ مین جب شرط باقی نہین رہی تو مشروط بھی باقی نہین رہا -

۵ باب الصلوٰۃ تکبیر تحریمہ جزو نماز نہین

امام صاحب کا قول ہے کہ تکبیر تحریمہ جزو نماز نہین اور فارسی زبان مین تکبیر کہنا درست ہے

امام شافعی وغیرہ مخالف ہین۔ امام صاحب کا استدلال ہے کہ جس آیت سے تکبیر کی فرضیت ثابت کیگئی ہے یعنی وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی اُسمین زبان کی کوئی خصوصیت نہین۔ اور چونکہ فَصَلّٰی پر فاء تعقیب داخل ہے اسلیے نماز کا وجود تکبیر سے موخر ہونا ضرور ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تکبیر گو فرض ہے۔ لیکن نماز مین داخل نہین۔ اور جزو نماز نہین۔

مقتدی کو قرأت فاتحہ ضروری نہین

امام صاحب کا مذہب ہے کہ مقتدی کو قرأت فاتحہ ضروری نہین۔ امام شافعی و امام بخاری وجوب کے قائل ہین۔ امام صاحب اس آیت سے استدلال کرتے ہین۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا یعنی جب قرآن پڑھا جاے تو سنو اور چپکے رہو" اگرچہ اس آیت سے سِرّی نمازون مین بھی ترک قرأۃ کا حکم ثابت ہوتا ہے لیکن خاصکر جہری نماز کے لیے تو وہ نص قاطع ہے جسکی کوئی تاویل نہین ہوسکتی۔ تعجب ہے کہ شافعیہ نے ایسے صاف اور صریح آیت کے مقابلہ مین حدیثون سے استدلال کیا ہے۔ حالانکہ حدیثین جو اس باب مین وارد ہین خود متعارض ہین۔ جس درجہ کی وجوب قرأت کی حدیثین موجود ہین۔ اسی درجہ کی ترک قرأت کی بھی ہین۔

امام بخاری نے اس بحث مین ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور کوشش کی ہے کہ آیت کے استدلال کا جواب دین۔ لیکن جواب ایسا دیا ہے جسکو دیکھکر تعجب ہوتا ہے۔

باب الحظر والاباحۃ یعنی حلال وحرام کا باب

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَا اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْہِ ترجمہ یعنی سواے اسکے نہین ہے کہ حرام کیا خدا نے تمپر مردہ کو اور خون کو اور سور کے گوشت کو اور اُس چیز کو جسپر خدا کے سوا کسی اور کا نام لیا جاے لیکن

جو شخص مجبور ہو بشرطیکہ نافرمان اور حد سے گزر جانے والا نہو۔ تو اسپر گناہ نہین ہے" اس آیت سے بہت سے مسائل مستنبط ہوتے ہین جنمین مجتہدین کو باہم اختلاف ہے۔ ان تمام مختلف فیہ مسائل مین۔ امام ابوحنیفہ نے آیت کا جو مطلب قرار دیا ہے وہی صحیح ہے۔

پہلی بحث یہ ہے کہ مردہ کے کیا معنی ہین۔ امام ابوحنیفہ وہی عام معنی لیتے ہین جو عام اطلاق مین شایع ہے۔ امام شافعی نے اسکو بہت وسعت دی ہے یہانتک کہ وہ مردہ جانورونکے بالون اور ہڈیون کو بھی مردہ کہتے ہین اس بنا پر اُنکی راے ہے کہ ان چیزون سے کسی قسم کا تمتع مثلاً پوستین وغیرہ کا استعمال جائز نہین۔ امام مالک بال اور کھال کا کام مین لانا جائز قرار دیتے ہین لیکن ہڈی کا استعمال اُنکے نزدیک بھی حرام ہے۔ امام شافعی نے اور امام مالک نے مردہ کے جو معنی لیے چونکہ صاف غلط معلوم ہوتے ہین اسلیے اُنکے مقلدون نے تاویلین کین۔ امام رازی تفسیر کبیر مین لکھتے ہین کہ "ہڈی کو مردہ کہہ سکتے ہین کیونکہ خدا نے قرآن مین کہا ہے مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ یعنی "ہڈی کو کون زندہ کریگا" "اور زندہ وہی چیز ہو سکتی ہے جو پہلے مر چکی ہو۔ اسیطرح خدا نے زمین کو مردہ کہا ہے" امام رازی کی یہ تاویل نہایت تعجب خیز ہے۔ اس قسم کے اطلاقات۔ مجازی اطلاق ہین۔ جن پر احکام کی تفریع نہین ہو سکتی۔ امام رازی نے زمین کا مردہ ہونا قرآن مجید سے ثابت کیا ہے۔ تو زمین اور خاک کے استعمال کو بھی ناجائز قرار دینا چاہیئے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ خون جسکو اس آیت مین حرام کہا ہے۔ اُس سے کیا مراد ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ دم مسفوح ہے یعنی خون مین روانی ہو۔ اس بنا پر وہ مچھلی کے

خون کو حرام نہیں کہتے۔ امام شافعی کے نزدیک اسمین کوئی تخصیص نہین اور ہر قسم کا خون حرام ہے امام صاحب کا استدلال یہ ہے کہ تخصیص خود خدا نے کی ہے چنانچہ دوسرے موقع پر فرمایا ہے

قُلْ لَا أَجِدُ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا

اس آیت مین خون کی تحریم کو مسفوح کے ساتھ مقید کر دیا ہے۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ باغٍ وَعَادٍ سے کیا مراد ہے امام ابو حنیفہ کہتے ہین کہ کھانے مین بغاوت و عدوان نہو یعنی جو شخص مجبور ہو اور جان بلب ہو اسکو مردہ و سور کا گوشت کھانا جائز ہے لیکن اس شرط پر کہ سد رمق سے زیادہ نہ کھائے۔ اور کسی دوسرے مضطر سے چھین کر نہ کھائے۔ امام شافعی بغاوت و عدوان کے معنی لیتے ہین۔ کہ اس شخص نے سلطان وقت سے بغاوت نہ کی ہو اور گنہگار نہو۔ اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک مسلمان شخص جو سلطان وقت سے باغی ہو۔ کسی موقع پر فاقہ سے جان بلب ہو جائے۔ تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اسکو مردہ یا سور کا گوشت بقدر سد رمق کے کھانا جائز ہے۔ بخلاف اسکے امام شافعی کا قول ہے کہ وہ اگر باغی نہوتا تو کھانا جائز تھا لیکن بغاوت کی حالت مین اسکو یہ اجازت نہین ملسکتی۔

امام شافعی نے ان الفاظ کے جو معنی لیے اولاً تو سیاق عبارت سے بالکل بیگانہ ہین۔ دوسرے اصول شرع اسکی مساعدت نہین کرتے۔ شریعت نے ضرورت کے وقت جن چیزون کی رخصت یا اجازت دی ہے وہ کسی جرم و عصیان سے باطل نہین ہوتی جھوٹ بولنا گناہ ہے اور بعض حالتو مین مثلاً جب جان کا خوف ہو۔ اسکی اجازت دیگئی ہے۔ کیا ایک گنہگار شخص اس اجازت سے متمتع نہین ہو سکتا ہے صورت متنازعہ مین اگر اس شخص کو ایسے

کھانیکی اجازت نہین دیگئی کہ اسکا ہلاک ہونا ہی بہتر ہے تو حرام کی کیا تخصیص ہے اسکے لیے تو حلال غذا کی بھی اجازت نہونی چاہیئے۔

یہ مسائل تو نصی تھے امام ابوحنیفہ نے اس آیت سے ایک قیاسی مسئلہ قائم کیا ہے۔ اور امام شافعی نے اُس سے مخالفت کی ہے۔ یعنی ایک شخص پیاس سے جان بلب ہو اور بجز شراب کے اور کوئی چیز نہ ملسکے تو اُسکو شراب پینے کی اجازت ہے یا نہین۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک نہین۔ امام شافعی۔ اگر ظاہریونکی طرح قیاس کے منکر ہوتے تو اس جواب سے کچھہ تعجب نہوتا۔ لیکن قیاس کے قائل ہوکر یہ مخالفت محل تعجب ہے کیونکہ یہ حالت۔ اور جس حالت کا ذکر قرآن مین صریحا ہے دونون کی علت مشترک ہے اپنی حفاظت نفس۔ پھر حکم کے نہ مشترک ہونے کی کوئی وجہ نہین۔

باب الجنایات

جنایات کے باب مین جو احکام قرآن مجید مین وارد ہین۔ انکی تعبیر جس صحت کے ساتھ امام ابوحنیفہ نے کی۔ کسی دوسرے مجتہد نے نہین کی۔ زمانۂ جاہلیت مین قصاص کے جو قاعدے رائج تھے نہایت ناانصافی اور جہالت پر مبنی تھے۔ اسلام نے نہایت خوبی سے اُسکی اصلاح کی۔ اور ایسے احکام مقرر کیے جن سے بڑھکر نہ کبھی ہوئے نہ ہوسکتے۔ جاہلیت مین قصاص کا اعتبار مقتول و قاتل کی حیثیت سے کیا جاتا تھا۔ جو معزز قبیلے تھے وہ دوسرے قبیلون سے اس طرح قصاص لیتے تھے کہ اپنے غلام کے بدلے دوسرے قبیلہ کے آزاد کو۔ اپنی عورت کے بدلے اُنکے مرد کو اور اپنے مرد کے بدلے دوسرے قبیلہ کے دو مرد دونکو قتل کرتے تھے۔ خدا نے قصاص کا عام حکم صادر فرمایا جسکا یہ مطلب ہے کہ قصاص کا حکم کسی قید کے ساتھ مقید نہین ہے

قاتل ہر حالت مین مقتول کے بدلے مارا جائیگا خواہ شریف ہو یا ذلیل۔ مرد ہو یا عورت۔ غلام ہو یا آزاد۔ مسلم ہو یا ذمی۔ زیادہ توضیح کے لیے اُن صورتوں کی خاص طرح پر بھی نفی کی جو عرب مین اسلام سے پہلے جاری تھین چنانچہ ارشاد فرمایا کہ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَى بِالْأُنْثَى ترجمہ یعنی تمپر مقتولون کے بارہ مین قصاص فرض کیا گیا آزاد۔ آزاد کے بدلے۔ غلام۔ غلام کے بدلے۔ عورت۔ عورت کے بدلے۔

زمانہ جاہلیۃ مین یہ بھی دستور تھا کہ قتل عمد کے بارہ مین مالی معاوضہ دیدینا کافی سمجھا جاتا تھا۔ اور اُسکو **دیت** کہتے تھے۔ اسلام نے اُسکو باطل کیا اور دیت کو جو ایک قسم کا جرمانہ ہے صرف شبہ اور عمد اور قتل خطا کی حالت مین جائز رکھا اور اُسکی مقدار مسلمان و ذمی کیلیے یکسان مقرر کی۔ چنانچہ خدا نے ارشاد فرمایا کہ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ۔ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ترجمہ یعنی مسلمان کی شان نہین ہے کہ کسی مسلمان کو قتل کرے۔ مگر غلطی سے اور جو شخص کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کرے تو اُسکو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا اور مقتول کی اہل کو دیت دینی ہوگی۔ اور اگر مقتول اُس قوم سے ہو کہ تمہارے اور اُنکے درمیان میثاق ہے تو دیت دینی ہوگی۔ اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا"

یہ احکام نہایت صاف اور صریح طور پر قرآن سے ثابت ہوتے ہین اور امام ابوحنیفہ ان ہی احکام کے قائل ہین۔ لیکن امام شافعی وغیرہ نے بعض مسائل مین اختلاف کیا ہے۔ جسکی نسبت

ہم افسوس کے ساتھ کہتے ہین کہ یقیناً اُنکی غلطی ہے۔

پہلا[1] اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی و امام مالک و احمد حنبل قائل ہین کہ غلام کے بدلے آزاد قتل نہین کیا جا سکتا" غلام اور آزاد مین ایسا بیرحمانہ تفرقہ کرنا۔ ہرگز قرآن سے ثابت نہین ہوتا اگر اَلحُرُّ بِالحُرِّ کی تخصیص سے استدلال ہے تو اَلاُنثیٰ بِالاُنثیٰ کی تخصیص سے لازم آتا ہے کہ عورت کے بدلے مرد نہ قتل کیا جاے۔ حالانکہ اسکا کوئی قائل نہین۔

دوسرا[2] اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی ذمی کی دیت مسلمان کی دیت سے کم قرار دیتے ہین۔ حالانکہ دیت کے جو الفاظ خدا نے مومن کے حق مین استعمال کیے وہی اُن لوگون کے حق مین بھی ارشاد کیے۔ جو مسلمانون سے میثاق و معاہدہ رکھتے ہین۔ بے شبہہ یہ اسلام کی نہایت فیاض دلی ہے کہ اُسنے مسلمان و ذمی کا حق برابر رکھا۔ لیکن افسوس ہے کہ ایسے فیاضانہ حکم کی لوگون نے غلط تاویل کی۔

تیسرا[3] اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی قتل عمد کی حالت مین بھی مالی معاوضہ ادا کرنا کافی سمجھے ہین۔ حالانکہ قرآن مجید مین قتل عمد کی حالت مین قصاص کا حکم ہے دیت کی کہین اجازت نہین۔ اور یہی اقتضاے عقل ہے۔ جاہلیت مین قتل۔ مقدمات دیوانی کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور اسوجہ سے مالی معاوضہ اسکا بدل ہو سکتا تھا۔ لیکن اسلام ایسی غلطی کا مرتکب نہین ہو سکتا تھا۔

چوتھا[4] اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی کیفیت قتل مین مساوات کو لازمی قرار دیتے ہین۔ یعنی اگر قاتل نے پتھر سے سر پھوڑ کر کسیکو مارا ہو تو وہ بھی پتھر سے سر توڑ کر مارا جاے۔ یا کسی نے آگ سے جلا کر مارا ہو تو وہ بھی آگ سے جلا کر مارا جاے۔ لیکن اس قسم کی مساوات پر

قرآن کا کوئی لفظ دلالت نہین کرتا۔

پانچوان اختلاف یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک قتل عمد کی حالت مین کفارہ لازم نہین آتا۔ امام شافعی قصاص و کفارہ دونون لازمی قرار دیتے ہین۔ حالانکہ قرآن مجید مین کفارہ کا حکم قتل خطا کے ساتھ مخصوص ہے قتل عمد مین۔ کفارہ کا کچھہ ذکر نہین۔

وراثت

وراثت کے بعض احکام مین جو نہایت مہتم بالشان ہین امام ابوحنیفہ اور امام شافعی ہین اختلاف ہے۔ ان مسائل ہین امام ابوحنیفہ نے جو پہلو اختیار کیا وہ نہایت صریح طریقے سے قرآن سے ثابت ہے۔ وراثت کے قاعدے جو اسلام نے مقرر کیے وہ تمام دنیا کے قواعد وراثت سے الگ ہین اور ایسے دقیق اور نازک اصول پر مبنی ہین جو بلاشبہ اس بات کی دلیل ہین کہ خدا کے سوا اور کوئی ان احکام کا واضع نہین ہو سکتا۔ وراثت کا اصلی اصول یہ ہے کہ متوفی اگر اپنی جایداد کسی خاص شخص کو دیجاتا تو اسیکو ملتی لیکن جب اسنے کوئی ہدایت نہین کی تو اسپر لحاظ ہوگا کہ اُسکے فطری تعلقات کن کن لوگونکے ساتھ کس کس تفاوت کے ساتھ تھے۔ بلاکہ یہ تعلقات رکھتے ہین وہ اسی تفاوت درجات کے ساتھ اُسکی جایداد کے مالک ہونگے۔ گویا متوفی کی یہ معنوی ہدایت ہے کہ لوگون کو اسی مناسبت سے دیا جاے جس نسبت سے میرے تعلقات اُنکے ساتھ تھے۔ دوسرا اصول جو پولٹیکل اکانمی کا عام اصول ہے یہ ہے کہ دولت کا بہت سے اشخاص مین تقسیم ہونا اس سے اچھا ہے کہ دو ایک شخص تک محدود رہے۔ یہ عمدہ اصول تمام ارتقا مونکی نگاہ سے رہگئے اور اسوجہ سے انکا قانون وراثت بھی ناتمام اور محدود رہگیا۔ عیسائیون کے قانون مین بڑے بیٹے کو جایداد پہنچتی ہے۔ دوسرے بھائیون کو کچھہ دست بردا شتہ ملتا ہے۔ ہندون کے

ان صرف اولاد ذکور جائداد کی مالک ہے۔ باپ بھائی وغیرہ محروم مطلق ہین۔ لیکن اسلام نے نہایت دقت نظر سے ان نازک تعلقات پر نگاہ کی جو ورثہ کو متوفی کے ساتھ ہین۔ اور اسی نسبت سے تین درجے قرار دیئے۔ ذوی الفروض۔ عصبات۔ ذوی الارحام۔ ان تینون درجون کی تصریح قرآن مجید مین موجود ہے اور خاصکر ذوی الارحام کا ذکر ان آیتون مین ہے لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ۔ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ۔

امام ابوحنیفہ نے توریث کے احکام مین یہ تینون مراتب قائم رکھے لیکن امام شافعی و امام مالک نے ذوی الارحام کو سرے سے خارج کر دیا۔ چنانچہ اُنکے نزدیک نانا۔ بھتیجیان۔ بھانجے وغیرہ کسی حال مین ورثہ نہین پاسکتے۔ ان بزرگون نے ذوی الارحام کو عام سمجھا ہے۔ اور ذوی الفروض وعصبات اُسکے افراد قرار دیئے ہین۔ جیسا کہ امام رازی نے تفسیر کبیر مین ذکر کیا ہے۔ لیکن یہ ایک صریح غلطی ہے۔

نکاح وطلاق ‏نکاح وطلاق کے متعلق قرآن مین بہت سے احکام مذکور ہین جنمین سے بعض بعض مین مجتہدین مختلف الآرا ہین ان اختلافی مسائل مین دو مسئلے نہایت مہتم بالشان ہین اور ہم اس موقع پر اُن ہی کا ذکر کرتے ہین۔

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک گو عورت بالغہ اور عاقلہ ہو تاہم کسی حالت مین بغیر ولی کی ولایت کے نکاح نہین کرسکتی امام ابوحنیفہ کے نزدیک بالغہ عاقلہ اپنے نکاح کی آپ مختار ہے اس دعوی پر دونون طرف سے قرآن کی آیتین اور حدیثین پیش کیگئی ہین۔ احادیث کی بحث کا

تو یہ محل نہین۔ قرآن مجید سے امام شافعی کا جو استدلال ہے اور جسکو خود اُنہون نے کتاب الام مین بڑے شد ومد سے لکہا ہے وہ اس آیت پر مبنی ہے وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ ترجمہ اور جب تم طلاق دو عورتونکو اور وہ اپنی مدت کو پہنچین تو اُن کو اس بات سے نہ روکو کہ وہ اپنے شوہرون سے نکاح کرین" امام شافعی کہتے ہین کہ "تَعْضُلُوْهُنَّ مین اولیاے نکاح سے خطاب ہے۔ اور انکو حکم دیا گیا ہے کہ عورتونکو نکاح سے نہ روکین۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیاے نکاح کو روکنے کا حق حاصل ہے۔ ورنہ نہی کی کیا ضرورت ہے" امام شافعی نے اس مطلب کی تائید مین آیت کی شان نزول کا ذکر کیا ہو۔ چنانچہ لکھتے ہین کہ "معقل بن یسار نے اپنی بہن کی شادی۔ اپنے چچیرے بھائی سے کر دی تھی۔ شوہر نے چند روز کے بعد طلاق دیدی۔ لیکن عدت گذر جانیکے بعد اسکو ندامت ہوئی اور اُسنے دوبارہ نکاح کرنا چاہا۔ عورت بھی راضی ہوگئی۔ معقل نے سنا تو بہن کے پاس گئے اور کہا کہ مین نے نکاح کر دیا تھا اُسنے طلاق دیدی۔ اب مین کبھی اُس سے نکاح نہونے دونگا۔ اسپر یہ آیت اُتری" امام شافعی نے آیت کے جو معنی لیے اگر ہمنے خود اُنکی کتاب مین اُسکو تصریحاً نہ دیکھا ہوتا تو ہمکو مشکل سے یقین آتا کہ یہ اُن ہی کا قول ہے۔

اوّل ہمکو اسپر غور کرنا چاہیے کہ آیت کے یہ معنی ہو بھی سکتے ہین یا نہین۔ اسقدر تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ طَلَّقْتُمُ مین شوہرون کی طرف خطاب ہے۔ اور جب یہ مسلم ہے تو ضرور ہی کہ تَعْضُلُوْهُنَّ مین بھی اُن ہی کی طرف خطاب ہو ورنہ عبارت بالکل بے ربط ہوگی کیونکہ اس تقدیر پر آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ "اے شوہرو! جب تم عورتونکو طلاق دو اور وہ اپنی مدت کو

پہونچ چکیں۔ تو اے نکاح کے اولیاء! تم اُن عورتون کو نکاح سے نہ روکو۔ اس عبارت کی بے ربطی مین کون شبہہ کر سکتا ہے؟ شرط مین تو شوہرون سے خطاب ہو اور جزا مین اُن سے کچھہ واسطہ نہ رہے۔ اور اولیاے نکاح سے تخاطب کیا جاے۔ یہ کونسا طریقہ کلام ہے؟۔

امام رازی باوجودیکہ شافعی ہین۔ تاہم اُنھون نے تفسیر کبیر مین صاف تصریح کی ہی کہ "یہ معنی بالکل غلط ہین۔ اور خدا ایسی بے ربط عبارت۔ بول نہین سکتا۔ اگر ہم یہ معنی تسلیم بھی کر لین۔ تو بھی امام شافعی کا استدلال تمام نہین ہوتا۔ کیونکہ یہ ضرور نہین کہ جو شخص ایک کام سے روکا جاے وہ اُس کام کا حق بھی رکھتا ہو۔

اب ہم اس آیت کا صحیح محمل بیان کرتے ہین۔ جاہلیۃ مین اکثر دستور تھا کہ لوگ اپنی بیویون کو طلاق دیتے تھے اور اس غیرت سے کہ جو عورت اُنکے ہم بستر رہ چکی ہی دوسرے کے آغوش مین نہ جانے پائے۔ اُس عورت کو دوسرا نکاح بھی نہین کرنے دیتے تھے۔ اس بُری رسم کو خدا نے مٹایا اور یہ آیت نازل کی جسکا صحیح ترجمہ یہ ہی کہ "اے شوہرو۔ جب تم عورتونکو طلاق دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ چکین تو اُنکو اس بات سے نہ روکو کہ وہ اپنے شوہرون سے (یعنی جنکو اب وہ شوہر بنانا چاہتی ہین) نکاح کرین"

امام ابوحنیفہ نے اس آیت کے یہی معنی لیے ہین اور اس سے وہ استدلال کرتے ہین کہ عورتین نکاح کے معاملہ مین خود مختار ہین۔ اس استدلال کی زیادہ تائید یَنکِحنَ کے لفظ سے ہوتی ہی کیونکہ اس لفظ مین نکاح کے فعل کو عورتون کی طرف منسوب کیا ہے نہ اولیاے نکاح کی طرف۔

دوسرا مسئلہ تین طلاق کا ہے۔ اسقدر تو چارون ائمہ مجتہدین کے نزدیک مسلم ہی کہ اگر کوئی شخص ایکبار تین طلاق دے تو طلاق واقع ہو جائیگی اور پھر رجعت نہو سکے گی۔ لیکن اسمین اختلاف ہے کہ اسطرح طلاق

دینا جائز اور مشروع ہے یا نہین - امام شافعی کے نزدیک مشروع ہو اور خدا نے اُسکی اجازت دی ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک حرام اور ممنوع ہی اور طلاق دینے والا گنہگار ہو - امام ابوحنیفہ کا استدلال یہ ہے کہ خدا نے طلاق کا جو طریقہ بتلایا ہی وہ اس آیت پر محدود ہے اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ " یعنی طلاق دوبار کرکے ہے پھر یا تو بھلائی کے ساتھ روک لینا ہی یعنی رجعت کر لینا ہی یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا ہی" پس اس آیہ مین طلاق کا جو طریقہ بتایا گیا صرف وہی شرعی طلاق ہوسکتا ہی بعض لوگون نے امام ابوحنیفہ کے قول پر یہ اعتراض کیا ہی کہ "اگر ایکبار تین طلاق دینا شرعاً جائز نہین تو اسکے نفاذ کے کیا معنی - حالانکہ نفاذ سے امام ابوحنیفہ کو بھی انکار نہین" اسکا جواب ایک بڑی نازک بحث پر مبنی ہے جسکا یہ موقع نہین مگر اجمالاً یہ سمجھ لینا چاہئیے کہ کسی کام کا ممنوع ہونا دوسری چیز ہے - اور نافذ ہونا دوسری چیز ہے - باپ کا اولاد کو کم و بیش حصّہ تو نہین بلا دلیل ہبہ کرنا - شرعاً ممنوع ہے - لیکن اگر کوئی ناانصاف باپ ایسا کرے تو اُسکا نفاذ ضرور ہوگا -

اَب ہم اس بحث کو ختم کرتے ہین لیکن یہ نہین سمجھنا چاہئیے - کہ ہم امام ابوحنیفہ کی نسبت یہ عام دعوی کرتے ہین کہ اُنکے مسائل صحیح اور یقینی ہین - امام ابوحنیفہ مجتہد تھے پیغمبر نہ تھے - اسلیے اُنکے مسائل مین غلطی کا ہونا ممکن ہی - نہ صرف امکان بلکہ ہم وقوع کا دعوی کرسکتے ہین اور یہی وجہ ہی کہ خود اُنکے خاص شاگردون نے بہت سے مسائل مین اُن سے مخالفت کی - مدت رضاعت - قضاء قاضی کا ظاہراً و باطناً نافذ ہونا - قتل بالثقل - نکاح محرمات مین حد کا نہ لازم آنا - ان تمام مسائل مین ہمارے نزدیک امام ابوحنیفہ کے مذہب کی کوئی صحیح تاویل نہین ہوسکتی ایسے اور بھی مسائل ہین لیکن ہمارا مقصد اس موقع پر صرف یہ ہی کہ ایک مجتہد کا جس حد تک صائب الرای ہونا ممکن ہی امام صاحب اُس حد تک صائب الرای تھے

خاتمہ

امام صاحب کے تلامذہ

ایشیائی ملکوں مین اگرچہ شاگردی اور اُستادی کا تعلق عموماً نہایت قوی تعلق ہوتا ہے لیکن بعض شاگردون کو مختلف وجوہ سے کچھہ ایسی خصوصیت ہوجاتی ہے کہ جہان اُستاد کا نام آتا ہے ممکن نہین کہ انکا نام نہ آئے۔ جیسا کہ ہم اس کتاب کے پہلے حصہ مین لکھ آئے ہین امام ابوحنیفہ کی درس و تدریس کا دائرہ اسقدر وسیع تھا کہ خلیفہ وقت کی حدود حکومت اُس سے زیادہ وسیع نہ تھین۔ حافظ ابوالمحاسن شافعی نے نوسو اٹھارہ شخصون کے نام بقید نام و نسب لکھے ہین جو امام صاحب کے حلقہ درس سے مستفید ہوئے تھے۔ اس گروہ مین سے چند بزرگ ایسے ہین جنکی بیوگرفی کے بغیر امام صاحب کی علمی تاریخ ناتمام رہتی ہے۔

چالیس شخص جو امام صاحب کے ساتھ فقہ کی ترتیب و تدوین مین شریک تھے۔ آنکے شاگرد اور ارادتمند خاص تھے۔ امام صاحب کی زندگی کا بڑا کارنامہ فقہ ہے۔ اسلیے یہ کیونکر ممکن ہے کہ امام صاحب کی تاریخ مین انہی لوگونکا ذکر چھوڑ دیا جائے جو ایسے بڑے کام مین اُنکے شریک اور مددگار تھے۔ ان لوگونکے حالات صرف امام ابوحنیفہ کی تاریخ سے وابستہ نہین ہین۔ بلکہ اُس سے عام طور پر حنفی فقہ کے متعلق ایک اجمالی خیال قائم ہوتا ہے یعنی ان لوگونکی عظمت و شان سے فقہ

حنفی کی خوبی اور عمدگی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ساتھ ہی امام صاحب کا بلند رتبہ ہونا ثابت ہوتا ہے کہ جس شخص کے شاگرد اس رتبہ کے ہونگے وہ خود کس پایہ کا ہوگا؟ خطیب بغدادی نے وکیع بن الجراح کے حال میں جو ایک مشہور محدث[1] تھے لکھا ہے کہ ایک موقع پر وکیع کے پاس چند اہل علم جمع تھے کسی نے کہا کہ اس مسئلہ میں ابوحنیفہ نے غلطی کی۔ وکیع بولے کہ "ابوحنیفہ کیونکر غلطی کر سکتے ہیں!! ابویوسف و زفر قیاس میں یحییٰ بن زائدہ حفص بن غیاث حبان مندل حدیث میں۔ قاسم بن معن لغت و عربیت میں۔ داؤد الطائی فضیل بن عیاض زہد و تقویٰ میں۔ اس رتبہ کے لوگ جس شخص کے ساتھ ہوں وہ کہیں غلطی کر سکتا ہے اور کرتا بھی تو یہ لوگ اسکو کب غلطی پر رہنے دیتے"

شاگرد کا رتبہ و اعزاز استاد کے لیے باعث فخر خیال کیا جاتا ہے۔ اگر یہ فخر صحیح ہے تو اسلام کی تمام تاریخ میں کوئی شخص امام ابوحنیفہ سے بڑھکر اس فخر کا مستحق نہیں ہے۔ امام صاحب اگر یہ دعویٰ کرتے تو بالکل بجا تھا کہ جو لوگ امام صاحب کے شاگرد تھے وہ بڑے بڑے ائمہ مجتہدین کے شیخ اور استاد تھے۔ امام شافعی ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ "میں نے امام محمد سے ایک بار شتر علم حاصل کیا ہے[2]" یہ وہی امام محمد ہیں جو امام ابوحنیفہ کے مشہور شاگرد ہیں اور جنکی تمام عمر امام صاحب کی حمایت میں صرف ہوئی۔ انصاف یہ ہے کہ امام صاحب کے بعض شاگرد خصوصاً

[1] وکیع کا مستقل ترجمہ اس کتاب کے آیندہ صفحوں میں دیکھو ۱۲ [2] ہمارے زمانہ کے کم نظر تنگ اس روایت سے تعجب ہوگا اور وہ اسکو حنفیوں کی گڑھت سمجھیں گے مگر انکو معلوم ہونا چاہیے کہ علامہ نووی نے جو مشہور محدث ہیں اس روایت کی تصدیق کی ہے۔ دیکھو تہذیب الاسماء واللغات نووی۔ ترجمہ امام محمد ۱۲

قاضی ابو یوسف۔ و امام محمد۔ اس رتبہ کے عالم تھے کہ اگر امام ابو حنیفہ کی نسبت سے الگ ہو کر مستقل اجتہاد کا دعوی کرتے تو انکا جدا طریقہ قائم ہو جاتا۔ اور امام مالک و شافعی کیطرح انکے بھی ہزاروں لاکھوں مقلدین جاتے۔

امام صاحب کے زمانہ میں جو مذہبی علوم نہایت اوج و ترقی پر تھے۔ وہ فقہ۔ حدیث۔ اسماء الرجال تھے۔ یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ جو لوگ ان علوم کے ارکان تھے۔ اکثر امام صاحب ہی کے شاگرد تھے۔ اور شاگرد بھی برائے نام شاگرد نہ تھے بلکہ مدتوں امام صاحب کی صحبت میں رہے اور انکی فیض صحبت کا ہمیشہ اعتراف کرتے رہے۔ فقہ کے متعلق تو غالباً کسیکو انکار نہیں ہو سکتا۔ لیکن حدیث کی نسبت اس دعوی پر لوگوں کو تعجب ہوگا اور یہ تعجب بجا ہے کیونکہ امام صاحب کی شاگردی کے تعلق سے جو لوگ مشہور ہوئے وہ اکثر فقیہ ہی تھے۔ محدثین میں سے جو امام صاحب کے شاگرد ہیں اگرچہ بجائے خود شہرت عام رکھتے ہیں لیکن انکی شاگردی کا تعلق چنداں مشہور نہیں۔ میں اسموقع پر جن لوگوں کے نام لکھونگا اس تعلق کا ذکر بھی خصوصیت کے ساتھ کرونگا اور رجال کی نہایت معتبر کتابوں کا حوالہ دونگا۔

امام صاحب کے بیشمار شاگردوں میں سے ہم اُن چالیس شخصوں کا مختصر تذکرہ لکھنا چاہتے تھے۔ جو امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ میں شریک تھے لیکن افسوس ہے کہ ہم انمیں سے صرف چند شخصوں کا نام معلوم کر سکے۔ یعنی قاضی ابو یوسف[1]۔ زفر[2]۔ اسد بن عمر[3]۔ عافیۃ الازدی[4]۔ داؤد الطائی[5]۔ قاسم بن معن[6]۔ علی بن مسہر[7]۔ یحییٰ بن زکریا[8]۔ حبان[9]۔ مندل[10]۔ چنانچہ ان لوگوں

[1] ان لوگوں کا ذکر اس حیثیت سے مورخ خطیب نے قاضی ابو یوسف کے ترجمہ میں لکھا ہے (دیکھو مختصر تاریخ بغداد۔ ترجمہ ابو یوسف)

کے مختصر حالات ہم ذیل میں لکھتے ہیں۔ انکے علاوہ بعض اُن شاگردوں کا ذکر بھی ضرور ہے جو حدیث و رجال کے فن میں امام وقت تھے۔ چنانچہ ہم پہلے انہی سے شروع کرتے ہیں۔

یحییٰ بن سعید القطان

محدثین

فن رجال کا سلسلہ انہی سے شروع ہوا۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ فن رجال میں اول جس شخص نے لکھا وہ یحییٰ بن سعید القطان ہیں پھر انکے بعد انکے شاگردوں یحییٰ بن معین۔ علی بن المدینی۔ امام احمد حنبل۔ عمرو بن علی الفلاس۔ ابو خیثمہ نے اس فن میں گفتگو کی۔ اور اُنکے بعد انکے شاگردوں یعنی امام بخاری و مسلم وغیرہ نے۔

حدیث میں اُنکا یہ پایہ تھا کہ جب حلقۂ درس میں بیٹھتے تو **امام احمد بن حنبل** علی بن المدینی وغیرہ مؤدب کھڑے ہوکر ان سے حدیث کی تحقیق کرتے اور نماز عصر سے جو انکی درس کا وقت تھا مغرب تک برابر کھڑے رہتے[1]۔ راویوں کی تحقیق و تنقید میں یہ کمال پیدا کیا تھا کہ ائمہ حدیث عموماً کہا کرتے تھے کہ یحییٰ جسکو چھوڑ دینگے ہم بھی چھوڑ دینگے[2]۔ امام احمد بن حنبل کا مشہور قول ہے کہ ما رایت بعینی مثل یحیی بن سعید القطان[3] یعنی میں نے اپنی آنکھوں سے یحییٰ کا مثل نہیں دیکھا۔ اس فضل و کمال کے ساتھ امام ابوحنیفہ کے حلقۂ درس میں اکثر شریک ہوتے۔ اور اُنکی شاگردی پر فخر کرتے۔ اس زمانہ تک تقلید معین کا رواج نہیں ہوا تھا تاہم اکثر مسائل میں وہ امام صاحب ہی کی تقلید کرتے تھے۔ خود اُن کا قول ہے قد اخذنا باکثر اقوالہ[4] یعنی جسنے امام ابوحنیفہ کے اکثر

[1] فتح المغیث و جواہر مضیئہ ۱۲ [2] تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر ترجمہ یحییٰ بن القطان ۱۲ [3] میزان الاعتدال علامہ ذہبی دیباچہ ۱۲ [4] تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر۔ ترجمہ امام ابوحنیفہ ۱۲

اقوال انکے یہ: علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ مین جہان وکیع بن الجراح کا ذکر کیا ہے لکھا ہے یفتی بقول ابی حنیفۃ وکان یحیی القطان یفتی بقولہ ایضًا یعنی وکیع امام ابوحنیفہ کے قول پر فتوی دیتے تھے اور یحیی قطان بھی انہی کے قول پر فتوی دیتے تھے۔

سنہ ۱۲۰ھ مین پیدا ہوئے اور سنہ ۱۹۸ھ مین بمقام بصرہ وفات پائی۔

عبد اللہ بن المبارک

محدث نووی نے تہذیب الاسماء واللغات مین انکا ذکر ان لفظوں سے کیا ہے "وہ امام جسکی امامت وجلالت پر ہر باب مین عمومًا اجماع کیا گیا ہے۔ جسکے ذکر سے خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے جسکی محبت سے مغفرت کی امید کیجا سکتی ہے"[۱]

حدیث مین جو انکا پایہ تھا اُسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ محدثین انکو امیر المومنین فی الحدیث کے لقب سے پکارتے تھے۔ ایک موقع پر انکے شاگردون مین سے ایک شخص نے ان سے خطاب کیا کہ یا عالم المشرق امام سفیان ثوری جو مشہور محدث ہین اُس موقع پر موجود تھے بولے کہ "کیا غضب ہے! عالم مشرق کہتے ہو! وہ عالم الشرق والغرب ہین"[۱]، امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ عبد اللہ بن المبارک کے زمانہ مین اُن سے بڑھکر کسی نے حدیث کی تحصیل مین کوشش نہین کی"۔ خود عبد اللہ بن المبارک کا بیان ہے کہ "مین نے چار ہزار شیوخ سے حدیث سیکھی جنمین سے ہزار سے روایت کی"[۲]، صحیح بخاری و مسلم مین انکی روایت سے سیکڑون حدیثین مروی ہین۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ فن روایت کے بڑے ارکان مین سے ہین۔ حدیث وفقہ مین

[۱] تہذیب الاسماء واللغات علامہ نووی ۱۲ [۲] خلاصہ تہذیب الکمال ترجمہ عبد اللہ بن المبارک ۱۲

انکی بہت سی تصنیفات ہین لیکن افسوس کہ آج انکا پتہ نہین۔

انکے فضل و کمال زہد و تقوی نے اسقدر لوگونکو مسخر کر لیا تھا کہ بڑے بڑے امرا و سلاطین کو وہ رتبہ حاصل نہ تھا۔ ایک دفعہ خلیفہ ہرون الرشید رقہ گیا۔ اسی زمانہ مین عبداللہ بن المبارک بھی رقہ پہنچے۔ انکے آنیکی خبر مشہور ہوئی تو ہر طرف سے لوگ دوڑے اور اسقدر کشمکش ہوئی کہ لوگونکی جوتیان ٹوٹ گئین۔ ہزارون آدمی ساتھ ہوئے اور ہر طرف گرد چھا گئی ہرون الرشید کی ایک حرم نے جو برج کے غرفہ سے یہ تماشہ دیکھ رہی تھی حیرت زدہ ہو کر پوچھا کہ یہ کیا حال ہے لوگون نے کہا "خراسان کا عالم آیا ہے جسکا نام عبداللہ بن المبارک ہے" بولی کہ حقیقت مین سلطنت اسکا نام ہے۔ ہرون الرشید کی حکومت بھی کوئی حکومت ہے کہ پولیس اور سپاہیون کے بغیر ایک آدمی بھی حاضر نہین ہو سکتا۔[1]

یہ امام ابوحنیفہ کے مشہور شاگردون مین ہین۔ اور امام صاحب کے ساتھ انکو خاص خلوص تھا۔ انکو اعتراف تھا کہ جو کچھ مجکو حاصل ہوا امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری کے فیض سے حاصل ہوا۔ انکا مشہور قول ہے کہ "لولا ان اللہ تعالی اغاثنی بابی حنیفۃ و سفیان کنت کسائر الناس"[2] یعنی اگر اللہ تعالی نے ابوحنیفہ و سفیان کے ذریعہ سے میری دستگیری نہ کی ہوتی تو مین ایک عام آدمی سے بڑھکر نہ ہوتا۔" امام ابوحنیفہ کی شان مین انکے اشعار اکثر منقول ہین خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ مین چند اشعار نقل کیے ہین جنمین سے ایک شعر یہ ہے

رأیت ابا حنیفۃ حین یؤتی	و یطلب علمہ بحرا غزیرا

[1] تاریخ ابن خلکان۔ ترجمہ عبداللہ بن المبارک۔ ۱۲ [2] تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر۔ ترجمہ امام ابوحنیفہ۔ ۱۲

مرو کے رہنے والے تھے سنہ ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۸۱ھ میں بمقام ہیت وفات پائی -

یحییٰ بن زکریا ابن ابی زائدۃ

مشہور محدث تھے - علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں صرف اُن لوگون کا تذکرہ لکھا ہے جو حافظ الحدیث کہلاتے تھے - چنانچہ یحییٰ کو بھی اِنہی لوگون مین داخل کیا ہی - اور انکے طبقہ مین سب سے پہلے اِن ہی کا نام لکھا ہے - علی بن المدینی جو امام بخاری کے مشہور اُستاد ہین کہا کرتے تھے کہ "یحییٰ کے زمانہ مین یحییٰ پر علم کا خاتمہ ہوگیا"[1] صحاح ستہ مین انکی روایت سے بہت سی حدیثین ہین - وہ محدث اور فقیہ دونون تھے اور ان دونون فنون مین بہت بڑا کمال رکھتے تھے چنانچہ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال مین انکا ترجمہ ان لفظون سے شروع کیا ہے احد الفقہاء الکبار والمحدثین الاثبات -

یہ امام ابوحنیفہ کے ارشد تلامذہ مین سے تھے اور مدت تک اُنکے ساتھ رہے تھے یہانتک کہ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ مین انکو صاحب ابی حنیفۃ کا لقب دیا ہی - یہ تدوین فقہ مین امام صاحب کے شریک اعظم تھے - امام طحاوی نے لکھا ہی کہ تیس برس تک وہ شریک رہے اگرچہ یہ مدت صحیح نہین لیکن کچھ شبہہ نہین کہ وہ بہت دن تک امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کا کام کرتے رہے اور خاصکر تصنیف و تحریر کی خدمت اِنہی سے متعلق تھی[2] - میزان الاعتدال مین لکھا ہے کہ "بعض لوگون کا قول ہے کہ کوفہ مین اوّل جس شخص نے تصنیف کی وہ یحییٰ ہین" معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ تحریر کا کام یحییٰ سے متعلق تھا اسلیے بعض لوگون نے اُن ہی کو مستقل

[1] میزان الاعتدال علامہ ذہبی ترجمہ یحییٰ - ۱۲ [2] الجواہر المضیئة ترجمہ یحییٰ - ۱۲

مصنف سمجھ لیا۔

مداین میں منصب قضا پر ممتاز تھے اور ۱۸۲ھ میں ۶۳ برس کی عمر میں وفات پائی۔

وکیع بن الجراح

فن حدیث کے ارکان میں شمار کیے جاتے ہیں۔ امام احمد حنبل کو انکی شاگردی پر فخر تھا چنانچہ جب وہ انکی روایت سے کوئی حدیث بیان کرتے تھے تو ان لفظوں سے شروع کرتے تھے "یہ حدیث مجھ سے اُس شخص نے روایت کی کہ تیری آنکھوں نے اُسکا مثل نہ دیکھا ہوگا"[1] یحییٰ بن معین جو فن رجال کے ایک رکن خیال کیے جاتے ہیں۔ انکا قول تھا کہ "میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جسکو وکیع پر ترجیح دوں"[2]۔ اکثر ائمہ حدیث نے انکی شان میں اس قسم کے الفاظ لکھے ہیں۔ بخاری و مسلم میں اکثر انکی روایت سے حدیثیں مذکور ہیں۔ فن حدیث و رجال کے متعلق انکی روایتیں اور رائیں نہایت مستند خیال کیجاتی ہیں۔

یہ امام ابوحنیفہ کے شاگرد خاص تھے اور اُن سے بہت سی حدیثیں سنی تھیں۔ اکثر مسائل میں امام صاحب کی تقلید کرتے تھے اور اُنہی کے قول کے موافق فتویٰ دیتے تھے۔

خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کان یفتی بقول ابی حنیفة وکان قد سمع منه شیئاً کثیراً[3]۔ علامہ ذہبی نے بھی تذکرۃ الحفاظ میں اسکی تصدیق کی ہے۔ سنہ ۱۹۷ھ میں وفات پائی۔

---

[1] تہذیب الاسماء واللغات علامہ نووی ترجمہ وکیع بن الجراح۔ ۱۲ [2] تہذیب الاسماء واللغات۔ ۱۲ [3] خطیب کے قول میں "شیئاً" کے بجائے "حدیثاً" کا لفظ ہے جو صاف اور صریح اس دعویٰ پر دلالت کرتا ہے (دیکھو مقدمہ ابن خلدون فصل علوم الحدیث)۔ ۱۲

یزید بن ہرون

فن حدیث کے مشہور امام ہین بڑے بڑے ائمہ حدیث انکے شاگرد تھے۔ امام احمد حنبل علی بن المدینی یحیٰی بن معین۔ ابن ابی شیبہ وغیرہ نے انکے سامنے زانوے شاگردی تہ کیا ہے۔ علامہ نووی نے انکے تلامذہ کی نسبت لکھا ہے کہ انکا شمار نہین ہوسکتا۔ یحیٰی بن ابی طالب کا بیان ہے کہ "ایکبار مین انکے حلقہ درس مین شریک تھا۔ لوگ تخمینہ کرتے تھے کہ حاضرین کی تعداد کم و بیش ستر ہزار تھی"[۱] کثرت حدیث مین لوگ انکی مثال دیتے تھے۔ خود انکا بیان ہے کہ "مجھکو بیس ہزار حدیثین یاد ہین"[۲]، علی بن المدینی (امام بخاری کے استاد) کہا کرتے تھے کہ مین نے ان سے زیادہ کسیکو حافظ الحدیث نہین دیکھا۔

فن حدیث مین انکو ابوحنیفہ سے تلمذ تھا۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ مین جہان اُن لوگون کے نام لکھے ہین جنہون نے امام صاحب سے حدیثین روایت کین اُنکا نام بھی لکھا ہے۔ یہ ایک مدت تک امام صاحب کی صحبت مین رہے۔ اور اسوجہ سے اِنکو امام صاحب کے اخلاق و عادات پر راے قائم کرنے کا کافی موقع ملا تھا۔ اُنکا قول ہے کہ "مین نے بہت سے لوگونکی صحبت اُٹھائی لیکن ابوحنیفہ سے کسیکو بڑھکر نہین پایا"[۳]۔ ۱۱۸ھ مین پیدا ہوئے اور ۲۰۶ھ مین وفات پائی۔

حفص بن غیاث

بہت بڑے محدث تھے خطیب بغدادی نے انکو کثیر الحدیث لکھا ہے۔ اور علامہ ذہبی

---

۱ تہذیب الاسماء واللغات نووی ترجمہ یزید بن ہرون ۱۲ ۲ تہذیب الاسماء واللغات ۱۲ ۳ تہذیب الکمال حافظ مزی ترجمہ امام ابوحنیفہ ۱۲

نے انکو حفاظ حدیث مین شمار کیا ہے۔ امام احمد حنبل۔ علی بن المدینی وغیرہ نے ان سے حدیثین روایت کین۔ یہ اس خصوصیت مین ممتاز تھے کہ جو کچھ روایت کرتے تھے زبانی کرتے تھے کاغذ یا کتاب پاس نہین رکھتے تھے چنانچہ اسطرح جو حدیثین روایت کین انکی تعداد تین یا چار ہزار ہے۔[1]

یہ امام صاحب کے ارشد تلامذہ مین سے ہین۔ امام صاحب کے شاگردون مین چند بزرگ نہایت مقرب اور باخلاص تھے جنکی نسبت وہ فرمایا کرتے تھے کہ "تم میرے دل کی تسکین اور میرے غم کے ہٹانے والے ہو" حفص کی نسبت بھی امام صاحب نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے ہین۔[2] مختصر تاریخ بغداد مین انکی نسبت لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے مشہور شاگردون مین تھے۔

مدت تک دنیاوی تعلقات سے آزاد رہے لیکن اخیر مین عسر تون نے بہت تنگ کیا اتفاق یہ کہ انہی دنون یعنی سنہ ۱۷۷ھ مین ہرون الرشید نے انکا شہرہ سنکر انکو طلب کیا اور قضا کی خدمت سپرد کی۔ چونکہ قرض سے زیربار تھے مجبوراً قبول کرنا پڑا۔ قاضی ابویوسف قاضی القضاۃ تھے اور قضا کا تمام سررشتہ انکے اہتمام مین تھا۔ چونکہ ہرون الرشید نے قاضی صاحب کے بغیر اطلاع۔ حفص۔ کو مقرر کردیا اسلیے انکو فی الجملہ خیال ہوا اور حسن بن زیاد سے کہا کہ حفص کے فیصلے ہمارے مرافعہ مین آئین تو انکو نکتہ چینی کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے لیکن جب انکے فیصلے دیکھے تو اعتراف کیا کہ حفص کے ساتھ تائید الہی ہے۔[3]

سنہ ۱۱۷ھ مین پیدا ہوئے۔ تیرہ برس کوفہ مین اور دو برس بغداد مین قاضی رہے۔ سنہ ۱۹۶ھ مین وفات پائی۔

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ حفص ۱۲ [2] الجواہر المضیئۃ ترجمہ حفص بن غیاث ۱۲ [3] الجواہر المضیئۃ ترجمہ حفص بن غیاث ۱۲

ابو عاصم النبیل

انکا نام ضحاک بن مخلد ہے، مشہور محدث ہین۔ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ مین انکی روایت سے بہت سی حدیثین مروی ہین۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال مین لکھا ہے کہ "انکی توثیق پر تمام لوگون کا اتفاق ہے"۔ نہایت پارسا اور متورع تھے۔ امام بخاری نے روایت کی ہے کہ ابو عاصم نے خود کہا کہ "جب سے مجھکو معلوم ہوا کہ غیبت حرام ہے مین نے آج تک کسی کی غیبت نہین کی"۔

انکا لقب نبیل تھا جسکے معنی معزز کے ہین۔ اس امر مین اختلاف ہے کہ یہ لقب کیون ہوا؟۔ ایک روایت ہے کہ ایکدفعہ شعبہ نے کسی وجہ سے قسم کھالی کہ "مین حدیث نہین روایت کرونگا"، چونکہ وہ بہت بڑے محدث تھے۔ اور اُن کے درس سے ہزارون طلبہ مستفید ہوتے تھے لوگون کو بہت تشویش ہوئی۔ ابو عاصم نے یہ حال سُنا تو اُسیوقت شعبہ کی خدمت مین حاضر ہوئے اور کہا کہ "مین اپنے غلام کو آپکی قسم کے کفارہ مین آزاد کرتا ہون۔ آپ قسم توڑ ڈالیے اور حدیث کا درس دیجیے"۔ شعبہ کو اُنکے شوق اور ہمت پر تعجب ہوا اور فرمایا کہ انت نبیل اُسوقت سے یہ لقب مشہور ہو گیا۔[1]

یہ بھی امام صاحب کے مختص شاگردون مین تھے۔[2] خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ مین لکھا ہے کہ ایک دفعہ کسی نے ان سے پوچھا کہ "سفیان ثوری زیادہ فقیہ ہین یا ابو حنیفہ"۔ بولے کہ "موازنہ تو اُن چیزون مین ہوتا ہے جو ایک دوسری سے ملتی جلتی ہون۔ ابو حنیفہ نے

---

[1] الجواہر المضیئۃ۔ ترجمہ ابو عاصم۔۱۲ [2] الجواہر المضیئۃ۔۱۲

فقہ کی بنیاد ڈالی ہے اور سفیان صرف فقیہ ہیں"۔

سنہ ۲۱۲ھ میں نوے برس کی عمر میں وفات پائی۔

عبد الرزاق بن ہمام

علامہ ذہبی نے ان کا ترجمہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے احد الاعلام الثقات بہت بڑے نامور محدث تھے۔ صحیح بخاری۔ و مسلم وغیرہ ان کی روایتوں سے مالا مال ہیں۔ امام احمد حنبل سے کسی نے پوچھا کہ حدیث کی روایت میں آپ نے عبد الرزاق سے بڑھکر کسیکو دیکھا؟ جواب دیا کہ "نہیں" بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً امام سفیان بن عیینہ۔ یحییٰ بن معین۔ علی بن المدینی۔ امام احمد حنبل۔ فن حدیث میں انکے شاگرد تھے طالبان حدیث بہت دور سے قطع منازل کر کے انکی خدمت میں سیکھنے جاتے تھے یہانتک کہ بعضوں کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کے پاس اسقدر دور دراز مسافتیں طے کر کے لوگ نہیں گئے۔

حدیث میں انکی ایک ضخیم تصنیف موجود ہے جو جامع عبد الرزاق کے نام سے مشہور ہے۔ امام بخاری نے اعتراف کیا ہے کہ "میں اس کتاب سے مستفید ہوا ہوں" علامہ ذہبی نے اس کتاب کی نسبت میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ "علم کا خزانہ ہے"

انکو ابو حنیفہ سے فن حدیث میں تلمذ تھا۔ عقود الجمان کے مختلف مقامات سے ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب کی صحبت میں زیادہ رہے۔ چنانچہ انکے اخلاق و عادات کے متعلق

لہ انساب سمعانی و تاریخ یافعی ترجمہ عبد الرزاق بن ہمام۔ ۱۲

ان کے اکثر اقوال کتابون مین مذکور ہین۔ انکا قول تھا کہ "مین نے امام ابوحنیفہ سے بڑھکر کسیکو حلیم نہین دیکھا"

سنہ ۱۲۶ھ مین پیدا ہوئے اور سنہ ۲۱۱ھ مین انتقال کیا۔

داؤد الطائی

خدا نے عجب حسن قبول دیا تھا۔ صوفیہ انکو بہت بڑا مرشد کامل مانتے ہین تذکرۃ الاولیاء مین انکے مقامات عالیہ مذکور ہین۔ فقہا اور خصوصاً فقہاے حنفیہ انکے تفقہ اور اجتہاد کے قائل ہین۔ محدثین کا قول ہے کہ ثقۃ بلا نزاع[1] اور حقیقت یہ ہے کہ وہ ان تمام القاب کے مستحق تھے۔ محارب بن دثار جو مشہور محدث تھے کہا کرتے تھے کہ "داؤد اگر اگلے زمانہ مین ہوتے تو خدا قرآن مجید مین انکا قصہ بیان کرتا"[2]۔

ابتدا مین فقہ و حدیث کی تحصیل کی پھر علم کلام مین کمال پیدا کیا اور بحث و مناظرہ مین مشغول ہوئے۔ ایک دن کسی موقع پر ایک شخص سے گفتگو کرتے کرتے اُسپر کنکری پھینک ماری اُسنے کہا "داؤد! تمہاری زبان اور ہاتھ دونون دراز ہو چلے" اسپر عجیب اثر ہوا بحث و مناظرہ بالکل چھوڑ دیا تاہم تحصیل علم کا مشغلہ جاری تھا۔ برس دن کے بعد کل کتابین دریا مین ڈبو دین اور تمام چیزون سے قطع تعلق کر لیا۔ امام محمد کا بیان ہے کہ "مین داؤد سے اکثر مسئلے پوچھنے جاتا۔ اگر کوئی ضروری اور عملی مسئلہ ہوتا تو بتا دیتے ورنہ کہتے کہ "بھائی! مجھے اور ضروری کام ہین"۔ یہ امام ابوحنیفہ کے مشہور شاگرد ہین۔ خطیب بغدادی۔ ابن خلکان۔ علامہ ذہبی

[1] میزان الاعتدال ذہبی۔ ۱۲ [2] تاریخ ابن خلکان۔ ۱۲

اور دیگر مورخین نے جہاں انکے حالات لکھے ہین امام صاحب کی شاگردی کا ذکر خصوصیت کے ساتھہ کیا ہے۔ تدوین فقہ مین بھی امام صاحب کے شریک تھے اور اُس مجلس کے ممبر تھے سنہ ۱۶۰ھ مین وفات پائی۔

ان بزرگون کے سوا اور بھی بہت سے نامور محدثین مثلاً **فضل بن دکین۔ حمزہ بن حبیب الزیات۔ ابراہیم بن طہمان۔ سعید بن اوس۔ عمر بن میمون فضل بن موسیٰ** وغیرہ امام صاحب کے تلامذہ مین داخل ہین لیکن ہمنے صرف اُن لوگون کا ذکر کیا ہے جو تلامذۂ خاص کہے جا سکتے ہین۔ اور جو بدتون امام صاحب کی صحبت سے مستفید ہوئے ہین۔

فقہا

جو تدوین فقہ مین شریک تھے

قاضی ابو یوسف

اِن کی منزلت اور عظمت شان اس قابل تھی کہ انکا مستقل تذکرہ لکھا جاتا اور جب ہی اُنکے علمی کمالات کا اندازہ بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن یہ فرصت کے کام ہین خدا کسیکو توفیق دے تو یہ کام پورا ہو سکتا ہے۔ اس کتاب کے موضوع کے لحاظ سے میرا اسیقدر فرض ہے کہ انکی مختصر تاریخ لکھدون جس سے اُنکی لایف اور علمی کمالات پر ایک اجمالی راے قائم ہو سکے۔

نسب اور ولادت

انکا نسب انصار سے ملتا ہے انکے مورث اعلیٰ سعد بن حبتہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مین سے تھے۔ اِنکے باپ ایک غریب آدمی تھے اور مزدوری محنت کر کے زندگی

بسر کرتے تھے۔ یہ ۱۱۳ھ یا ۱۱۷ھ مین بمقام کوفہ پیدا ہوئے۔ انکو اگرچہ بچپن سے لکھنے پڑھنے کا ذوق تھا لیکن باپ کی مرضی نہ تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ کوئی پیشہ سیکھین اور گھر مین چار پیسے کما کر لائین۔ تاہم قاضی صاحب جب موقع اور فرصت پاتے علما کی صحبت مین جا بیٹھتے۔ ایک دن امام ابوحنیفہ کے حلقۂ درس مین حاضر تھے۔ کہ انکے باپ پہنچے اور

تحصیل علوم کے سامان۔

وہان سے زبردستی اُٹھا لائے۔ گھر پر آکر سمجھایا کہ "بیٹا!! ابوحنیفہ کو خدا نے رزق کیطرف سے اطمینان دیا ہے۔ تم اُنکی ریس کیون کرتے ہو؟" قاضی صاحب نے مجبوراً لکھنا پڑھنا چھوڑ دیا اور باپ کے ساتھ رہنے لگے۔ امام ابوحنیفہ نے دو چار دن کے بعد لوگون سے پوچھا کہ "یعقوب اب نہین آتے" انکو امام صاحب کی جستجو کا حال معلوم ہوا تو حاضر ہوئے اور ساری کیفیت بیان کی۔ امام صاحب نے چپکے سے ایک تھیلی حوالہ کی۔ گھر پر آکر دیکھا تو سو درہم تھے۔ امام صاحب نے ان سے یہ بھی کہدیا کہ جب خرچ ہو چکے تو مجھ سے کہنا۔ اسیطرح برابر ان کو مدد دیتے رہے یہان تک کہ قاضی صاحب نے تمام علوم مین کمال حاصل کیا اور استاد وقت بنگئے۔

اساتذہ۔

قاضی صاحب نے امام ابوحنیفہ کے علاوہ اور بہت سے ائمہ وقت کی خدمت مین علم کی تحصیل کی۔ اعمش۔ ہشام بن عروۃ۔ سلیمان تیمی۔ ابواسحق شیبانی۔ یحییٰ بن سعید الانصاری وغیرہ سے حدیثین روایت کین محمد بن اسحق سے مغازی و سیر پڑہی۔ محمد بن ابی لیلی سے فقہ کے مسائل سیکھے۔ خدا نے ذہن و حافظہ ایسا قوی دیا تھا کہ ایک ہی زمانہ مین ان تمام علوم کی تحصیل کرتے تھے۔ حافظ ابن عبدالبر نے جو ایک مشہور محدث ہین لکھا ہے کہ ابویوسف

محدثین کے پاس حاضر ہوتے اور ایک جلسہ مین پچاس ساٹھ حدیثین سنکر یاد کر لیتے"۔

امام ابوحنیفہ جب تک زندہ رہے قاضی صاحب اُنکے حلقۂ درس مین ہمیشہ حاضر ہوتے

عہدۂ قضا

رہے۔ اُنکی وفات کے بعد دربار سے تعلق پیدا کرنا چاہا۔ چنانچہ خلیفہ مہدی عباسی نے ۱۶۶ھ مین انکو قاضی کی خدمت دی۔ مہدی کے بعد اُسکے جانشین ہادی نے بھی اُنکو اُسی عہدہ پر بحال رکھا۔ لیکن **ہرون الرشید** نے انکی لیاقتوں سے واقف ہوکر تمام ممالک اسلامیہ کا قاضی القضاۃ مقرر کیا اور یہ وہ عہدہ تھا جو اُسوقت تک اسلام کی تاریخ مین کسیکو نصیب نہین ہوا تھا بلکہ زمانہ مابعد مین بھی بجز قاضی احمد بن ابی داؤد کے اور کسیکو نصیب نہین ہوا۔ قاضی صاحب نے سررشتۂ قضا مین جو ترقیان کین اُنکی تفصیل خود اُنکی لائف لکھی جاے تو لکھی جاسکتی ہے۔

وفات

جمعرات کے دن ظہر کے وقت ربیع الاول کی پانچوین تاریخ ۱۸۲ھ مین وفات پائی۔ محمد بن سماعہ کا بیان ہے کہ مرتے وقت یہ الفاظ اُنکی زبان پر تھے "اے خدا تو جانتا ہے کہ مین نے کوئی فیصلہ عمداً اخلاف واقع نہین کیا۔ میری ہمیشہ کوشش رہی کہ جو فیصلہ ہو تیری کتاب اور تیرے پیغمبر کے طریقہ کے موافق ہو۔ جب کوئی مشکل مسئلہ آتا تھا تو مین امام ابوحنیفہ کو واسطہ بناتا تھا اور جہانتک مجھکو معلوم ہے ابوحنیفہ تیرے احکام کو خوب سمجھتے تھے اور عمداً حق کے رستہ سے باہر نجاتے تھے"۔ قاضی صاحب بہت بڑے دولتمند تھے لیکن دولت کا استعمال اچھی طرح کیا۔ مرتے وقت وصیت کی کہ چار لاکھ روپیے مکہ معظمہ۔ مدینہ منورہ کوفہ۔ بغداد۔ کے محتاجوں کو دیے جائین۔

قاضی صاحب متعدد علوم مین کمال رکھتے تھے۔ اگرچہ اُنکی شہرت زیادہ تر فقہ مین ہوئی۔ لیکن اور علوم مین بھی وہ اپنے آپ ہی نظیر تھے۔ مورخ ابن خلکان نے ہلال بن یحییٰ کا قول نقل کیا ہے کہ "ابو یوسف تفسیر، مغازی، ایام العرب، کے حافظ تھے۔ اور فقہ اُن کا ادنےٰ سا علم تھا"۔ **حدیث** مین انکا یہ پایہ تھا کہ حفاظ حدیث مین شمار کیے جاتے تھے۔ چنانچہ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ مین اُنکا ترجمہ لکھا ہے۔ یحییٰ بن معین کہا کرتے تھے کہ "اہل الرای مین ابو یوسف سے بڑھکر کوئی شخص کثیر الحدیث نہین"۔ امام احمد حنبل کا قول ہے کہ کان منصفا فی الحدیث۔ مزنی جو امام شافعی کے مشہور شاگرد ہین کہا کرتے تھے ابو یوسف اتبع القوم للحدیث"۔[1] خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ مین امام احمد حنبل کا قول نقل کیا ہے کہ "اول جب مجکو علم حدیث کا شوق پیدا ہوا تو ابو یوسف کی خدمت مین حاضر ہوا"۔ یحییٰ بن معین و امام احمد حنبل اور بہت سے ائمہ حدیث نے قاضی صاحب سے حدیثین روایت کین۔ اس سے زیادہ اُنکی عظمتِ شان کی کیا دلیل ہوگی۔[2]

کثرتِ حدیث

فقہ مین جو اُنکا پایہ ہے اُس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ کو خود اُن کے کمال کا اعتراف تھا۔ ایک دفعہ وہ بیمار ہوئے۔ امام صاحب عیادت کو گئے۔ واپس آئے تو ساتھیون سے کہا کہ "خدانخواستہ اگر یہ شخص ہلاک ہوا تو دنیا کا عالم ہلاک ہوا"۔ اور ائمہ بھی اُنکے حدت ذہن اور قوت فہم کے معترف تھے۔ امام اعمش اُس زمانہ کے ایک مشہور محدث تھے

---

[1] یہ اقوال علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ مین نقل کیے ہین [2] قاضی صاحب کی نسبت کتب رجال مین جرحین بھی منقول ہین مگر وہ عموماً ناقابل اعتبار ہین کیونکہ یا تو وہ مبہم جرحین ہین یا اُنکا منشا اجتہادی مسائل کا اختلاف ہے۔

اُنہون نے قاضی صاحب سے ایک مسئلہ پوچھا۔ اُنہون نے جواب بتایا۔ امام اعمش نے کہا اسپر کوئی سند بھی ہے؟ قاضی صاحب نے فرمایا ہان وہ حدیث جو فلان موقع پر آپ نے مجھ سے بیان کی تھی۔ امام اعمش نے کہا "یعقوب! یہ حدیث مجھکو اُسوقت سے یاد ہے جب تمہارے والدین کا عقد بھی نہین ہوا تھا۔ لیکن اُسکا صحیح مطلب آج ہی سمجھ مین آیا۔"[1]

تصنیفات

قاضی صاحب پہلے شخص ہین جسنے فقہ حنفی مین تصنیفین کین مختلف علوم مین اُن کی تصنیفات بہت ہین اور ابن الندیم نے کتاب الفہرست مین اُنکی مفصل فہرست بھی نقل کی ہے لیکن ہماری نگاہ سے صرف **کتاب الخراج** گزری ہے اسلیے ہم اُسکے متعلق کچھ لکھنا چاہتے ہین۔ ہرون الرشید نے خراج و جزیہ وغیرہ کے متعلق قاضی صاحب سے یادداشتین طلب کی تھین۔ قاضی صاحب نے اُسکے جواب مین چند تحریرین بھیجین۔ یہ کتاب اُنہین تحریرون کا مجموعہ ہے[2]۔ اگرچہ اسمین بہت سے مضامین ہین لیکن زیادہ تر خراج کے مسائل ہین اور اسلیے اُسکو اس زمانہ کا قانون مالگزاری کہہ سکتے ہین۔ اس کتاب مین زمین کے اقسام بلحاظ حیثیت اور بلحاظ تنوع۔ لگان کی مختلف شرحین۔ کاشتکارون کی حیثیت کا اختلاف۔ پیداوار کی قسمین۔ اس قسم کے امور مراتب کو اس خوبی اور دقت نظر کے ساتھ منضبط کیا ہی اور اُنکے متعلق قواعد قرار دیے ہین کہ اُس زمانہ کے لحاظ سے تعجب ہوتا ہے۔ طرز تحریر مین ایک یہ بڑی خوبی ہے کہ نہایت آزادانہ ہی۔ قواعد اور ہدایتون کے ساتھ جابجا اُن ابتریونکا ذکر ہی جو انتظامات سلطنت مین موجود تھین۔ اور اُن پر نہایت بیباکی کے ساتھ خلیفۂ وقت کو متوجہ کیا ہی۔

[1] ابن خلکان۔ ترجمہ قاضی ابو یوسف۔ ۱۲ [2] یہ کتاب مصر کے مطبع میریہ مین سنہ ۱۳۰۲ھ مین چھاپی گئی ہی۔ ۱۲

قاضی صاحب کی تاریخ زندگی مین جو چیز سب سے زیادہ قابل قدر ہے وہ یہ ہے کہ ہٰرون الرشید جیسے جبار اور خود پرست بادشاہ کے دربار مین وہ اپنے فرائض اس جرأت اور آزادی سے ادا کرتے تھے جسکی مثال ایشیائی سلطنتون مین بہت کم ملسکتی ہے کتاب الخراج مین ایک جگہ ہٰرون الرشید کو لکھتے ہین کہ "اے امیر المومنین! اگر تو اپنی رعایا کے انصاف کیلیے مہینہ مین ایک بار بھی دربار کرتا اور مظلومون کی فریاد سنتا تو مین امید کرتا ہون کہ تیرا شمار اُن لوگون مین نہوتا جو رعیت سے پردہ کرتے ہین۔ اور اگر تو دو ایک دربار بھی کرتا تو یہ خبر تمام اطراف مین پھیل جاتی اور ظالم اپنے ظلم سے باز آتے ۔ بلکہ اگر عمّال وصوبہ داران کو یہ خبر پہنچے۔ کہ تو برس دن مین ایک دفعہ انصاف کے لیے بیٹھتا ہے تو ظالمون کو کبھی ظلم پر جرأت نہونے پائے!!"

آزادی کے ساتھ اپنے فرائض کا انجام دینا۔

قاضی صاحب کے سوا کسکی جرأت تھی کہ ہٰرون الرشید کو یہ الفاظ لکھتا؟

تعجب یہ ہے کہ ایسا آزاد اور پاکیزہ نفس بھی دشمنونکے حملہ سے نہین بچا۔ قاضی صاحب کے مخالفین نے اُنکو خوشامدی اور زمانہ ساز کہا ہے اور اس مضمون کی چند روایتین بھی گھڑ لی ہین۔ بعض مورخین جنکو رطب و یابس سے کچھ بحث نہین ان بیہودہ روایتون کو نقل بھی کر دیتے ہین جو کوتاہ بینون کے لیے "ہوئی بس است" کا کام دیتی ہے۔ اس قسم کی بعض حکایتین تاریخ الخلفاء مین منقول ہین لیکن یہ ظاہر ہے کہ **کتاب الخراج** کے فقرے جو ہمنے نقل کیے ہین جس قطعیت کے ساتھ ثابت ہین اُنکے مقابلہ مین ان روایتون کا کس حد تک اعتبار ہو سکتا ہے۔

مخالفین کی تہمت آمیز روایتین۔

حاطب اللیل مورخین ایک طرف ۔ بعض محدثین نے بھی مخالفت کے جوش میں تحقیق حق کی پروا نہ کی بیہقی نے امام شافعی کے حالات میں ایک ضخیم کتاب لکھی ہے انہیں لکھا ہے کہ امام شافعی جب ہرون الرشید کے دربار میں گرفتار ہو کر آئے تو قاضی ابو یوسف اور امام محمد نے ہرون الرشید کو امام شافعی کے قتل کی رائے دی اور کہا کہ اگر جلد تدارک نہیں کیا جاتا تو یہ شخص سلطنت کو صدمہ پہنچائیگا !!! افسوس ۔ امام بیہقی کو باوجود محدثیت یہ بھی خیال نہ آیا کہ قاضی ابو یوسف اس زمانہ سے بہت پہلے انتقال کر چکے تھے ۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ خود محدثین ہی نے اس روایت کی تکذیب کی ۔ حافظ ابن حجر نے جن سے بڑھکر اُنکے بعد محدث نہیں ہوا امام شافعی کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے[1] جو آجکل مصر میں چھاپی گئی ہے ۔ وہ اس روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں ۔ فھی مکذوبۃ وغالب ما فیھا موضوع وبعضھا ملفق من روایات ملفقۃ واوضح ما فیھا من الکذب قولہ فیھا ان ابا یوسف ومحمد بن الحسن حرضا الرشید علی قتل الشافعی ۔ یعنی یہ روایت جھوٹی ہے اور اُسکا اکثر حصہ موضوع ہے ۔ اور بعض حصے دوسری مختلط روایتوں سے ماخوذ ہیں اور جو صریح جھوٹ اسمیں ہے وہ یہ ہے کہ ابو یوسف و محمد بن الحسن ۔ نے ہرون الرشید کو امام شافعی کے قتل کی ترغیب دی ۔

اولیت

قاضی صاحب کی طرف بعض اولیات بھی منسوب ہیں ۔ مورخ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ قاضی ابو یوسف پہلے شخص ہیں جسنے علما کے لیے ایک خاص لباس تجویز کیا کہ آج تک

[1] اس کتاب کا نام توالی التاسیس بمعالی ابن ادریس ہے اور ۱۳۰۱ھ میں مطبع مصر میں طبع ہوئی ہے ۔۱۲

پڑتا جاتا ہے ورنہ اُن سے پہلے تمام لوگون کا ایک لباس تھا۔

امام محمد بن الحسن الشیبانی

یہ فقہ حنفی کے دوسرے بازو ہین۔ انکا اصلی وطن دمشق کے متصل ایک گانون تھا جسکو حرستا کہتے ہین۔ انکے والد وطن چھوڑکر واسطہ چلے آئے اور وہین سکونت اختیار کرلی۔ امام محمد سنہ ۱۳۲ھ مین یہین پیدا ہوئے۔ سن رشد کا آغاز تھا کہ کوفہ جانا ہوا۔ یہان علوم کی تحصیل شروع کی اور بڑے بڑے فقہاء و محدثین کی صحبت اٹھائی۔ مسعر بن کدام۔ امام سفیان ثوری۔ مالک بن دینار۔ امام اوزاعی وغیرہ سے حدیثین روایت کین۔ کم و بیش دو برس تک امام ابوحنیفہ کی خدمت مین رہے۔ امام صاحب کی وفات کے بعد قاضی ابویوسف سے بقیہ تحصیل کی۔ پھر مدینہ منورہ گئے اور تین برس تک امام مالک سے حدیث پڑہتے رہے آغاز شباب ہی مین انکے فضل وکمال کے چرچے پھیل گئے تھے۔ بیس برس کے سن مین مسند درس پر بیٹھے اور لوگون نے ان سے استفادہ شروع کیا۔ ہرون الرشید نے انکے فضل وکمال سے واقف ہوکر قضا کی خدمت دی اور اکثر اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ سنہ ۱۸۹ھ مین رے گیا تو انکو بھی ساتھ لے گیا۔ رے کے قریب رنبویہ ایک گانون ہے وہان پہنچکر قضا کی اتفاق یہ کہ کسائی جو مشہور نحوی گذرا ہے وہ بھی اس سفر مین ساتھ تھا اور اُسنے بھی یہین انتقال کیا۔ ہرون الرشید کو نہایت صدمہ ہوا اور کہا کہ "آج فقہ اور نحو دونون کو ہم دفن کر آئے" علامہ یزیدی نے جو ایک مشہور ادیب اور ہرون الرشید کے درباریون مین تھے نہایت جانگداز مرثیہ لکھا جسکا ایک شعر یہ ہے ؎

فقلت اذا ما اشکل الخطب من لنا بایضاحه یوما وانت فقید

ترجمہ: یعنی ہمنے کہا کہ جب تو نرہا تو ہمارے لیے مشکلات کا حل کرنیوالا کہاں سے آئیگا ؟ -

امام محمد نے اگرچہ زندگی کا بڑا حصہ دربار کے تعلق سے بسر کیا لیکن آزادی اور حق گوئی کا سر رشتہ کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا ۱۷۶ھ مین یحییٰ علوی نے جب علم بغاوت بلند کیا تو ہرون الرشید اُن کا سروسامان دیکھکر حواس باختہ ہوگیا - اور دب کر صلح اختیار کی معاہدہ صلح قلمبند ہوا اور یحییٰ کے اطمینان کے لیے بڑے بڑے علماء - فضلاء - فقہا - اور محدثین نے اُسپر دستخط کیے - یحییٰ صلح پر راضی ہوکر بغداد مین آئے تو چند روز کے بعد ہرون الرشید نے نقض عہد کرنا چاہا - تمام علماء نے ہرون الرشید کے خوف سے فتویٰ دیدیا کہ صورت موجودہ مین نقض عہد جائز ہے لیکن امام محمد نے علانیہ مخالفت کی اور اخیر تک اپنے اصرار پر قائم رہے -

امام محمد جس رتبہ کے شخص تھے اسکا اندازہ - ائمہ مجتہدین کے اقوال سے ہوسکتا ہی امام شافعی کا قول ہے کہ " امام محمد جب کوئی مسئلہ بیان کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ وحی اُتر رہی ہے " انہین کا قول ہے کہ " مین نے امام محمد سے ایک بار شتر کی برابر علم حاصل کیا " امام احمد حنبل سے کسی نے پوچھا کہ یہ دقیق مسائل آپ کو کہاں سے حاصل ہوئے ؟ - فرمایا " محمد بن الحسن کی کتابون سے[1] "

امام محمد کے حلقۂ درس سے اگرچہ اور بہت سے نامور علماء تعلیم پاکر نکلے لیکن اُن سب مین امام شافعی کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جا سکتا ہی - ہمارے زمانہ کے کم نظر ونکو اس سے

[1] یہ تمام اقوال محدث نووی نے تہذیب الاسماء واللغات مین نقل کیے ہین - ۱۲

تعجب ہوگا۔ اگلے زمانہ مین بھی ابن تیمیہ نے امام شافعی کی شاگردی سے انکار کیا تھا۔ لیکن حق کو کون دبا سکتا ہے؟ تاریخ ورجال کی آج سیکڑون کتابین موجود ہین۔ وہ کیا شہادت دے رہی ہین۔ ؟ بے شبہہ امام شافعی کو امام محمد کے فیض صحبت نے بڑے بڑے کمالات کے رستے دکھائے اور اسکا خود اُنکو اعتراف تھا۔ حافظ ابن حجر امام شافعی کا قول نقل کرتے ہین کان محمد بن الحسن جیدَ المنزلۃِ عِندَ الخلیفۃ فاختلفتُ الیہ وقُلتُ ھو اولے من جھۃ الفقہ فلزمتہ وکتبتُ عنہ[1] یعنی محمد بن الحسن خلیفہ کے ہان بہت معزز تھے اسلیے مین اُنکے پاس آتا جاتا تھا۔ مین نے اپنے جی مین کہا کہ وہ فقہ کے لحاظ سے بھی عالی رتبہ ہین اس لیے مین نے اُن کی صحبت لازم پکڑی اور ان کا درس قلمبند کرتا تھا۔

امام محمد خود بھی امام شافعی کی نہایت عزت کرتے تھے اور تمام شاگردون کی نسبت اُنکے ساتھ خاص مراعات کے ساتھ پیش آتے تھے۔ ایک دن ہرون الرشید کے دربار مین جارہے تھے۔ راہ مین امام شافعی ملے۔ جو انکی ملاقات کو آرہے تھے۔ اُسیوقت گھوڑے سے اُتر پڑے اور نوکر سے کہا کہ "خلیفہ کے پاس جا اور عذر بیان کر کہ مین اسوقت حاضر نہین ہوسکتا۔ امام شافعی نے کہا "مین اور کسیوقت حاضر ہونگا آپ دربار مین تشریف لیجائین۔ امام محمد نے کہا نہین وہان جانا کچھہ ضرور نہین"[2]۔ امام محمد و امام شافعی مین اکثر مناظرات بھی رہتے تھے۔ اور اسی بناپر بعضون کو اُنکی شاگردی سے انکار ہے۔ لیکن اُس زمانہ کی اُستادی وشاگردی مین یہ امر

[1] دیکھو توالی التاسیس مطبوعہ مصر صفحہ ۶۹۔ [2] توالی التاسیس صفحہ ۶۹ – ۱۲

معیوب نہ تھے اور در اصل آج بھی معیوب نہیں۔

امام محمد کی شہرت اگرچہ زیادہ تر فقہ میں ہے اور انکی تصنیفات عموماً اسی فن کے متعلق پائی جاتی ہیں لیکن وہ تفسیر۔ حدیث۔ ادب۔ میں بھی اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے۔ امام شافعی کا قول ہے کہ "میں نے قرآن مجید کا عالم۔ امام محمد سے بڑھکر نہیں دیکھا"[1] ادب و عربیت میں اگرچہ انکی کوئی تصنیف موجود نہیں۔ لیکن فقہ کے جو مسائل نحو کے جزئیات پر مبنی ہیں۔ اکثر جامع کبیر میں مذکور ہیں اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اس فن میں انکا کیا پایہ تھا چنانچہ ابن خلکان وغیرہ نے خصوصیت کے ساتھ اسکا ذکر کیا ہے۔

حدیث میں انکی کتاب **موطا** مشہور ہے۔ اسکے علاوہ کتاب الحجج جو امام مالک کی رد میں لکھی ہے اسمیں اکثر حدیثیں روایت کی ہیں اور متعدد مسائل میں جوش ادعا کے ساتھ کہا ہے کہ "مدینہ والوں کو دعویٰ ہے کہ وہ حدیث کے پیرو ہیں حالانکہ ان مسائل میں صحیح انکے خلاف حدیث موجود ہے"۔

امام محمد کی تصنیفات۔ تعداد میں بہت زیادہ ہیں۔ اور آج فقہ حنفی کا مدار انہی کتابوں پر ہے ہم ذیل میں ان کتابوں کی فہرست لکھتے ہیں جنمیں امام ابو حنیفہ کے مسائل روایتاً مذکور ہیں اور اسلئے وہ فقہ حنفی کے اصلی اصول خیال کیے جاتے ہیں۔

مبسوط۔ اصل میں یہ کتاب قاضی ابو یوسف۔ کی تصنیف ہے۔ ان ہی مسائل۔ کو امام محمد نے زیادہ توضیح اور خوبی سے لکھا۔ یہ امام محمد۔ کی پہلی تصنیف ہے۔

[1] الجواہر المضیۃ ترجمۂ امام محمد۔۱۲

جامع صغیر - مبسوط کے بعد تصنیف ہوئی - اِس کتاب مین امام محمد - نے قاضی ابو یوسف - کی روایت سے امام ابو حنیفہ کے تمام اقوال لکھے ہین - کل ۵۳۲ مسئلے ہین - جنمین سے ایک سو ستر مسئلہ کے متعلق اختلاف رائے بھی لکھا ہے - اس کتاب مین تین قسم کے مسائل ہین -

(۱) جنکا ذکر بجز اس کتاب کے اور کہین نہین پایا جاتا -

(۲) اور کتابون مین بھی مذکور ہین لیکن اُن کتابون مین امام محمد - نے تصریح نہین کی تھی کہ یہ خاص ابو حنیفہ - کے مسائل ہین - اس کتاب مین تصریح کر دی ہے -

(۳) اور کتابون مین مذکور تھے - لیکن اس کتاب مین جن الفاظ سے لکھا ہے اُن سے بعض نئے فائدے مستنبط ہوتے ہین - اس کتاب کی تیس چالیس شرحین لکھی گئین جنکے نام اور مختصر حالات کشف الظنون وغیرہ مین ملتے ہین -

جامع کبیر - جامع صغیر کے بعد لکھی گئی - ضخیم کتاب ہے - اسمین - امام ابو حنیفہ - کے اقوال کے ساتھ - قاضی ابو یوسف - و امام زفر کے اقوال بھی لکھے ہین - ہر مسئلہ کے ساتھ دلیل لکھی ہے - متاخرین حنفیہ - نے اصول فقہ کے جو مسائل قائم کیے ہین زیادہ تر اسی کتاب کی طرز استدلال و طریق استنباط سے کیے ہین - بڑے بڑے نامور فقہاء نے اسکی شرحین لکھین جنمین سے ۴۲ شرحونکا ذکر کشف الظنون مین ہے -

زیادات - جامع کبیر - کی تصنیف کے بعد جو فروع یاد آئے وہ اسمین درج کیے اور اسی لیے زیادات نام رکھا -

کتاب الحجج - امام محمد - امام ابو حنیفہ - کی وفات کے بعد مدینہ منورہ گئے اور

تین برس وہان رہکر۔ امام مالک سے **موطا**۔ پڑہی۔ اہل مدینہ کا طریقہ فقہ جدا تھا۔ بہت سے مسائل مین وہ لوگ امام حنیفہ۔ سے اختلاف رکھتے تھے۔ امام محمد۔ نے مدینہ۔ سے آکر یہ کتاب لکھی۔ اسمین اوّل وہ ابوحنیفہ۔ کا قول نقل کرتے ہین۔ پھر مدینہ۔ والونکا اختلاف بیان کرکے۔ حدیث۔ اثر۔ قیاس۔ سے ثابت کرتے ہین کہ امام ابوحنیفہ۔ کا مذہب صحیح ہے اور دوسرون کا غلط۔ امام رازی۔ نے مناقب الشافعی مین اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب چھپ گئی ہے۔ اور ہرجگہہ ملتی ہے۔ مین نے اسکا ایک قلمی نسخہ بھی دیکھا ہے۔

سیر صغیر و کبیر۔ یہ سب سے اخیر تصنیف ہے۔ اول سیر صغیر۔ لکھی۔ اسکا ایک نسخہ امام اوزاعی کی نظر سے گزرا۔ انہون نے طعن سے کہا کہ اہل عراق کو فن سیر سے کیا نسبت! امام محمد نے سُنا تو سیر کبیر لکھنی شروع کی۔ طیار ہوچکی تو ساٹھہ جزو نکلین آئی۔ امام محمد اس ضخیم کتاب کو ایک خچر پر رکھواکر ہرون الرشید کے پاس لے گئے۔ ہرون الرشید کو پہلے سے خبر ہوچکی تھی۔ اُسنے قدردانی کے لحاظ سے شہزادون کو بھیجا کہ خود جاکر امام محمد سے اُسکی سند لین۔

اِن کتابونکے علاوہ۔ امام محمد کی اور تصانیف بھی فقہ مین موجود ہین مثلاً کیسانیات۔ جرجانیات۔ رقیات۔ ہرونیات۔ لیکن یہ کتابین فقہا۔ کی اصطلاح مین ظاہر الروایۃ مین داخل نہین۔ بلکہ کتاب الحجج جسکا ذکر اوپر ہوچکا وہ بھی اِس سلسلہ سے خارج ہے۔

امام زفر

فقہ مین اگرچہ ان کا رتبہ امام محمد سے زیادہ مانا جاتا ہے لیکن چونکہ اُنکی کوئی تصنیف موجود نہین ہے۔ اور اُنکے حالات بھی بہت کم معلوم ہین۔ اسلیے صاحبین سے اُنکو موخر رکھنا پڑا۔ یہ عربی النسل تھے۔ شروع زمانہ مین اُنکو حدیث کا توغل رہا۔ اور اسیوجہ سے جیسا کہ علامہ نووی نے تہذیب اللغات مین تصریح کی ہے صاحب الحدیث کہلاتے تھے۔ پھر فقہ کی طرف توجہ کی اور اخیر عمر تک یہی مشغلہ رہا۔

یحیٰی بن معین جو فن جرح و تعدیل کے امام ہین اُنکا قول ہے کہ زفر صاحب الرای ثقۃ مامون[1]۔ بعض لوگون نے اُنکی تضعیف بھی کی ہے لیکن وہ مبہم ہے اور قابل اعتبار نہین۔

اُنکو خاصکر قیاسی احکام مین نہایت کمال تھا۔ امام ابوحنیفہ ان کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ اقیس اصحابی۔ وکیع بن الجراح جنکا ذکر اوپر گزر چکا ان سے استفادہ کرتے تھے قضا کا عہدہ بھی اُنکو ملا تھا۔ ۱۱۰ھ مین پیدا ہوئے۔ اور ۱۵۸ھ مین وفات کی۔

قاسم بن معن

بہت بڑے نامور شخص تھے۔ صحاح ستّہ کے مصنفین نے ان سے روایت کی ہے۔ اگرچہ اُنکو حدیث و فقہ مین بھی کمال تھا لیکن عربیت و ادب مین اپنا نظیر نہین رکھتے تھے۔

---

[1] تہذیب الاسماء واللغات ۔ علامہ نووی ۔ ۱۲

امام محمد انکی خدمت مین استفادہ کی غرض سے حاضر ہوتے تھے۔ خلیفہ نے انکو کوفہ کا قاضی مقرر کیا مجبوراً قبول کرنا پڑا لیکن تنخواہ کبھی نہین لی۔

امام ابوحنیفہ کو ان سے خاص محبت تھی۔ یہ بھی منجملہ ان لوگون کے ہین جنکی نسبت امام صاحب فرمایا کرتے تھے کہ "تم لوگ میرے دل کی تسلی اور میرے غم کے مٹانیوالے ہو" انکو بھی امام صاحب کے ساتھ نہایت خلوص تھا۔ ایک شخص نے پوچھا کہ "آپ فقہ و حدیث دونون کے امام ہین۔ ان دونون علمون مین سے وسیع کون علم ہے؟ فرمایا کہ "واللہ امام ابوحنیفہ کی ایک تحریر کل فن عربیت پر بھاری ہے" سنہ ۱۸۲ھ مین وفات کی۔

اسد بن عمرو

یہ پہلے شخص ہین جنکو امام ابوحنیفہ کی مجلس تصنیف مین۔ تحریر کا کام سپرد ہوا۔ بہت بڑے رتبہ کے شخص تھے۔ امام احمد بن حنبل نے ان سے روایت کی ہے۔ اور یحیٰی بن معین نے انکو ثقہ کہا ہے۔

بلال رازی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ہرون الرشید مکہ معظمہ گیا۔ طواف سے فارغ ہوکر کعبہ مین داخل ہوا اور ایک جگہ بیٹھ گیا۔ تمام اہل دربار اور اعیان ہاشم کھڑے تھے مگر ایک شخص ہرون الرشید کی برابر بیٹھا جنکہ نہایت تعجب ہوا۔ لوگون سے دریافت کیا تو

[illegible]

[illegible]

بغداد مین قضا کے عہدہ پر مامور تھے۔ سنہ ۱۸۸ھ مین انتقال کیا۔

علی بن المسہر

فن حدیث امام اعمش و ہشام بن عروۃ سے حاصل کیا تھا۔ امام بخاری و مسلم نے انکی روایت سے حدیثین نقل کی ہین۔ امام احمد بن حنبل انکے فضل و کمال کا اعتراف کرتے تھے امام سفیان ثوری نے امام ابوحنیفہ کی تصنیفات پر جو اطلاع حاصل کی ان ہی کے ذریعے سے کی۔ موصل کے قاضی تھے۔ سنہ ۱۸۹ھ مین انتقال کیا[۱]۔

عافیہ بن یزید

یہ وہی بزرگ ہین جنکی نسبت امام ابوحنیفہ مجلس تصنیف مین فرمایا کرتے تھے کہ جب تک عافیہ نہ آجائین کسی مسئلہ کو قلمبند نہ کرو۔" علامہ ذہبی نے انکی نسبت لکھا ہے
انہ کان من خیار القضاۃ

حبان

کثیر الروایۃ تھے۔ ابن ماجہ مین انکی روایت سے متعدد حدیثین موجود ہین۔ امام ابوحنیفہ انکی قوت حفظ کے بہت مداح تھے۔ سنہ ۱۷۲ھ مین وفات کی۔

[۱] یہ حالات مجھکو صرف الجواہر المضیئہ سے معلوم ہوئے۔

حبان کے بھائی تھے۔ امام اعمش و ہشام بن عروۃ و عبدالملک بن عمیر و عاصم احول وامام ابوحنیفہ سے حدیثین روایت کین۔ نہایت متورع اور پرہیزگار تھے ۱۶۰ھ مین انتقال کیا۔ انکے بھائی حبان نے نہایت باثر مرثیہ لکھا۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال مین اُسکے چند اشعار نقل کیے ہین۔ دو شعر یہ ہین۔

فاذا اذکرت فقد ان اخی	انقلبت فی فراشی ارقا
واخ ای اخ مثل اخی	قد جری فی کل خیر سبقا

بالخیر تمت

افسانۂ یاران کہن خواندم و رفتم	دریاب کہ لعل و گہر افشاندم و رفتم

۱۵ دسمبر ۱۸۹۳ء

مقام علیگڈھ

شبلی نعمانی